ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

مارچ-اپریل 2010ء - ربیع الثانی 1431ھ

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 3-4 | مارچ اپریل 2010ء | جلد 18

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

مشیر ادارت
ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز
- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل • انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- سید قیصر عباس شاہ • شیخ محمد راشد
- ارشد محمود ارشد • احد شریف

ادارتی معاونین
- طالب حسین مرزا
- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر

نمائندگان

• بیلجیم	آصف پراچہ
• جاپان	محمد جہانگیر
• امریکہ	زاہد کلیم محبوب سبحانی
• انگلینڈ	علی نوید
• جرمنی	بابر شاہ
• اٹلی	راجہ خادم حسین آفتاب احمد ناز
• فرانس	ساجد محمود ملک صفدر
• سپین	محمود سلطان
• ہالینڈ	محمد حنیف نقشبندی
• دبئی	محمد قیصر
• سعودی عرب	حافظ حمید
• جنوبی افریقہ	محمد اسماعیل ہزاروی

ہرچہ مردر بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	حافظ نور احمد قادری	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	6
4	درس حدیث	مفتی محمد صدیق ہزاروی	13
5	سیدنا غوث اعظم	ڈاکٹر ظفر اقبال نوری	15
6	سرکار بغداد	درد کاکوری	17
7	باغی ہندوستان	علامہ فضل حق خیر آبادی	18
8	فلسفہ موت	سید عبدالقادر جیلانی	26
9	یادیں بھی اور باتیں بھی	حافظ شیخ محمد قاسم	40
10	آزر کون تھا؟	محمد حنیف قریشی	43
11	پیشن گوئیاں	سعید بدر	54
12	انٹرویو	مفتی محمد خان قادری	57
13	انوار مسرور کیفی	شہزاد احمد	62
14	اعمالِ صالحہ کا جمالیاتی معیار	سید ریاض حسین شاہ	65
15	مسائل دین و دنیا	محمد لیاقت علی مفتی	75
16	محبت اور پیار کا آب حیات	ماسٹر احسان الٰہی	77
17	سالانہ محفل میلاد النبی	ڈاکٹر منظور حسین اختر	81
18	رپورٹ چھالے شریف	عبدالقادر مصطفائی	84
19	تصوف سیمینار	معین الدین جمالی	85
20	رپورٹ رواتڑہ شریف	عبدالقادر مصطفائی	87

بدل اشتراک بشمول ڈاک خرچ سالانہ 360 روپے، 100 ڈالر، 50 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 042-35838038 فیکس: 042-35918238

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.info

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

میرے ہادی مرے سلطان مدینے والے

میرے ہادی مرے سلطان مدینے والے
میرا ایماں مرا یقان مدینے والے

خلق ، ایثار ، کرم ،حلم ، محبت ، احسان
ہے یہ سب آپ کا فیضان مدینے والے

جان سکتا ہی نہیں کوئی بجز رب کریم
آپ کا مرتبہ و شان مدینے والے

معرفت رب کی میسر ہی نہیں ہو سکتی
آپ کا گر نہیں عرفان مدینے والے

ہے زمانے کے لئے رافت ورحمت کا سبب
آپ کا تابع فرمان مدینے والے

آپ کے ذکر سے ہے زینت لوح محفوظ
آپ ہیں مطلع دیوان مدینے والے

تا ابد گونجے گا صدیقہ کا یہ قول عزیز
آپ کا خلق ہے قرآن مدینے والے

آپ کی مدح بنے گی مری بخشش کا سبب
کہہ رہا ہے مرا وجدان مدینے والے

حاضری مجھ کو بھی آقا ہو کبھی در کی نصیب
میں بنوں آپ کا مہمان مدینے والے

آپ کے عشق کا ساغر مجھے مہمیز کرے
تا کہ کامل ہو یہ ایمان مدینے والے

ہو کبھی خواب میں دیدار مجھے بھی آقا
دل کے نکلیں مرے ارمان مدینے والے

نور کو آپ کے در سے ہی ملی ہے توفیق
ہو قبول اس کا یہ دیوان مدینے والے

حافظ نور احمد قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چشم بر روئے او کشا باز بہ خویشتن نگر!

12۔ربیع الاول کو فضائیں خوشیوں اور مسرتوں میں ڈوبی ہوئی تھیں، فضائے ملک درود و سلام سے گونج رہی تھی لگتا تھا کہ تیرہ شبی کی محرومیاں ختم ہو چکی ہیں۔ ایک یتیم لیکن عظیم ابھرنے والی قیادت کی ولادت کی خوشیاں منا کر اعلان کیا جا رہا تھا کہ کائنات کو سدھارنے کا حوصلہ کسی نے دیکھنا ہو تو آمنہ کے کاشانہ سے پھوٹنے والی نور کی کرن کو دیکھ لے جس کے دامنِ شفاف پر فرشتے درود گزارنے کے آرزومند ہیں۔ اچانک چند تاریک معبدوں سے فضاؤں کو چیرتی ہوئی خونی گولیاں امن کی خیرات بانٹنے والوں کی چھاتیوں میں پیوست ہو گئیں، پتہ چلا کہ لاشیں جب اٹھائی گئیں تو ان شہدائے محبت میں ایک سات سالہ بچہ بھی تھا۔ سوال ابھرتا ہے کہ لوگ یہ اعلان سن رہے تھے:

”زندگی نئی کر لو، اپنے نظام کو نئے سانچے میں ڈھال لو، خیانت اور بد معاملگی سے جان چھڑا لو، شراب کے پیمانے توڑ دو، بے حیائی اور قوم فروشی سے باز آؤ، مغرب پرستی کے بتوں کو پاش پاش کر دو۔“

میلاد کے جلوسوں میں یہی جذبے، ارادے اور عزائم لاکھوں لوگوں کے دلوں میں تلاطم اٹھا رہے تھے اور کچھ لوگ یہ سب کچھ ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ اصل میں تو عالمی شیطانی اور طاغوتی طاقتیں ہیں جنہیں میلاد پسند ہے نہ یہ پسند ہے کہ مصطفوی حسن کی روشنیاں ارزاں ہوں اور نامِ محمد ﷺ کا چرچا ہو۔ خدائی فیصلے کا اعلان سننے سے یہ لوگ بہرے رہے کہ جسے بھیجنے والے نے بزمِ ہستی کا صدر بنا کر بھیجا ہے اس کا معاملہ اور ذکر ایسا تھوڑا ہی ہے کہ دبانے سے دب جائے اور مٹانے سے مٹ جائے جس نے بھیجا اس نے خود فیصلہ فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾

”اور ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلندی بخشی“۔ (الم نشرح:4)

ایک بات ہم سب کو اچھی طرح سوچ لینی چاہیئے کہ نگاہِ رسول نے جو حرکی، انقلابی اور روحانی افراد تیار کئے تھے بنیادی طور پر ان میں چار خوبیاں پیدا کی تھیں۔ علامہ اقبال نے بھی قدسیوں کے اس قافلے کی

خوشبو سونگھ کر مرقعہ کشی کی تھی کہ وہ نرم دم گفتگو تھے، گرم دم جستجو تھے، رزم ہو یا بزم ہو وہ لوگ پاک دل اور پاکباز تھے۔ ان کے سینوں میں دل پتھروں کی سلیں نہیں تھیں رحمت و رافت کے چشمے تھے، دینی اور روحانی انقلاب کے یہی صاف ستھرے دھارے تھے جو عرب دنیا سے باہر نکلے تو مسلمانوں کی یہ خوبیاں لوگوں کی روحوں میں تلاطم پیدا کرنے لگیں اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ غریب نواز نے گولیاں نہیں چلائی تھیں، پیر پیراں دستگیر نے شمشیر زنیوں سے لوگوں کے اخلاق و کردار میں ارادت اور ایمان کا چراغاں نہیں کیا تھا۔ سید علی ہمدانی نے نیزے پھینک کر چالیس ہزار پنڈتوں کی تقدیر تبدیل نہیں کی تھی۔ داعیِ حق کے سینے پر نازل ہونے والے قرآن نے توروبیوں کو شستگی دی تھی اور ضابطہ حق نے دوٹوک انداز میں منہاج تبلیغ یہ دیا تھا۔

قرآن حکیم کی تعلیم ملاحظہ ہو:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

"اپنے پروردگار کی راہ میں دعوت دیتے رہیے حکمت اور دل نشین نصیحت کے ساتھ اور اُن کی تردید حسین پیرائے میں کیجیے"۔ (النحل:125)

وہ بد بخت لوگ جو پاکیزہ اور شفاف ماحول کو مکدر بنانے پر تلے ہوئے ہیں ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ تعصب اور بغض فطرتِ سلیمہ کو مسخ کر دیتا ہے اور قلب و روح پر حجابات آ جاتے ہیں اور حق و صداقت سے دور رہنا قلب کو زنگ آلود کر دیتا ہے۔ تنگ دلیوں کا اندھا جوش سچائیوں سے آہستہ آہستہ دور کرتے کرتے نارِ جہنم میں جا پہنچاتا ہے۔ حضور ﷺ کی ولادت کے موقع پر خوشیوں اور مسرتوں کو حزن و ملال میں بدلنے کا عشق رکھنے والوں کو اپنے ذہنوں میں گرونانک اتنی سوچ ہی پیدا کر لینی چاہیئے۔

جگ میں مورکھ بندہ کیا بوجھے
اندھے کو دیپک کیا سوجھے
بن احمد کے کُھوے بھید نہ پائیو
مورکھ اندھا گنوار کہلائیو

اسلام کا مزاج سلامتی ہے اور ایمان کی عطا امن ہے۔ وہ لوگ جو اپنی بخت سوز حرکات سے خود کو ایمان و اسلام کے مزاج سے عاری کر لیتے ہیں بہیمیت ان پر سوار ہو جاتی ہے۔ خدا گواہ ہے ایسے لوگ معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ لیتے ہیں۔ نظام تمدن کی مانگ سے ایسے ہی سفلہ مزاج اجاڑ دیتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ جہالت کی پگڈنڈیوں پر سیر و تفریح کے ارادے لے کر آگ کے کھلونوں سے دل بہلاتے ہیں۔ نظامِ تکوین اور نظامِ تشریع دونوں ان سے بیزار ہوتے ہیں قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھیئے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد نہ ڈالو زمین میں، تو کہتے ہیں ہمیں تو اصلاح کرنے والے ہیں سن لو! حقیقت میں وہی فسادی ہیں لیکن وہ خود محسوس تک نہیں کرتے"۔ (البقرہ:11-12)

قرآن مجید کی یہ آیت بتاتی ہے کہ ہر فساد کرنے والے کا یہی دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کا پرچم اٹھانے والا ہے، ایسے لوگ ایمان کو حماقت اور محبت کو سفاہت تصور کرتے ہیں۔ محبت کے مظاہر نشست کی صورت میں ہوں یا برخاست کے روپ میں ہوں، جلسے ہوں یا جلوس ان میں پیغمبر کا نام و کام ہی کیوں نہ خیر بانٹ رہا ہو، ان لوگوں کے نزدیک وہ سفاہت ہے شاید اسی لئے گولیاں برسائی جاتی ہیں۔

قرآن حکیم پڑھیئے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جیسے محبت والے ایمان لائے، کہتے ہیں ایمان لائیں ہم جیسے کہ ایمان لائے بے وقوف، سن رکھو کہ بلا شبہ وہی بے وقوف ہیں لیکن نادانی مچا رکھی ہے''۔(البقرہ:13)

حضور انور ﷺ کی محبت، آپ کا بیان، آپ کے نام کی مالا جپنا، آپ کی نعتیں پڑھنا، آپ پر درود وسلام کی کثرت کرنا، آپ کے نام اور سیرت وصورت کا چرچا کرنا نعت ہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ کا وجود نعتِ کبریٰ ہے۔ آپ کی ذات بابرکات انسانیت پر احسانِ عظیم ہے۔ آپ کے نام کے سامنے ہر ایک کی گردن جھک جانی چاہیئے، اعتراف نعمت تو بس یہی ہے:

نجاتِ اخروی و فوز دنیوی کے لئے
بس آپ نور کا جادہ ہیں ہر کسی کے لئے

ایک مرتبہ حضور انور ﷺ کی زبان نور سے یہ سندر بول نکلے:

''مخلوق ساری اللہ کا کنبہ ہے

سو

اللہ کے نزدیک مخلوق میں محبوب ترین
شخص وہی ہے جو اس کے عیال سے
حسن سلوک کرے۔۔۔۔!!''

مسلمانوں کو فطرت بشری کے ساتھ جینے کی بجائے اسوۂ حسنہ کے سائے میں پناہ لینی چاہیئے۔ ٹوکے خان، بجلی بی بی اور قہرمان خان بننے کے لئے کمزوریوں اور معصیتوں کے حصار میں نہیں آنا چاہیئے۔ جس پاک ذات اور قدسی صفات ہستی نے رحمت وشفقت سے دنیا کو نمونۂ جنت بنا دیا تھا اس کی ارض جنت کو قتل وغارت اور وحشت ودہشت سے جہنم زار نہیں بنانا چاہیئے۔ جن مسلکوں کے پٹوں سے ایسے گندے کیڑے پیدا ہو رہے ہیں انہیں فکر ونظر کے حوالے سے معدہ تطہیری کے لئے کسی روحانی مستشفیٰ کا رخ کرنا چاہیئے۔ دنیا میں عدل وفضل اور مہر وشفقت کی عمل داری کے لئے رحمۃ اللعالمین آقا ﷺ کی سنتِ حسنہ اپنانی چاہیئے۔

آپ ﷺ کا ارشاد کس قدر رحمتیں بانٹ رہا ہے:

''جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا''۔

دعاؤں کا طالب

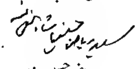

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ نبا کے آخری حصے کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ
حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَیْءٍ
اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا
عَذَابًا ﴿٣٠﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآىِٕقَ وَ
اَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾
لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّنْ
رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَ مَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ
خِطَابًا ﴿٣٧﴾ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا لَّا
یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ
صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ
اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿٣٩﴾ اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا
قَرِیْبًا یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ وَ
یَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾

اعمال کے مطابق صلہ۔ بے شک وہ لوگ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے۔ اور انہوں نے ہماری آیات کی حد سے بڑھ کر تکذیب کی۔ اور ہر چیز کو ہم نے ایک تحریر میں محفوظ کر لیا ہے۔ پس چکھو عذاب تو ہم ہر گز نہیں بڑھائیں گے تمہارے لئے مگر عذاب۔ بے شک تقویٰ والوں کے لئے کامیابی ہے۔ باغات اور انگور۔ اور ہم سن جوان عورتیں۔ اور لبا لب چھلکتے جام۔ اور اس میں کوئی فضول بات نہ سنیں گے اور نہ جھوٹ۔ عطا آپ کے رب کی طرف سے جزا حسب حساب۔ آسمانوں اور زمین کا پالن ہار اور جوان کے درمیان ہے رحمت والا، کوئی تاب نہیں رکھتا کہ اس کے سامنے بولے۔ جس روز روحیں اور فرشتے صف بستہ ہوں گے کوئی کلام نہیں کرے گا سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے گا۔ یہ حق والا دن ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانہ بنا لے۔ بے شک ہم نے تمہیں قریبی عذاب سے ڈرایا جس روز دیکھے گا ہر شخص جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہوگا اور منکر بولے گا اے کاش میں مٹی ہو گیا ہوتا۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾

اعمال کے مطابق صلہ

تفسیر مدارک التنزیل میں علامہ نسفی نے لکھا کہ کافروں میں ہر ایک کے کفر اور فسق کے مناسب حال سزا ہوگی اور جہنم میں رہنا ہوگا اور آتش سوز اس کی اذیت برداشت کرنی ہوگی (مدارک التنزیل: نسفی ایضاً، روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً، روح المعانی)۔ ابن کثیر نے مجاہد اور قتادہ کا قول نقل کیا جو جس سزا اور عقوبت میں مبتلا ہوگا وہ ان اعمال فاسدہ کا عوض ہوگا جس کا ارتکاب وہ لوگ دنیا میں کرتے رہے (تفسیر القران الکریم: ابن کثیر ایضاً زاد المسیر ایضاً احکام القرآن: قرطبی)۔

آیۂ کریمہ کا اسلوب اللہ رب العٰلمین کے نظام عدل کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے، وہ اس طرح کہ کافرین اور منکرین کی سزا ان کے اعمال کے موافق ہوگی اس میں افراط اور تفریط نہیں ہوگی۔ ہر انسان وہی پائے گا جو اس نے کیا ہوگا۔ ممکن ہے قاریٔ قرآن کی تسلی اور قلبی تشفی کے لئے یہ جملہ اترا ہو۔ عذابوں کی سختی اور نفرت کا سن کر اور پڑھ کر ذہن ایک طرف یہ

سوچ سکتا ہے ہائے عذاب میں اتنی تندی اور اتنی تیزی، پکڑ میں اتنی شدت اور اذیت سوچوں کی رانگی کے لئے کہا گیا، جو کچھ کافروں کو ملا وہ ان کے کیے سے زیادہ نہیں ہے بلکہ عین ان کے اعمال کے موافق ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں دوسرے لوگوں کے دل جلائے اور مظلوموں کے تن و جان میں آگ لگائی وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ پیپ اور لہو کی صورت میں ان کے لئے مشروبات، کھولتے پانی سے ان کی تواضع ان کے اپنے اعمال، رویوں اور کرتوتوں کا صلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾

"بے شک وہ لوگ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے"۔

قران کریم نے یہاں اطاعت و عمل میں ان لوگوں کی عدم رغبت کی وجہ بیان کی کہ منکرین کو آخرت میں حساب کا خوف نہ تھا۔ بے خوفی، دیدہ دلیری اور آخرت پر یقین نہ ہونے نے انہیں آزاد کر دیا، وہ ہر برائی کو آسانی سے کرتے اور نیکی کی طرف ان کی رغبت نہ ہوتی۔ حساب اور روزِ جزا سے بے اعتنائی نے انہیں سرکش اور ظالم بنادیا۔

ہر وہ عمل جس کے سرے پر امتحان ہو، احتساب ہو اور کڑی آزمائش کا تصور موجود ہو اس عمل میں سنجیدگی، متانت اور بہتری متوقع ہوسکتی ہے لیکن وہ اعمال جن پر پرسش کی امید نہ ہو پہلے تو وہ تکمیل کا جامہ ہی نہیں پہن سکتے بالفرض اگر وہ پورے ہو بھی جائیں تو ان میں خوبصورتی نہیں ہوتی اور مقبولیت کی سطح سے وہ افعال اور اعمال گرے ہوتے ہیں۔ آخرت اور روزِ جزا پر یقین نفسیاتی اعتبار سے اعمال میں بہتری کا اور خوبی کا سبب بنتے ہیں اس لئے قرانِ حکیم آخرت پر محکم یقین کا داعی ہے۔

آیت کا اسلوب جمالیاتی تناظر میں ملاحظہ ہو:

ایک محکم اور حسین جملے کا آغاز "انّ" سے ہو رہا ہے جس میں معنوی تاکید فکری تناسق کو مضبوط کر رہی ہے، اس کے بعد "کانوا" ماضی کا صیغہ ہے اور "استمرار" کا تعلق اور مفہوم اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ فکری اباحت اگر روز دو روز کے لئے ہوتی تو نظر انداز کی جاسکتی تھی لیکن انہوں نے تو ساری زندگی ہی بے فکری میں بسر کردی۔ "حسابا" کو نفی کے بعد نکرہ کی صورت میں لایا گیا ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اب غور کیجئے:

انّ کی تاکید
کانوا کا استمرار
حساباً کا محل نکرہ میں عموم

بتاتا ہے کہ یہ اوباش فکر لوگ آخرت کا حساب بالکل فراموش کر چکے تھے۔ مقصد تو یہ ہے کہ آنے والے دن کے لئے کچھ سوچا جائے۔

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾

"اور انہوں نے ہماری آیات کی حد سے بڑھ کر تکذیب کی"۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ باب تفعیل کے مصادر چار اوزان پر آتے ہیں "تفعیل" کے وزن پر جیسے تکلیم ہے "فعّال" کے وزن پر جیسے کذّاب ہے "تفعلۃ" کے وزن پر جیسے توصیہ ہے اور "مفعّل" کے وزن پر جیسے ممزّق ہے (الجامع الاحکام القران: علامہ قرطبی)۔

قرانِ مجید نے اس آیت میں دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہونے والے لہو اور پیپ مشروب میں پینے والے اور آتشیں آماجگاہ میں پہنچنے والوں کے نظریات، اعتقادات اور افعال بتائے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قدم قدم پر دین کو جھٹلایا، آیات بینات کا انکار کیا، دلوں میں نورِ توحید انڈیلنے میں بخل برتا، معجزات کے انکاری ہوئے اور اپنی بدقسمتیوں سے حضور انور ﷺ کے صبیح و ملیح چہرے کے منکر ہوئے۔ آپ کی روشن دعوات سے منہ موڑا۔ ہوائے نفس ان پر اتنی غالب آگئی کہ قرانی آیات تک کی تکذیب کر دی۔ لہو و لعب میں ایسے پڑے کہ ان کی ایک ایک سانس سرکشیاں اگلنے لگ گئی۔ نہ عالم تکوین کے روشن دلائل ان کی آنکھیں کھول سکے اور نہ عالم تشریع کی تفہیمات ان کے کام آسکیں۔ تکذیب ان کی زندگی کا مشغلہ ہو کر رہ گیا۔

ان کی معصیتوں، بے اعتدالیوں اور بدمذہبیوں کی داستان ان کی ایک ایک سانس سے پڑھی جاسکتی ہے۔ معانی اور مطالب کی یہ گہرائی باب تفعیل کی خاصیات اور خصوصیات نے عطا کی۔ قرانِ حکیم نے بات کو کتنا کھول دیا کہ

مومن کی زندگی تصدیق کا نام ہے
اور
کافر کی زندگی تکذیب ہے
صداقت، آب زندگی خوشبوئیں بکھیرتی ہے
اور کذابت، آب زندگی لعنت ہی لعنت ہوتی ہے۔
اللہ اپنی رحمت سے ہمیں دور نہ کرے۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾

"اور ہر چیز کو ہم نے ایک تحریر میں محفوظ کرلیا ہے"۔

یہ آیت سبب اور مسبب کے درمیان جملہ معترضہ کی صورت میں لائی گئی ہے۔ بات اصل میں بڑے زوردار طریقے سے یہ کی جارہی تھی کہ ان منکرین نے اعتقادات اسلامیہ اور احکامِ دینیہ کی تکذیب کی سو چکھیں ذلیل کر دینے والا عذاب۔ سوچا جاسکتا تھا کہ مکذبین کی جب ہزاروں قسمیں ہیں۔ منکرین بھی اربوں کی تعداد میں ہیں اور ان کے اعمال بھی سمندروں کے قطروں اور صحراؤں کے ذروں سے بھی زیادہ ہیں تو ان سب کا حساب لے کر داخل فی النار کیسے کیا جائے گا۔ زیرِ مطالعہ جملہ معترضہ نے اس وہم اور خیال کو سرے سے رد کر دیا اور فرمایا کہ ہم نے ہر چیز کو لکھ کر منضبط کر رکھا ہے تاکہ منکرین یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کے اعمال میں سے کسی چیز کو بے حساب اور بغیر سزا کے چھوڑ دیں گے۔

اب آیت میں دو چیزیں قابلِ غور ہیں:
ایک یہ کہ ہم نے ان اعمال کو گن گن کر محفوظ کرلیا ہے
اور دوسرا یہ "کتابا" یعنی لکھ لیا ہے۔ علامہ منصور ماتریدی نے لکھا (تاویلاتِ اہل السنہ: ماتریدی) کہ یہ بھی جائز ہے کہ احصا اور کتابت دونوں سے ایک ہی چیز مراد لی گئی ہو یعنی ہم نے ان کے اعمال، انکار اور ارادے سب کچھ منضبط کر لئے ہیں اور فرمایا کہ ممکن ہے ان دو سے دو الگ چیزیں مراد لی گئی ہوں: ایک اعمال اور افکار کو شمار کر کے محفوظ کرنا اور دوسرا ان کو لکھ بھی لینا تاکہ یہ سارا ریکارڈ قیامت کے دن ان کے روبرو کھول دیا جائے۔ اس جملہ کا معترضہ ہونا بڑے مضبوط اور عظیم لوگوں نے لکھا ہے، میری مراد ہے

ہوائے نفس ان پر اتنی غالب آگئی کہ قرانی آیات تک کی تکذیب کر دی

رازی، بیضاوی اور آلوسی جیسے لوگ (انوار التنزیل: بیضاوی، تفسیر الکبیر: رازی ایضاً آلوسی ایضاً شیخ زادہ) لیکن اگر اس جملہ کو اگر معترضہ نہ بھی مانا جائے تو یہ واقعی ہونے کی لذت رکھتا ہے کسی آدمی کے گندے اعمال کو احتساب کے وقت اس کے روبرو رکھ دینا بذاتِ خود بھی تو یہ ذلت ہے جس سے گردن ذلیل ہو کر جھک جاتی ہے۔ اب ہم احصا اور کتابتِ اعمال پر قران مجید سے مزید روشنی حاصل کرتے ہیں۔

سورہ قمر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ
(القمر: ۲۵،۳۵)

"اور ہر کام جو انہوں نے کیا وہ سب تحریروں میں ثبت ہے اور ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا پڑا ہے"۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ اعمال میں محفوظ رکھنے کے اعتبار سے کوئی تخصیص نہیں چھوٹا عمل ہو یا بڑا اسے منضبط کیا جارہا ہے۔

سورہ یٰس میں ارشاد باری ہے:

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ (یٰس: ۲۱)

"اور لکھ لیتے ہیں وہ کچھ جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو کچھ آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے"۔

یہ آیت اس حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے کہ اعمال کے آثار و نقوش تک محفوظ کیے جاتے ہیں۔ اللہ محفوظ رکھے انسان اپنے کسی عمل کو ذاتی نہ سمجھے اس کے اقدام و عمل سے دوسروں پر جو اثر مرتب ہوتا ہے اس کا ریکارڈ بھی محفوظ کیا جارہا ہے۔

سورہ یونس تحفیظ کے اس عمل میں جو احتیاطیں ہیں انہیں کھول کر بیان کرتی ہے:

إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ (یونس: ۲۱)

"بے شک ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لکھتے ہیں جو بھی تم فریب کرتے ہو"۔

انسان جن آوارگیوں میں مبتلا ہوتا ہے سورہ یونس اس کی گردن توڑ دیتی ہے کہ احتیاط کر تمہارے ہر عمل کو لکھا جارہا ہے۔

سورہ انفطار محفوظ کرنے کے عمل کو مزید حساس بنا دیتی ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ
(انفطار: ۱۰،۱۱،۱۲)

"حالانکہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں معزز لکھنے والے، جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر فرشتے ہر ایک کی عملی ہیت اور توجیہ کو جانتے ہیں گویا تحفیظ الاعمال میں کوئی ظلم نہیں ہوتا، یہ سارا کام عدل کے ساتھ تکمیل تک لے جایا جاتا ہے۔

سورہ کہف بتاتی ہے کہ تحفیظ اعمال کی حقیقت جب مجرموں پر کھلیں گی تو وہ کس طرح فریادیں مچائیں گے۔ ارشاد باری ہے:

يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (کہف: ۴۹)

"ہائے ہماری شامت اس تحریر کو کیا ہوا اس نے نہ چھوٹا چھوڑا نہ بڑا مگر گن گن کے رکھ دیا"۔

یہ بڑی مضبوط بات ہے کہ انسان اگر یقین پیدا کرے کہ اس کے ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کے مخفی لشکر محفوظ کر رہے ہیں تو یہ عقیدہ گناہ اور اس کے درمیان رکاوٹ بن سکتا ہے۔

یہ آیت بلاشبہ مجرموں اور منکروں کے نام ایک واقعی دھمکی اور تہدید بھی ہے لیکن ایمان سازی اور یقین آفرین کا ایک تربیتی اور روحانی سرمایا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ حساب کے وقت عفو اور عیب پوشی کا انعام عطا فرمائے۔

فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝

"پس چکھو عذاب تو ہم ہرگز نہیں بڑھائیں گے تمہارے لئے مگر عذاب"۔

حدیث نبوی ہے کہ یہ آیت عذاب کی سخت ترین آیت ہے (مدارک التنزیل: نسفی)۔ ابنِ کثیر نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک قول نقل کیا ہے کہ دوزخیوں کے عذاب کے سلسلہ میں اس آیت سے بڑھ کر قرانِ مجید کی کوئی دوسری آیت نازل نہیں ہوئی (تفسیر القران: ابنِ کثیر)۔ علامہ زمخشری نے لکھا کہ عذاب کی ساری شدت اسلوب اور لہجے میں غیب سے مخاطب کے صیغے کی طرف عدول ہے۔ کافروں، منکروں اور مجرموں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا کہ اب چکھو کہ ہم تم پر سوائے عذاب کے اور کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتے۔ یہ تعبیر دلوں کو ہلا دینے والی ہے اور جسموں پر اس تصور کے ساتھ ہی کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ سزا کا یہ تصور اس لیے بھی گراں بار ہو جاتا ہے کہ یہاں امید کا ہر دروازہ بند کر دینے کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ اللہ عاقبت اپنے خاص بندوں کے ساتھ فرمائے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝

"بے شک تقویٰ والوں کے لئے کامیابی ہے"۔

قران حکیم نے دوزخ کے آتشیں عذاب میں گرفتار ہونے والے کمبخت لوگوں کی اذیت سامانیوں کا نقشہ پیش کرنے کے بعد ان بخت مند تقویٰ داروں کا بیان کیا جن کا مقدر فردوس نو بہار کی لازوال نعمتیں ٹھہریں۔ اللہ کریم نے اہل جنت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ قطعی بات ہے کہ ڈرنے والوں کے لئے کامیابی ہے۔ "مفازاً" اسمِ مکان یا مصدرِ میمی ہے اس کا مادہ فوز ہے اس کا مفہوم کامیابی اور نجات کی جگہ ہوگا اور اگر مصدر ہے ہم اسے فاعل کے معنوں میں لے جائیں تو مفہوم ہوگا کہ جنت کی لازوال نعمتوں کے محکم تصور نے تقویٰ داروں کو بے یقینیوں اور بے عملیوں سے دور رکھا۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ "مفازاً" بصورت نکرہ لایا گیا ہے جو کامیابی کے عظیم، وسیع اور سعادتوں کے بے حد وحساب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝

"باغات اور انگور"۔

قران مجید نے اخروی نعمتوں کی دل نواز خوشبو حروف و کلمات میں سمو دی، ارشاد فرمایا: فوز و فلاح کی اس آماجگاہ میں پر مسرت باغات اور رسیلے انگور ہوں گے"۔ علامہ راغب اصفہانی نے المفردات میں لکھا کہ حدائق کی اصل "حدقہ" ہے جس کے اساسی معانی کسی چیز کا ایسی حالت میں ہونا ہے جس میں حسبِ ضرورت پانی موجود ہو، اس کی بہترین مثال آنکھ کا ڈھیلہ ہے جس میں ہر وقت پانی رہتا ہے (المفردات: راغب اصفہانی) البتہ ابنِ

فوز و فلاح کی آماجگاہ میں پر مسرت باغات اور رسیلے انگور ہوں گے

فارس نے لکھا کہ اس لفظ کا بنیادی معنی کسی چیز کا احاطہ کرنا ہوتا ہے حدیقہ حدائق جس کی جمع ہے وادی کے، اس مقام کو کہتے ہیں جو پانی کو گھیر لے اس لئے اس کا اطلاق اس باغ پر ہوتا ہے جس کے اردگرد دیوار ہو۔ علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں کہ اگر فرش پر گھاس ہو تو وہ حدیقہ ہوتا ہے وگرنہ گھاس نہ ہونے کی صورت میں باغ کو روضہ کہہ دیتے ہیں (تاج العروس: زبیدی حنفی)۔ کتاب علم وانقلاب نے باغات کا ذکر کرنے کے معاًبعد انگور کا ذکر کیا اس لئے کہ حکماء اور اطباء کے نزدیک انگور ایک فطری دواخانہ کا نام ہے۔ اس میں شیر مادر کے تمام اجزا موجود ہوتے ہیں، یہ بدن میں انتہائی تیز حرکت پیدا کرتا ہے۔ انگور خون کو صاف کرتا ہے، انگور کے استعمال سے بدن میں خوشیاں شباب اٹھاتی ہیں۔ بدن کا رواں رواں انگور کھانے کے بعد مسرتوں اور نشاط میں ڈوب جاتا ہے۔ ان کی عظمت وفضیلت اور رحمت دغذائیت کے لئے یہ کافی ہے کہ جنتیوں کی غذا میں انگور کو بڑی اہمیت حاصل ہوگی۔

وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾

''اور ہم سن جوان عورتیں''

امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ کواعب، کاعب کی جمع ہے (تفسیر کبیر: فخر رازی)۔ وہ نوجوان عورتیں جن کے سینہ سے علامات شباب ابھر آئی ہوں۔ کعب ٹخنے کو بھی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ابھرے ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دنیا میں عمر کی زیادتی کے ساتھ شباب میں زبول اور کمزوری آتی ہے لیکن فردوس بریں کے اندر اہل جنت کی تنہائیوں کو مسرت سامانیوں سے بدلنے کے لئے جو نوجوان عورتیں جلوہ آرا ہوں گی ان کے شباب میں جھول نہ ہوگا۔ اتراب، ترب کی جمع ہے یعنی وہ سب ہم سن ہوں گی بعض روایات میں پڑھا کہ جنتی جواں ۳۳ سال کی عمر میں ہوں گے اور بھرپور شباب لئے ان کی بیویاں سولہ سولہ سال کی ہوں گی۔ ان دوشیزاؤں کے ایک ہی عمر اور ایک ہی حالت میں ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ان میں کوئی تبدیلی عارض نہ ہوگی۔ دنیا میں جن مادی لذائذ کے پیچھے انسان ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے، نیک اعمال اور تقویٰ کے عوض اللہ تعالیٰ وہ نعمتیں جنت میں کچھ اس طرح عطا فرمائے گا کہ ان میں کوئی تغیر اور تبدیلی واقع نہ ہوگی لیکن لازوال یقین، محکم عقیدہ اور مضبوط ایمان کے بغیر یہ عطائیں مقدر نہیں بن سکتیں۔

وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾

''اور لبالب چھلکتے جام''۔

جنت کی رنگ ونور سے بھرپور زندگی ہر لذت اور مسرت کی قاسم ہوگی۔ جہاں باغات ہوں گے۔ نہروں کے کنارے خیموں میں جلوہ آرا حوریں ہوں گی۔ نورانی بادلوں سے تنہائیوں کو مسرّت جلوت کے ساتھ نوازنے کے لئے ہم سن پرشباب عورتیں برسیں گی۔ وہاں شراب طہور کے چھلکتے جام ہوں گے۔ ابن منظور نے دھاقاً کے تین معانی نقل کیے ہیں (لسان العرب: ابن منظور، تاج: زبیدی حنفی) جام لبریز ہوں گے، دوسرا یہ کہ وہ شفاف ہوں گے اور پے در پے پیش کیے جائیں گے۔ الفاظ کا برجستہ اور معنی آفریں استعمال خود اس بات کی وضاحت کر دیتا ہے کہ دنیا کی شیطانی شرابیں ان اوصاف سے بیگانہ ہوتی ہیں یہاں تو عیاشیوں کے سامان جب رنگینیاں بانٹتے ہیں، سڑی ہوئی شرابیں بدبو اور تعفن سے زندگی کی بربادیوں کی کہانی نظر آتی ہے جبکہ جنت میں لبریز جام جس مشروب کی خوشبو بانٹیں گے اس میں طہارت کا تصور ہے، خوشبوؤں کی امانت ہے اور اس کا ہر گھونٹ عقل وشعور کو بڑھانے والا ہے اور قابل غور بات یہ ہے کہ ان آیات سے پہلے جہنم میں داخل ہونے والوں کی اذیتیں اور عذاب کی شدتیں جب قران حکیم نے بیان کی تھیں تو ارشاد ہوا تھا کہ انہیں پینے میں گرم کھولتا ہوا پانی اور گندہ لہو اور پیپ دی جائے گی۔ یہاں اہل جنت کے لئے جمالیاتی لذتیں اور مسرتیں بیان ہوئیں اور اہل نار کے مقابلہ میں اہل جنت کی جزائیں بیان ہوئیں یہاں ان کے مشروبات میں طہارت ہوگی۔ لبالب چھلکتے جام حسن ومسرّت بانٹیں گے، ان کی پے در پے تقسیم منعم حقیقی کی رضا اور خوشی کا عکس لئے ہوگی۔ جو خاص بات ہے وہ یہ ہے کہ ارغوانی شرابیں عقل کو کمزور کرنے والی نہیں ہوں گی، عقل میں پختگی لانا ان کا ادنیٰ اثر ہوگا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾

''اور اس میں کوئی فضول بات نہ سنیں گے اور نہ جھوٹ''۔

اس آیت کا مفہوم پہلی آیت کے دونوں لفظوں میں اس طرح سمویا ہوا تھا جیسے خوشبو پھولوں کے تن میں اتری ہوتی ہے۔ یہاں ابہام کو توضیح کا جامہ پہنایا گیا اور مفہوم کا رس قاری قران کی روح میں انڈیل دیا گیا اور یہ بات کھول کر بیان کر دی گئی۔ جنت کی جمالیاتی، روحانی اور پُرمسرّت زندگی کو دنیا کی عیش کوشیوں اور رنگ رلیوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ جنت میں تو ابتذال اور رکیک اعمال کا پرتو بھی نہ ہوگا۔ دنیا میں تو شراب پینے سے جہاں ہوش د حواس گم ہو جاتے ہیں وہاں بے ہودہ گویاں غل غپاڑہ گلوسوزی سے برباد کر کے رکھ دیتا ہے لیکن جنت کے شفاف ماحول میں ان گندگیوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آیت میں فیھا کا لفظ تفسیری اعتبار سے دو مفہومات کی طرف اشارہ کرتا ہے:

ایک تو یہ ہے کہ شراب طہور کے چھلکتے جام لغو اور جھوٹ بکنے کی طرف نہیں لے جائیں گے۔

دوسرا مفہوم جنت کے جمالیاتی اور شفاف ماحول کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس میں عیش ومسرّت کے باوجود کوئی لغو اور جھوٹی بات نہیں ہوگی۔

سورہ غاشیہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فی جنة عالیه لا تسمع فیها لاغیه (غاشیہ: ۱۰، ۱۱)

''جنت عالی میں ہوں گے نہ سنیں گے اس میں کوئی بے ہودہ بات''۔

سورہ طور میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یتنازعون فیها کاسا لا لغو فیها ولا تاثیم (طور: ۳۲)

''چھلکتے جاموں کے دور چلیں گے لیکن کوئی لغو اور گناہ کا کام وہاں نہ ہوگا''۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾

''عطا آپ کے رب کی طرف سے جزا حسب حساب''۔

یہ آیت بیان جزا میں انگبین سے زیادہ میٹھی، آسمان سے زیادہ بلند، سورج سے زیادہ منور اور گلوں سے زیادہ خوشبودار ہے۔ پہلے تو جزا کا تصور ہی بے اعتقادیوں کے غباروں سے ہوا نکال دیتا ہے۔ آیہ کریمہ دلوں میں یقین، اعتقاد، بھروسہ اور اعتماد پیدا کرتی ہے کہ دنیا میں کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ اعمال اپنے ثمر کے اعتبار سے اندھا دھند ہیں بلکہ برے اعمال پر جیسے سزا ہے ویسے ہی نیک اعمال کا صلہ ہے، عوض ہے، جزا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ آیت میں اعمال کے صلے کو بیک وقت جزا بھی قرار دیا گیا اور عطا سے بھی تعبیر کیا گیا۔ ممکن

انگور کے استعمال سے بدن میں خوشیاں شباب اٹھاتی ہیں

ہے کہ اعمال کے عوض کچھ دینے کے اعتبار سے ثواب کو جزا کہا گیا اور اس میں فراوانی، وسعت اور احسان کی حیثیت سے عطا قرار دیا گیا ہو یہ اللہ تعالیٰ کا لطفِ عمیم ہے کہ اس نے دوزخیوں کے لئے" جزاء وفاقا "فرمایا اور جب تقویٰ داروں کی جزا منسوب ہوئی تو اسے اپنی ربوبیت کی طرف بیان کر دیا اور بیان میں لاھوتی حسن کا چشمہ پھوٹ کر فیض اس وقت لامحدود ہو گیا جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی اضافت اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کی طرف کر دی اور یہ بھی کہ عطا کی صفت" حساب" رکھی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حساب محدودیت کے لئے نہیں ندرت کے لئے ہے یعنی جیسا جیسا اعمال کا رنگ ہوگا، افعال کا شعبہ ہوگا اور تحریکات میں تفاوت ہوگا اس کے حساب سے جزا میں بھی ندرت ہوگی جیسے نمازیوں کو نماز کے حساب سے جزا اور روزہ داروں کو روزہ کے لحاظ سے عطا اور یہ بھی ممکن ہے حساب سے اشارہ اس طرف کرنا مقصود ہو کہ بعض کو دس گنا، بعض کو بیس گنا اور بعض کو سات سو گنا اجر دیا جائے گا اور ایسے خوش بخت بھی ہوں گے جنہیں بغیر حساب کے عطا کیا جائے گا (الجامع الاحکام القران: قرطبی، ایضاً: روح البیان ، ایضاً: ضیاء القران، ایضاً: آلوی، شیخ زادہ، حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ، ایضاً: التفسیر الواضح، ایضاً: ابنِ عاشور) اس میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور ان کا خلوص نیت اور سنت کی مطابقت ایسے ذرائع کا اعجاز شامل ہوگا۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾

" آسمانوں اور زمین کا پالن ہار اور جو ان کے درمیان ہے رحمت والا، کوئی تاب نہیں رکھتا اس کے سامنے بولے"۔

آیت میں غور و فکر کے لئے سب سے پہلے آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ وہ ذات جس نے آسمانوں کی وسعتوں میں، زمین کی گہرائیوں میں اور ان کے درمیان پنہائیوں میں ہر چیز کو تخلیق کی مختلف صورتیں بخشی ہیں انہیں یونہی نہیں چھوڑ دیا، ہر ایک کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے اُس کی ہر ضرورت کو پورا کیا، صرف اتنا ہی نہیں کہ کریم رب نے ضرورتوں کی تکمیل فرمائی بلکہ ہر تخلیق کے ساتھ ایک مقصد باندھ دیا اور کسی کو وجدان دیا اور کسی کو شعور بخشا اور کسی کی فطرت میں آستانِ مقصد تک رسائی کی حرکت ڈال دی۔ زور اس بات پر ہے کہ جس مخلوق کے ساتھ کوئی وعدہ ہی نہیں وہ بھی فیض ربوبیت سے نوازی جا رہی ہے تو وہ انسان جنہوں نے رسولِ محتشم ﷺ کی دہلیز پر حاضری پالی۔ ابتلا کی حکمتوں کو سمجھ گیا اور اطاعت کے سانچے میں ڈھل گیا، اسے نوزشوں سے کس طرح محروم کیا جا سکتا ہے۔ ربّ کی ربوبیت کا بذات خود تقاضا ہے کہ وہ افلاک کا بادشاہ جس کے سامنے ہر شاہ کی گردن جھکی ہے اپنے بندوں کو نوازے اور پھر اتنا ہی نہیں کہ وہ رب ہے، وہ رحمٰن بھی ہے، فضل و احسان اس کی ربوبیت کے جلوے ہیں، سچی بات یہ ہے کہ ربوبیت میں رحمت نہ ہو تو فضیلت تاب پیکر تراشے نہیں جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا عظیم شاہکار حضور انور ﷺ ہیں اسی لئے وہ" رحمۃ للعلمین" ہیں رحمت کے بغیر کم از کم تربیت نہیں کی جا سکتی۔ جلالی ہونے کے ساتھ جمالی ہونا بھی ربوبیت کا حصہ ہے۔

اللہ رب ہے رحمٰن ہونا اس کی صفت ہے۔ وہ اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔ اس کے کرم کی غذا سے ہر مخلوق پلتی ہے، اس کی توجہ سے پیکرِ خاکی میں نوری جلووں کی بہار آتی ہے لیکن کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کی اجازت اور اس کے اذن کے بغیر اس سے مخاطب ہو اور اس سے کوئی بات کرے۔" لا یملکون "میں جو ضمیر ہے ممکن ہے آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں ان سب کی طرف لوٹتی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ صرف اس ضمیر کے مرجع میں سرکش لوگ آتے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قربِ کلامی کی وجہ سے تقویٰ دار مراد لئے گئے ہوں، مفہوم اظہر ہے کہ عرصہ محشر میں کسی شخص کو کسی اعتراض کا حق نہ ہوگا۔ شفاعتیں ہوں گی لیکن وہی جن کے دیباچے میں اذنِ الٰہی شامل ہو۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾

" جس روز روحیں اور فرشتے صف بستہ ہوں گے کوئی کلام نہیں کرے گا سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے گا"۔

اکابر ائمہ تفسیر کی تحقیقات انیقات کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے آیت سے جو باتیں مستفاد ہوتی ہیں وہ چار قسم کی ہیں: ایک تو قاریٔ قران کے ذہن میں اس بات کا رسوخ کہ اس عظیم دن کی وجاہت اور دہشت کا کیا عالم ہوگا جب جبرائیل امین علیہ السلام ایسے فرشتے بھی پرسمیٹے اللہ کے حضور عاجزی کے ساتھ کھڑے ہوں گے، صف میں کھڑا ہونا ماتحت، تابع، عاجز اور مؤدب ہونے کی دلیل ہے۔ عمود تفسیر تو یہ ٹھہرا کہ جب فرشتوں کے سردار عالم عجز میں کھڑے ہوں گے تو ناتواں خاکی انسان کو اس کچہری میں کھڑا ہونے کا تصور آج ہی ذہن میں لے آنا چاہیے۔

دوسری بات قابلِ صد فہم ہے اس لئے کہ اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ سرِ محشر مجال ہے جو اس سے کوئی بات کر سکے۔ اس آیت میں قانون کلام وارد ہوا کہ وہ لوگ اس کے حضور ضرور سفارش کر سکیں گے جن کو وہ خود اجازت دے گا۔ آیت کی تفہیم میں روحانی مسرتیں فردوس نظر ہو جاتی ہیں جب اذن شفاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمٰن ہونا بیان فرماتا ہے۔

شفاعت کے ایمان افروز منظر کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں" حدیث شفاعت" میں تفصیل سے روایت کیا ہے۔ حدیث کا ترجمہ پیر کرم شاہ الازہری نے جس جمالیاتی ذوق کے ساتھ کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے بصد اشتیاق اس قرطاسِ زر کو ملاحظہ کیجیے:

> کافی عرصہ سب لوگ خاموشی سے سر جھکائے کھڑے رہیں گے اور پسینوں میں شرابور ہوں گے۔ کوئی ٹخنوں تک پسینوں میں ہوگا، کوئی گھٹنوں تک، کوئی کمر تک، کوئی گردن تک پسینے میں ڈوبا ہوگا۔ آخر سب آدم کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کے لئے درخواست کریں گے آپ اپنی معذوری بیان کریں گے چنانچہ مختلف انبیاء کے پاس باری باری حاضر ہوں گے لیکن ناامید ہو کر لوٹیں گے، آخر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو آپ جواب دیں گے کہ میں خود شفاعت کی جرأت نہیں کر سکتا البتہ تمہیں ایک ایسی ہستی کا پتہ بتاتا ہوں جس کے پاس سے کوئی سائل نامراد واپس نہیں لوٹتا، وہ سب کو بارگاہِ محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف جانے کا حکم دیں گے۔ جب در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد سب مخلوق شکستہ خاطر، پراگندہ حال وہاں جائے گی اور شفاعت کی درخواست کرے گی۔ حضور پاک ﷺ سب کی فریاد سن کر فرمائیں گے" انا لھا" انا لھا ہاں میں

ارغوانی شرابیں عقل کو کمزور کرنے والی نہیں ہوں گی، عقل میں پختگی لانا انکا ادنیٰ اثر ہوگا

تمہاری شفاعت کروں گا، چنانچہ حضور ﷺ عرش الٰہی کے قریب جا کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اپنے پروردگار کی حمد و توصیف میں منہمک ہو جائیں گے، عرش والا فرمائے گا:

یا محمد!

ارفع رأسک

اسئل تعط

اشفع تشفع

اے پیکر ہر خوبی و زیبائی

اپنا سر اٹھاؤ تم مانگتے جاؤ میں دیتا جاؤں گا تم شفاعت کرتے جاؤ میں شفاعت قبول کرتا جاؤں گا۔

آپ ﷺ اذن شفاعت سے شرف یاب ہو کر مقام محمود پر جلوہ فگن ہوں گے، لواء الحمد دست مبارک میں جھوم رہا ہوگا اور جو آئے گا سب کو پناہ دیتے جائیں گے۔

(ضیاء القرآن: پیر کرم شاہ الازہری، ایضاً: الجامع الصحیح البخاری)

تیسری چیز آیہ کریمہ کا آخری حصہ ہے ''و قال صوابا'' اور اس نے بات بھی ٹھیک کی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا کہ یہ لفظ اعتقاد صحیحہ سے کنایہ ہے، معنیٰ یہ ہے کہ اذن شفاعت اس کو ہوگا جو کلمہ توحید پر قائم رہا اور شفاعت اسی کی ہوگی جو توحید پر قائم رہا۔

(تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ایضاً تفسیر قرطبی)

آیت کے مفہومات تک رسائی کے لئے چوتھی بات جو توجہ طلب ہے وہ روح سے متعلق ہے کہ آیت میں روح سے مراد کیا ہے۔ علامہ قرطبی نے روح سے مراد متعین کرنے کے لئے آٹھ اقوال نقل کیے ہیں (الجامع الاحکام القرآن: قرطبی)

پہلا قول: ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے کہ روح سے مراد وہ خاص مقرب فرشتہ ہے جو عرش الٰہی کے بعد سب فرشتوں میں معظم ہے۔

دوسرا قول: شعبی، ضحاک اور سعید بن جبیر کا ہے ان کے نزدیک روح سے مراد جبرائیل امین علیہ السلام ہیں۔

تیسرا قول: ابن عباس ؓ ہی سے مروی ہے لیکن انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ یہ اللہ کے روحانی لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جو فرشتے نہیں لیکن ان کے ہاتھ پاؤں اور سر ہیں اور وہ کھانا بھی کھاتے ہیں۔

چوتھا قول: مقاتل بن حیان کا ہے کہ روح سے مراد اشراف الملائکہ ہیں۔

پانچواں قول: ابن ابی نجیح کا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو عام فرشتوں پر نگہبان ہیں، ممکن ہے وہ ہوں جو انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

چھٹا قول: حسن بصری اور قتادہ کا ہے کہ اس سے مراد انسانوں میں ہر روح رکھنے والا شخص مراد ہے اور وضاحت میں یہ بھی شامل فرمایا کہ یہ ایک مخلوق ہے جن کی صورتیں اولاد آدم سے ملتی ہیں لیکن وہ بنو آدم نہیں و اللہ اعلم۔

ساتواں قول: یہ ہے کہ یہ انسانی روحیں ہی ہوں گی لیکن اجساد میں واپس لوٹانے سے پہلے انہیں اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

آٹھواں قول زید بن اسلم کا ہے کہ وہ روح سے مراد قرآن لیتے ہیں حقیقت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾

''یہ حق والا دن ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانہ بنالے''۔

یہ آیت اعلان مکرر ہے۔ ایک تیز یاد دہانی اور سریع الاثر روحانی چوٹ ہے تاکہ استماع قرآن سے شرف یاب ہونے والا شخص یقین کی بلندیوں کو چھو لے کہ قیامت کا دن برحق ہے۔ کسی مرتاب اور مرض تشکیک میں مبتلا شخص کا شک و شبہ اور کفر و انکار اس کو ٹال نہیں سکتا۔ ہاں جو شخص چاہے کہ اس کے مربّی اور پروردگار کے حضور اسے پناہ گاہ مل جائے اور عذاب سے محفوظ رکھنے والی آماجگاہ اسے بطور انعام مل جائے وہ آگے بڑھے اور اس راہ چلے جو سیدھا اس کے ربّ کی طرف جانے والا ہے۔

یہ آیہ کریمہ سعادتوں کے دروازے کھولتی ہے اور ایک میٹھا اور لذیذ اعلان کرتی ہے کہ عز و شرف کی راہ وہی ہے جہاں بندہ جبر اور اختیار کے درمیان کھڑا ہوتا ہے۔ ارادہ، عزم اور نیک نیتی کے ساتھ آغاز سفر کرنا یہ بندے کی ڈیوٹی ہے اور راہوں پر چلانے کی توفیق بخشنا ربّ ذو الجلال کا کام ہے۔

آیت میں ربّ کے ہاں ٹھکانہ بنانا بڑی پُر لذیذ، پُر لطف اور مسرتوں سے بھرپور منزل ہے۔ یہ ہر آدمی کا مقدر نہیں ہوتا کہ وہ اپنے پالن ہار کو پہچان لے۔ یہ وہ کریم و عظیم اللہ خود ہی ہے جو اپنی طرف آنے والوں کا ہاتھ خود ہی پکڑ لیتا ہے اور منزل محبت کا ٹھکانہ نصیب فرما دیتا ہے۔

کوئی اس کو آواز تو دے

کوئی اس کی طرف دوڑے تو سہی

کوئی اس کے در رحمت پر دستک تو دے

وہ منزل نواز رب آنے والوں کو کبھی مایوس نہیں فرماتا ''نور در رحمت'' سالکین و طالبین ہی کا مقدر رہتا ہے۔

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

''بے شک ہم نے تمہیں قریبی عذاب سے ڈرایا جس روز دیکھے گا ہر شخص جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہوگا اور منکر بولے گا اے کاش میں مٹی ہو گیا ہوتا''۔

سورہ ''نبا'' کا آخری حصہ ایک ہولناک منظر نامہ ہے۔ آیت میں دلدوز خوف کا پرتو اور حسرتوں اور ندامتوں کی ایک سلگتی ہوئی انگیٹھی محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رعب اور جلال قرآن پڑھنے والوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ بڑی شہامت، وقار اور دبدبہ ہے جب یہ کہا جاتا ہے ہم نے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے۔ یہ تنبیہات اور انذار کس کے لئے ہے اہل ایمان کے لیے یا کفر و انکار کی راہ چلنے والوں کے لئے؟ مفسرین نے اپنی اپنی تحقیقات کے موافق دونوں طبقات مراد لئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تنبیہات اہل ایمان کے ایمان اور یقین کو اور پختہ کرتی ہیں جبکہ منکرین اور فاسقین کے لئے وعیدیں عذاب کے دیباچے اور مقدمے ہوتے ہیں۔ (روح البیان، ایضاً تفسیر کبیر، ایضاً تفسیر قرطبی، ایضاً تفسیر ابن کثیر)۔

آیت کا دوسرا حصہ ''یوم الحق'' ہی کی تشریح ہے۔ ایسا دن جس میں انسان سب کچھ

جلالی ہونے کے ساتھ جمالی ہونا بھی ربوبیت کا حصہ ہے

وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں دوسرے لوگوں کے دل جلائے اور مظلوموں کے تن و جان میں آگ لگائی وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں

دیکھ لے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا ہے گویا اس دن انسان اپنے اعمال کی جزا دیکھنے کے انتظار میں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ نیکیوں اور برائیوں کے مشاہدہ کی جانب اشارہ کر رہا ہو اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بروزِ قیامت بعض اعمال کی تجسیم ہو گی اور انسانی اعمال کی واقعیت جب ان اعمال کے مرتکب کے سامنے آئے گی تو بصد حسرت ماضی کو آواز مارے گا لیکن آج کے پچھتاوے اسے کچھ کام نہ آویں گے۔

قرآن مجید اپنے بیان کو مزید واشگاف اور قطعی کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس دن جب کافر اپنے گندے اعمال کو اپنے روبرو پائیں گے تو مسرتوں اور پچھتاووں میں ڈوب کر پکاریں گے اے کاش! ہم مٹی ہی ہوتے، ہمارے اندر نمو اور تخلیق کے انسانی جلوے نہ پھوٹتے اور آج ہم احتساب اور حساب سے مستثنیٰ ہوتے اور آج نئی زندگی ہمیں اس خوفناک انجام سے دوچار نہ کرتی۔ قیامت کے دن عروج کا انعام تو انہی کے لئے ہوگا جو آج بلندیوں کی منزل تلاش کر رہے ہیں۔ وہ لوگ جو دنیا میں "فلسفہ میں تو اور میں" سے آگے نہیں بڑھتے دنیا کی طرح آخرت میں بھی انکا انجام پستی ہی طرف ہوگا۔ آج ذلتوں اور پستیوں میں زندگی وار دینے والے قیامت کے دن جب "وائے حسرت" کی چیخ و پکار سے دوزخ کا عنوان بن رہے ہوں گے ادھر بھی ان کی آرزو یہی ہوگی اے کاش! ہم مٹی ہو گئے ہوتے۔ خاک ہونے کی آرزو کو جمع کی بجائے واحد کے صیغے میں سمو کر بیان کیا گیا ہے، شائد اس لئے کہ جماعتوں میں بعض اوقات کچھ لوگ اپنی اجتماعی ہیئت سے مختلف بھی ہو جاتے ہیں لیکن مفرد کلامی سے یہ فائدہ حاصل ہوا یہ مٹی ہونے کی حسرت ایک ایک کافر کی ہوگی گویا ہر شخص اپنی ہی حسرتوں کی آگ میں جل رہا ہوگا۔

چاشت کے وقت سورہ "نبا" کی تفسیر ختم ہو گئی ہے آپ بھی میری دعاؤں میں شامل ہو جائیں۔

اے ہم سب کے ربّ!

الٰہ!

معبود!

اور ہم سب کی مراد!

ہمارے قلم کا ہر کشیدہ خط، ہماری زبانوں سے نکلا ہر حرف، ہمارے دلوں کی ہر دھڑکن، ہماری زندگی کی ہر روش اور ہمارے دلوں کی ہر آرزو تیری حمد کے تڑپتے گیت ہیں، تیرے لطف و کرم کے تذکرے ہیں، ہماری عمر کی ہر ساعت نذرانے میں قبول ہو۔

اے ہمارے مالک!

جو آگے بھیج دیا وہ ناکارہ ہے، وہ پسماندہ ہے، کل کی حسرتوں، پچھتاووں اور ندامتوں سے بچالینا۔

آج ہی عمل کے دھارے درست کر دے اپنے حبیب مکرم ﷺ کی محبت دے دے۔ زندگی کا ہر ہر لمحہ جی اٹھے گا۔

معبود و محبوب!

دم دم تیرا نام چلتا رہے۔

☆☆☆

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی پاکیزہ زندگی ہمیں درس دیتی ہے کہ
ہم اپنے دلوں کو "ماسوی اللہ" سے خالی اور فارغ کر دیں اور
محبوب حقیقی کی کشش کو اپنے دل کا حال بنائیں
بڑا خوش بخت آدمی ہوتا ہے جس کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضامندی بن جائے
اہل اللہ کی زندگی تو اسی درد میں گزرتی ہے وہ مخلوق کو آواز مارتے رہتے ہیں۔

سر رشتۂ دولت اے برادر بکف آر
ویں عمر گرامی بہ خسارت مگزار
دائم ہمہ جا باہمہ کس در ہمہ کار
می دار نہفتہ چشم دل جانب یار

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: چشتی برتن سٹور
ریل بازار صادق آباد فون: 068-5704563
پروپرائیٹر: ایاز احمد

خصائل حمیدہ کے حامل آخری رسول ﷺ

مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن محمد بن جبیر بن مطعم رضی الله عنهما عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ لی اسماء انا محمد و احمد و انا الماحی الذی یمحو الله بی الکفر و انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی و انا العاقب

(صحیح بخاری جلد اول ص:501 باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”میرے کچھ نام ہیں میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی (مٹانے والا) ہوں وہ (ہوں) کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں وہ (ہوں) کہ لوگ میرے قدموں پر جمع کئے جائیں گے اور میں عاقب (سب سے پیچھے آنے والا) ہوں“۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے اپنے پانچ اسماء گرامی کا ذکر فرمایا جن میں دو آپ کے ذاتی اور تین صفاتی نام ہیں۔

آپ کے دونوں ذاتی اسماء مبارکہ کا مادہ اشتقاق ”حمد“ ہے۔ جس کا معنیٰ ”تعریف“ ہے گویا آپ کی ذات والا صفات کو خالق کائنات نے قابل تعریف بنایا ہے۔

عام طور پر آدمی اپنی صفات کے ذریعے قابل تعریف قرار پاتا ہے جبکہ وہ صفاتِ حمیدہ ہوں لیکن رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ذاتی طور پر قابل تعریف بنایا۔

یہی نہیں تعریف میں مبالغہ کا صیغہ ”محمد“ باب تفعیل سے اختیار کیا گیا جو آپ کی بار بار تعریف پر دلالت کرتا ہے۔

”فالمحمد فی اللغة هو الذی یحمد حمدا بعد حمد“

اسم محمد کا لغوی معنیٰ یہ ہے کہ وہ ذات جس کی بار بار تعریف کی جائے۔

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۴ھ) آپ کے اسم گرامی ”محمد“ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اسم مفعول من التحمید مبالغة نقل من الوصفیة الی الاسمیة یسمٰی به لکثرة خصاله المحموده اولا نه حمد مرة بعد مرة اولان الله تعالٰی حمده حمدا کثیرا بالغاً غایة الکمال وکذا الملائکة والانبیاء والاولیاء او تفاؤلا لانه یکثر حمده کما وقع اولانه یحمده الاولون والاخرون و هم تحت لواء ”حمد“ فالهم الله اهله ان سموه لهذا الاسم

(جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲:۲۲۶)

لفظ ”محمد“ ”تحمید“ اسم مفعول ہے اس کی وصیت سے اسمیت کی طرف مبالغہ نقل کیا گیا ہے۔ آپ کا یہ نام آپ کے خصائل محمودہ کی کثرت کی وجہ سے رکھا گیا، یا اس لیے کہ آپ کی بار بار تعریف کی جاتی ہے، یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بہت زیادہ حمد فرمائے گا اسی طرح ملائکہ، انبیاء کرام اور اولیاء عظام آپ ﷺ کی تعریف کریں گے، یا نیک فال کے لئے آپ کا اسم گرامی محمد رکھا گیا، تاکہ آپ کی تعریف زیادہ ہو جیسا کہ ہوا یا اس لئے کہ اولین و آخرین آپ کی حمد کریں گے اور آپ کی حمد کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر والوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ آپ کا یہ نام رکھیں۔

چنانچہ آپ ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب نے آپ کا یہ نام رکھا۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے پوتے کا کیا نام رکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا ”محمد“ (ﷺ) پوچھا آپ نے ایسا نام کیوں رکھا جو آپ کے آباء واجداد اور قبیلے میں سے کسی کا نہیں؟ انہوں نے کہا میری خواہش ہے کہ تمام اہل عالم اس بچے کی تعریف کریں۔ گویا جس طرح ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے گھر والوں کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ وہ آپ ﷺ کا نام ”محمد“ رکھیں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کو خواب میں دکھایا کہ چاندی کی زنجیر ان کی پیٹھ سے نکلی اور اس کا ایک سرا آسمان پر ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں تھا، پھر وہ زنجیر لوٹ آئی۔ گویا وہ ایک درخت تھا جس کے پتے نورانی تھے، اتنے میں اہل مشرق و مغرب اس سے لٹک گئے۔

چنانچہ اس خواب کی یہ تعبیر کی گئی کہ ان کی پشت سے ایک بچہ پیدا ہوگا کہ اہل مشرق و مغرب اس کی پیروی کریں گے اور زمین و آسمان کی مخلوق اس کی مدح کرے گی۔ اس لئے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا گیا۔

احمد جس کا معنیٰ سب سے زیادہ تعریف کرنے والا اور جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے

رسول اکرم ﷺ کا صفاتی نام ”حاشر“ ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ امت مسلمہ مرکزیت اختیار کرے

نیز حضور ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو بھی فرشتے نے کہا تھا کہ آپ کے شکم مبارک میں قوم کا سردار ہے جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمد رکھنا۔ فداہ ابی و امی (انوار محمدیہ) رسول اکرم ﷺ کا دوسرا ذاتی نام احمد ہے جس کا معنیٰ سب سے زیادہ تعریف کرنے والا اور جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے۔

حضرت امام حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

آپ ﷺ کا اسم گرامی ”احمد“ رکھا گیا یہ علم ہے جو صفت سے منقول ہے۔ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اس کا معنیٰ ”احمد الحامدین“ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ تعریف کرنے والے۔

اس کا سبب وہ ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مقام محمود میں آپ کے لئے تعریف کے ایسے کلمات کھولے جائیں گے جو آپ سے پہلے کسی پر نہیں کھولے گئے۔

کہا گیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ”حمادون“ بہت تعریف کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ ”احمد ھم“ ہیں یعنی ان سے بھی بڑھ کر تعریف کرنے والے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ نے جہالت کی تمام بری اور ظالمانہ رسموں بالخصوص کفر و شرک کو مٹا دیا اس بنیاد پر آپ ﷺ کا اسم گرامی ”ماحی“ ہوا۔ ماحی کا لفظ ”محو“ سے بنا ہے۔ جس کا معنیٰ مٹانا ہے حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا کہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے ہیں۔

آپ ﷺ کا ایک صفاتی نام حاشر ہے قیامت کے دن جب تمام امتوں کے لوگ پریشان حال ہوں گے، پسینے سے شرابور، پریشانی کے عالم میں اپنا سفارشی ڈھونڈتے پھریں گے۔ ہر نبی علیہ السلام ان کو دوسرے نبی کے پاس بھیج دے گا تو بالآخر وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت

> **آپ نے جہالت کی تمام بری اور ظالمانہ رسموں بالخصوص کفر شرک کو مٹا دیا**

میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کریں گے تو آپ فرمائیں گے ”انا لھا“ میں ہی اس مقصد کے لئے ہوں۔ چنانچہ آپ سب کی شفاعت فرمائیں گے۔

اس اعتبار سے آپ ﷺ حاشر ہیں۔ ”حشر“ جمع کرنے والے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو آپ کے قدموں میں جمع کر دے گا۔

عاقب، عقب سے بنا ہے (پچھلا حصہ) رسول اکرم ﷺ ختم نبوت کے تاج سے سرفراز کئے گئے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اس لئے آپ ہی عاقب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور مقدس کی تخلیق سب سے پہلے فرمائی اور بعثت و نبوت میں سب سے آخر میں رکھا کہ آپ کے دین سے تمام ادیان، آپ کی کتاب سے تمام کتب سماویہ اور آپ کی نبوت سے تمام نبوتیں منسوخ ہو گئیں۔

رسول اکرم ﷺ کے بے شمار اسماء گرامی ہیں اس حدیث میں آپ نے پانچ اسماء گرامی کا ذکر کیا، ان اسماء مبارکہ کی تخصیص کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”جو بات میرے لئے ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بتایا مجھ سے پہلے یہ نام کسی کے نہیں رکھے گئے یا یہ کہ میرے یہ نام گزشتہ امتوں میں مشہور تھے۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے ان اسمائے مبارکہ کو اس بات سے محفوظ رکھا کہ آپ سے پہلے کسی کے یہ نام ہوتے“۔

رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے قریب جب اہل عرب نے کاہنوں سے سنا۔ کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہوں گے اور ان کا اسم گرامی محمد ہوگا تو کچھ لوگوں نے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا ان کو یہ امید تھی کہ ان کے بیٹے اس منصب پر فائز ہوں اور وہ چھ تھے، ساتواں نہیں تھا۔

امام سہیلی نے ”الروض“ میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پہلے عرب میں ”محمد“ نام کے صرف تین افراد معروف تھے۔ ”محمد بن سفیان بن مجاشع“، محمد بن ایحہ بن جلاح“ اور ”محمد بن حمران بن ربیعہ“۔

اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ (فتح الباری جلد:۶ ص:۶۸)

اس حدیث مبارکہ سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ”محمد“ ہیں اور آپ کی تعریف ہمیشہ ہوتی رہی کسی بد باطن کی بد باطنی سد راہ نہیں بنے گی۔ گستاخانہ خاکے بنانے والے ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گریں گے اور لواء الحمد بلند سے بلند تر ہو جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ اپنے رب کی حمد و ثنا سب سے زیادہ کرنے والے تھے اس لئے امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ کائنات میں سب سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد و ثنا کریں اور اس سے اپنے رشتے مضبوط کریں۔

رسول اکرم ﷺ نے جاہلانہ رسوم کو مٹایا تھا بد قسمتی سے آج ہمارے معاشرے میں وہ رسمیں دوبارہ داخل ہو چکی ہیں ان کو مٹانا اور اخلاق عالیہ کو فروغ دینا امت مسلمہ کا فرض ہے۔

تمام لوگ رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں جمع ہوں گے۔ آج مسلمان دوسروں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں رسول اکرم ﷺ کا صفاتی نام ”حاشر“ ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ امت مسلمہ مرکزیت اختیار کرے۔

رسول اکرم ﷺ کا دین آخری دین ہے۔ آپ کی کتاب آخری کتاب ہے۔ اب کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لئے دین کی عدل و انصاف پر مبنی تعلیمات کو کائنات میں پھیلا کر ختم نبوت کو عملاً واضح کرنا بھی ہماری اہم ذمہ داری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب ﷺ کی ان صفات عالیہ اور اسماء مبارکہ کا مظہر بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ و التسلیم۔

☆☆☆

> **گستاخانہ خاکے بنانے والے ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گریں گے**

امت کا زوال

سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور کے انقلابی افکار

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زیادہ مسلمان اور پچاس سے زیادہ اسلامی ممالک ہیں لیکن انڈونیشیا کے مشرقی جزیروں سے لے کر امریکہ کے ویسٹ کوسٹ تک مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو رہا ہے۔ پورا عالم اسلام فکری غلامی کی بسیط رات کی لپیٹ میں ہے۔ سیاسی وحدت وقوت باقی رہی ہے نہ ملی اخوت ویگانگت ،عقیدے میں پختگی رہی ہے نہ عمل میں اخلاص ،جدوجہد کے حوصلے رہے ہیں نہ تگ وتاز کے ولولے ،منزل کو پالینے کی تڑپ رہی ہے نہ سوئے منزل کوئی بے تاب سفر۔ ہر کوئی پریشان ہے مگر پریشانی کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ کوئی سمجھتا ہے ہمارے پاس سیاسی قوت نہیں اس لیے ناکام ہیں، کسی کے خیال میں ہم معاشی طور پر کمزور ہوگئے ہیں اسی لئے پے در پے شکست سے دو چار ہیں۔ کوئی کہتا ہے ہمارے بگڑے اخلاق ہمارے زوال کا سبب ہیں۔ مگر اقبال کہتے ہیں:

سبب کچھ اور ہے جسے تو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں

محبت کا جنون باقی نہیں ہے۔ مسلمانوں میں خون باقی نہیں ہے۔ صفیں کم ،دل پریشان ،سجدے بے ذوق ،کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے۔ رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے۔ وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے، نماز روزہ وقربانی وحج ، یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے، اسی لیے وہ زوال سے نکلنے کا راستہ بتاتے ہوئے کہتا ہے:

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے ملتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

یہی وہ نکتہ ہے جو صوفیاء اسلام نے پیغمبر حکمت ودانش وہادی عالم ﷺ سے سیکھا تھا کہ تمہارے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہوگیا تو سارا بدن درست ہوگیا اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ گیا۔ یاد رکھو! وہ قلب ہے۔

اہل تصوف کی تمام تر جدوجہد یہی رہی ہے کہ مردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑائی جائے۔ انہوں نے ہر دور میں دلوں کو زندہ کر کے ضعف ایمان کا علاج کیا اور جب ضعف ایمان دور ہوا تو خوف غیر اللہ سے چھٹکارا ملا اور خوف غیر نہ رہا تو قوت وشوکت اور ترقی واقبال کی راہیں آسان ہوگئیں۔ پانچویں اور چھٹی صدی کا زمانہ بھی اسلامی تاریخ میں انتشار و افتراق ہی کا زمانہ تھا۔ خلافت بظاہر موجود تھی مگر بازیچہ اطفال بن کر رہ گئی تھی۔ اس میں نہ مرکزیت رہی تھی نہ قوت وشوکت۔ کہنے کو بنوعباس کی خلافت موجود تھی مگر بغداد تک ، دیگر بلاد عالم میں کہیں آل سلجوق اور کہیں فاطمی اپنی الگ الگ حکومتیں بنائے بیٹھے تھے۔ امراؤ سلاطین عیش وعشرت کے رسیا تھے ،علماء سوبے مقصد بحث ومناظرہ میں الجھے ہوئے تھے۔ صوفیاء خام نے بے جان رسوم کو ہی روحانیت کی معراج سمجھ رکھا تھا۔ امراء وعلماء اور صوفیاء کے بگاڑ نے عوام کے مزاج بھی بگاڑ دیے تھے۔ حرص وہوس اور فسق وفجور نے پورے مسلم معاشرے کو مضمحل کر دیا تھا، ایسے میں اللہ کریم نے ایک ایسی مسیحا نفس شخصیت کو پیدا فرمایا جس نے ملت کے تنِ مردہ میں زندگی کی نئی روح پھونک دی۔ جس کے پر جلال خطبوں نے بادشاہوں پر ایسا لرزہ طاری کیا کہ ان کے عشرت زدہ دل خوف خدا کی لہریں محسوس کرنے لگے۔ جس کے حکیمانہ مواعظ نے ایسا رنگ جمایا کہ دولت مندوں کے دلوں سے مادیت پرستی کے زنگ اترنے لگے ،جس کی محبت خیز، محبت بار ،محبت پرور نگاہوں نے ایسا فیض بانٹا کہ فسق وفجور کے نشے میں مست عوام سنبھلنے لگے۔ توبہ کی راہوں سے ایمان کی منزل نور تک پہنچنے لگے۔ جس عظیم شخصیت نے عوام کی بے عملیوں کا علاج کیا ،علماء وصوفیاء کی اصلاح فرمائی ، امراء اور سلاطین کو رب ذوالجلال کے حضور جھکایا، اہل جہاں آج بھی اسے بجا طور پر محی الدین ، پیرانِ پیر ، غوث اعظم کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ 471 ہجری میں پیدا ہوئے۔ حصول تعلیم کی محنت ومشقت اور عرفان حق کے لئے عبادت وریاضت کی طویل جدوجہد کے بعد 521 ہجری میں آپ نے بغداد سے دعوت حق کا آغاز فرمایا اور پھر درس وتدریس ، وعظ وتبلیغ اور اصلاح و جہاد کا یہ ابر کرم 562 ہجری تک مسلسل امت کی سوکھی کھیتیوں پر برستا رہا اور انہیں ہریالیاں بخشتا رہا۔ آپ کے عہد میں پانچ عباسی خلفاء نے حکومت کی مگر آپ کبھی کسی کے دربار سے وابستہ نہ ہوئے بلکہ آپ کی نگاہِ کیمیا اثر نے حکمرانوں کو اپنا غلام بنایا۔ بادشاہوں پر آپ کے رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ ایک بار خلیفہ مقتضی لامر اللہ نے ایک ظالم شخص کو قاضی مقرر کیا تو آپ نے برسر منبر فرمایا: ”اے خلیفہ! تو نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو اظلم الظالمین ہے۔ کل قیامت کو اس رب العالمین کو کیا جواب دو گے؟ جو ارحم الراحمین ہے“۔ خلیفہ تک یہ ارشاد پہنچا تو اس نے فوراً اس قاضی کو معزول کر دیا۔ خلیفہ المستنجد باللہ نے ایک بار اشرفیوں کے توڑے نذر کیئے۔ آپ نے انکار فرمایا۔ جب اس کا اصرار بڑھا تو آپ نے تھیلیوں کو آپس میں یوں رگڑا کہ ان میں سے خون بہہ نکلا۔ آپ نے فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی لوگوں کا خون چوس کر میرے پاس لے کر آئے ہو۔ خلیفہ یہ سن کر بے ہوش ہوگیا۔ بعد میں وہ حضور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ تربیت میں ایسا شامل ہوا کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتا۔ غوث پاک کی تعلیمات کا اثر تھا کہ خلیفہ المستنجد باللہ ایک بار پھر عباسی خلافت کا کھویا ہوا وقار بحال کروانے میں کامیاب ہوا۔ علامہ ابن خلدون اپنی شہرہ آفاق تصنیف تاریخ ابن خلدون میں لکھتے ہیں کہ ”المستنجد باللہ خلفائے عباس کا پہلا خلیفہ ہے جس نے استقلال اور استحکام کے

سبب کچھ اور ہے جسے تو خود سمجھتا ہے — زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں

اقتدار میں لی۔اپنے کھوئے ہوئے علاقہ پر غلبہ حاصل کیا اور آزاد خلافت کے فرائض سرانجام دئے“۔

مشہور اسلامی فاتح مجاہد کبیر سلطان صلاح الدین ایوبی کے عساکر کی تشکیل وتربیت میں بھی آپ ہی کا فیض کارفرما تھا۔آپ کے وصال کے چند سال بعد ہی سلطان ایوبی نے بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کرایا۔برصغیر ہند میں سلطان شہاب الدین غوری نے اسلامی سلطنت کی بنیا درکھی تو وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا فیض تھا اور وہ خود حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ تھے۔اموی اور عباسی خلافت کے دور میں یونانی فلسفہ تراجم کے ذریعے جب اسلام میں در آیا اور اسلامی عقائد کو متزلزل کرنے لگا،فرقہ بندیوں کی آگ دہکانے لگا تو سیدنا غوث اعظم نے نہایت حکیمانہ انداز سے اس کا رد بلیغ فرمایا اور علماء کو کلامی اور فلسفیانہ ابحاث سے نکال کر ایک بار پھر اسلام کے اصل سرچشمے قرآن اور حدیث سے وابستہ کردیا۔

عیسائیوں نے صرف صلیبی افواج ہی کے ذریعے اہل اسلام پر یلغار نہیں کی تھی بلکہ وہ افکار ونظریات کا محاذ بھی گرم کئے ہوئے تھے۔حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض نگاہ سے نہ صرف مسلمان نصاریٰ کے مکر سے محفوظ ہوئے بلکہ ہزاروں عیسائیوں کو حلقہ بگوش اسلام ہونے کی سعادت ملی۔یہ حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی جدوجہد اور انقلابی افکار ہی کا اثر تھا کہ بعد کی آنے والی صدیوں میں بھی کفروالحاد اور یہود ونصاریٰ کے طوفان کے مقابلے میں اسلام کا چراغ جلتا ہی رہا اور بجھایا نہ جاسکا۔

آپ کے خلفاء اور تلامذہ نے قادری خانقاہوں کا سلسلہ پورے بلاد عالم میں پھیلا دیا جس نے بادشاہوں اور دولت مند طبقوں کی بے اعتدالیوں کے باوجود عوام کو اسلام کے دامن سے وابستہ رکھا۔آج کے اضطراب وانتشار اور زوال واضمحلالی کے دور میں ہم حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سے استفادہ کرکے عروج کی شاہراہ پر گامزن ہوسکتے ہیں،شرط یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مناظرہ بازی کی بجائے قرآن اور حدیث رسول ﷺ کو مرکزِ افکار بنایا جائے، مادہ پرستی کی بجائے روحانیت کا راستہ اختیار کیا جائے،دنیاوی طاقتوں سے ڈرنے کی بجائے دلوں میں خوفِ خدا اجاگر کیا جائے،نئے نئے افکار سے متاثر ہوکر ملت میں فتنہ انگیزی کی بجائے سنتِ مصطفیٰ کریم ﷺ کو محکم کیا جائے۔بجا فرمایا تھا حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے:

”اللہ تعالیٰ کے ہو جاؤ جیسے اولیاء کرام ہوگئے تھے،تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں تمہاری ہوجائیں، جیسے ان کے لئے تھیں،اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا ہوجائے تو اس کی اطاعت کرو۔اس کی معیت میں صبر کرو،اس کے افعال پر راضی رہو۔جو شخص نبی اکرم ﷺ کی پیروی نہیں کرتا، ایک ہاتھ میں آپ کی سنت اور دوسرے ہاتھ میں قرآن پاک نہیں تھامتا اس کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی نہیں ہوسکتی“۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر اپنی دنیاو عقبیٰ سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

بنیادی عقیدہ

اللہ ہمارا رب ہے----

-------اور بے عیب ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں----

-------اور بے عیب ہیں۔

قرآن ہمارا دستور ہے----

-------اور بے عیب ہے۔

منجانب:

صاحبزادہ نعمان احمد

آیئے!صدقہ جاریہ کا ثواب حاصل کیجئے

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔اسے سمجھنا اور سمجھانا ہم سب پر فرض ہے۔

عوام عربی زبان کے ماہر نہیں ہیں

اس لئے اس پیاری کتاب کے اردو تراجم کے ہی محتاج ہیں ہماری خوش قسمتی ہے کہ

شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری (مشیر وفاقی شرعی عدالت) نے قرآن پاک کا اردو ترجمہ

”عمدۃ البیان“ کے نام سے کیا ہے۔

آپ عربی گرائمر میں پی ایچ ڈی ہیں اور جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن میں حدیث وتفسیر،فقہ،عربی گرائمر کے استاد ہیں۔اس ترجمہ کے بارے میں 70۔علماء کرام نے لکھا:”یہ ترجمہ اس صدی کا بے مثال اور مجددانہ کارنامہ ہے۔یہ ترجمہ انتہائی آسان عام فہم اور تفسیری وتوضاحتی ترجمہ ہے“۔اس کے بعد آپ کو مزید کسی ترجمہ اور وضاحت کی ضرورت محسوس نہ ہوگی۔اس کے دو ایڈیشن چھپ کر ختم ہوگئے ہیں۔مستحقین اور اہل ذوق میں اندرون اور بیرون ملک الحمدللہ مفت تقسیم کیا گیا۔اب اس کی اردو کی لفظ بہ لفظ آسان انگریزی کے 15۔پارے تیار ہوچکے ہیں۔اب اردو اور انگریزی کے دونوں نئے ایڈیشن چھپوانے ہیں جو مستحقین میں فی سبیل اللہ تقسیم کئے جائیں گے۔مخیّر خواتین وحضرات جو تا قیامت صدقہ جاریہ کے خواہش مند ہیں،وہ اپنے مرحومین کے نام ایصال ثواب کے لئے زیادہ سے زیادہ حصہ ڈال کر تاقیامت صدقہ جاریہ کا ثواب حاصل کریں۔

رضویہ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور

اکاؤنٹ نمبر 0545790020390 حبیب بنک سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور

رابطہ:0300-4470990

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کردوبارہ — کہ یہی ہے ملتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

سرکارِ بغداد

شکر ہے حاضرِ دربار ہوں شیئاً للہ
آپ کا بندۂ سرکار ہوں شیئاً للہ

مفلس و عاجز و ناچار ہوں شیئاً للہ
لطف و رحمت کا طلبگار ہوں شیئاً للہ

وہ جو ہوتی ہے مریدوں پہ عنایت سرکار
اس عنایت کا طلبگار ہوں شیئاً للہ

کیجیئے اب غمِ کونین سے آزاد مجھے
قیدِ غربت میں گرفتار ہوں شیئاً للہ

نظرِ الطاف سبکسار کرے گی کس دن
اب تو خود اپنے لئے بار ہوں شیئاً للہ

آفتابِ کرم رحمتِ غفار ہیں آپ
میں نصیبوں سے شبِ تار ہوں شیئاً للہ

بڑی مشکل ہے کہ ہوتی نہیں مشکل آساں
سالکِ منزلِ دشوار ہوں شیئاً للہ

میری رُودادِ قفس آپ کو معلوم ہے سب
میں گلستاں کا سزاوار ہوں شیئاً للہ

با ادب دردؔ خطاکار کی سرکار ہے عرض
میں گنہگار سیہ کار ہوں شیئاً للہ

دردؔ کاکوری

باغیٔ ہندوستان

مجاہد جلیل، نابغہ عصر علامہ فضل حق خیر آبادی

ترجمہ: محمد عبد الشاہد خان شیروانی

تمام ثنائیں اس خدائے برتر کے لئے ہیں جس کے بغیر کسی ناامیدی کے محنت و آزمائش، کہنگی و بوسیدگی اور غم و تکلیف سے نجات دینے کی بہت بڑی امید وابستہ ہے اور جو اسے اس کے اعلیٰ نام سے پکارے، اسے بہترین عطا اور بے شمار نعمتیں عطا فرمانے والا ہے بالخصوص مظلوم و مضطر کی، اس کی مصیبتوں اور بیماریوں میں سننے والا ہے۔

سلام ہو اس خوشرو، خوش خبری سنانے والے پر اور ڈرانے والے پر جس کی تمام نبی نوید مسرت آمد سناتے آئے، بلا و وباء کے دور کرنے، دشمنوں کے ظلم کے پردے چاک کرنے، بڑی بدبختی اور سخت بیماری سے نجات دلانے کی، گنہگاروں اور سیاہ کاروں کو اس کی شفاعت سے بڑی امید ہے، سلام ہو اس کی شریف و نجیب و کریم اولاد پر اور اس کے عظیم المرتبہ، شدید و رحیم اصحاب پر خصوصاً پاکباز و صاف باطن خلفاء پر، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ان سب پر نازل ہوں جب تک فرشتے آسمان پر تسبیح و تہلیل کرتے رہیں اور کشتیاں سمندر میں تیرتی رہیں۔

میری یہ کتاب ایک دل شکستہ، نقصان رسیدہ، حسرت کشیدہ اور مصیبت زدہ انسان کی کتاب ہے، جو اب تھوڑی سی تکلیف کی بھی طاقت نہیں رکھتا، اپنے رب سے جس پر سب کچھ آسان ہے، مصیبت سے نجات کا امیدوار ہے جو ابتداء عمر سے عیش و فراغت کی زندگی بسر کرنے کے باجود، اب محبوس دام ظلم اور تباہ شدہ ہے اور مقبول دعاؤں کے ذریعہ خدا سے ازالہ کرب کا طالب ہے۔ وہ بڑی مشکلات میں مبتلا اور ترشرو ظالموں کے ہاتھوں میں گرفتار ہے۔ ان ظالموں نے اسے اچھے لباس سے معرا کر کے غم و حزن کی وادیوں اور ایسے تنگ و تاریک قید خانوں میں ڈال دیا ہے جو سیاہ فتنوں کے مرکز ہیں، وہ محبوس و حزیں، سخت دل، اچکے اور ظالم افراد پر نظر کرتے ہوئے اپنی رہائی سے مایوس ہے مگر اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہے۔ وہ ایک سیدھا سادا، نرم خو اور مریض و کمزور ہوتے ہوئے شریر و بدفطرت کی قید میں ہے اور ظالم و جابر، بدخلق و بدکردار کے مظالم سے حیران و پریشان ہے۔ وہ آفت رسیدہ ایسے مصائب میں مبتلا ہے جن کی سختیوں تک قیاس کرنے والوں کا قیاس نہیں پہنچ سکتا اور ایسا مضطر و محتاج ہے جو سخت عذاب و احتباس میں گرفتار ہو چکا ہے۔ وہ سفید رو، سیاہ دل، متلون مزاج، ترشرو، کنجی آنکھ، گندم گوں بال والوں کی قید میں آ چکا ہے۔ جس کا اپنا عمدہ لباس اتار کر موٹا اور سخت لبادہ پہنا دیا گیا ہے۔ جو اس وقت مجبور و عاجز ہے اور اپنے رب سے لَو لگائے ہوئے ہے۔ اپنے تمام اعزہ و اقرباء سے دور اور بہت دور ہے، مدعی اور منازع کے بغیر اس پر فیصلہ صادر کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنے ہم نشینوں اور خادموں کے سامنے شرمندہ ہے، اس کے بازوؤں کو سخت تصادم سے کمزور کر دیا گیا ہے، وہ غمزدہ، تنہا اور دور افتادہ ہے، اسے اپنی زمین و شہر سے جلا وطن اور اہل و عیال سے دور کر دیا گیا ہے۔ یہ سارا ظلم و ستم، ظالم بدکیش نے روا رکھا ہے۔ اسے اور اس کے اہل و عیال کو اپنی ورندگی کی جھاڑی میں چھوڑ دیا ہے۔ اسے قید کر کے ہر ممکن مصیبت پہنچائی گئی ہے۔ اس کا قصور صرف ایمان اور اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنا اور علماء اسلام میں شمار ہونا ہے۔ اس سے ان ظالموں کا مقصد نشان درس و تدریس کو مٹانا اور علم کے جھنڈے کو نیچے گرانا ہے۔ وہ صفحاتِ قرطاس سے بھی نام و نشان مٹانا چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس حادثہ فاجعہ (انقلاب 1857ء) کی وجہ سے ہوا ہے جس نے آبادیوں کو ویران اور مصیبتوں کی شورزمین کو شاداب بنا دیا ہے جس سے غموں کے بادلوں سے کڑکتی ہوئی بجلیاں مصیبت زدگان وطن پر گریں اور ان پر بادشاہوں کو غلام و قیدی اور امراء کو محتاج و فقیر بنانے والی محتاجی و ناداری مسلط کر گئی۔

یہ داستان الم اس طرح ہے کہ وہ برطانوی نصاریٰ جن کے دل ممالک ہند کے دیہات و بلاد پر قبضہ اور اس کے اطراف و اکناف و سرحدات پر تسلط کے بعد عداوت و کینہ سے بھر گئے تھے اور تمام ذی عزت اعیان کو ذلیل و خوار کر کے ان میں سے ایک کو بھی اس قابل نہ چھوڑا تھا کہ سر نافرمانی کو جنبش دے سکے۔ انہوں نے تمام باشندگان ہند کو، کیا امیر کیا غریب، چھوٹے بڑے، مقیم و مسافر، شہری و دیہاتی سب کو نصرانی بنانے کی سکیم بنائی، ان کا خیال تھا کہ ان کو نہ تو کوئی مددگار و معاون نصیب ہو سکے گا اور نہ انقیاد و اطاعت کے سوا سرتابی کی جرأت ہو سکے گی۔

یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ سب لوگ انہی کی طرح ملحد و بے دین ہو کر ایک ہی ملت پر جمع ہو جائیں اور کوئی بھی ایک دوسرے سے ممتاز فرقہ نہ رہ سکے۔ انہوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مذہبی بنیاد پر حکمرانوں سے باشندوں کا اختلاف، تسلط و قبضہ کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوگا اور سلطنت میں انقلاب پیدا کر دے گا اس لئے پوری جانفشانی اور تندہی کے ساتھ مذہب و ملت کو مٹانے کے لئے طرح طرح کے مکر و حیلہ سے کام لینا شروع کیا۔ انہوں نے بچوں اور نافہموں کی تعلیم اور اپنی زبان و دین کی تلقین کے لئے شہروں

اس کا قصور صرف ایمان اور اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنا اور علماء اسلام میں شمار ہونا ہے

ان کوتوزنانِ فاحشہ وتباہ کار نے طلایہ کی قیادت اور کنیزوں کی شب باشی نے لشکروں کے ساتھ رات کو چلنے سے روک دیا

اور دیہات میں مدرسے قائم کیے۔ پچھلے زمانوں کے علوم ومعارف اور مدارس ومکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔ دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقوں پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین ہند کے غلہ کی پیداوار، کاشتکاروں سے لے کر نقد دام ادا کیے جائیں اور ان غریبوں کو خرید وفروخت کا کوئی حق نہ چھوڑا جائے۔ اس طرح بھاؤ کے گھٹانے بڑھانے اور منڈیوں تک اجناس پہنچانے اور نہ پہنچانے کے خود ہی ذمہ دار بن بیٹھیں۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ خدا کی مخلوق مجبور ومعذور ہو کر ان کے قدموں پر آپڑے۔ اور خوراک نہ ملنے پر ان نصاریٰ اور ان کے اعوان وانصار کے ہر حکم کی تعمیل اور ہر مقصد کی تکمیل کرے۔

ان ترکیبوں کے علاوہ ان کے دل میں اور بھی بہت سے مفاسد چھپے ہوئے تھے، مثلاً مسلمانوں کو ختنہ کرانے سے روکنا، شریف وپردہ نشین خواتین کا پردہ ختم کرانا نیز دوسرے احکام دین مبین کو مٹانا وغیرہ۔ اپنے مکر کی ابتداء اس طرح کی کہ سب سے پہلے ہندو مسلم لشکریوں کو ان کے رسوم واصول سے ہٹانے اور مذہب وعقائد سے گمراہ کرنے کے درپے ہوئے۔ ان کا گمان تھا کہ جب بہادر لشکری اپنے دین کو بدلنے اور احکام نصرانیت بجالانے پر آمادہ ہو جائیں گے تو پھر دوسرے باشندوں کو سزا وعتاب کے ڈر سے خود ہی مجال انکار نہ ہو سکے گی۔

انہوں نے ہندو لشکریوں کو جو تعداد میں بہت زیادہ تھے، گائے کی چربی اور مسلمان سپاہیوں کو جو تھوڑی تعداد میں تھے، سؤر کی چربی چکھانے پر زور ڈالا۔ یہ شرمناک روش دیکھ کر دونوں فرقوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور اپنے اپنے مذہب واعتقاد کی حفاظت کی خاطر ان کی اطاعت وفرمانبرداری سے منہ موڑ لیا۔ ان کے اس اضطراب نے خرمنِ امن پر چنگاری کا کام کیا۔ گروہ نصاریٰ کا قتل، ڈاکہ زنی، ان کے سرداروں اور سپہ سالاروں پر حملہ شروع کر دیا، بعض لشکری حد سے تجاوز کر گئے۔ انہوں نے قساوت قلبی اور شوریدہ سری کا انتہائی مظاہرہ کیا، بچوں اور عورتوں کے قتل سے بھی دریغ نہ کیا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں اور بے گناہ عورتوں کی قتل وغارتگری سے رسوائی وذلت کے مستحق بن بیٹھے۔ پھر تمام باغی گروہ اپنی چھاؤنیوں سے اپنے افسروں سے نپٹنے کے بعد چل کھڑے ہوئے۔ عالموں اور حاکموں کے نظام درہم برہم ہو گئے۔ راستوں کے امن میں خلل وفتور، مخلوق خدا میں فتنہ وفساد اور دیہات وبلاد میں شور شغب پھیل گیا۔ طوفان حوادث جوش میں آ گیا۔

بہت سے لشکر شہر مشہور، بلد معمور، مسکن آل تیمور، دار السلطنت دہلی جا پہنچے، وہاں پہنچ کر ان سب نے ایسے شخص کو سردار وپیشوا بنا لیا جو اس سے پہلے بھی ان کا آمر وحاکم (بہادر شاہ ظفر) تھا جس کے پاس اس کے ارکان دولت اور وزیر بھی تھے، لیکن وہ خود ضعیف، غمزدہ اور ناتجربہ کار تھا اور سچ پوچھیے تو آمر وحاکم کی بجائے اپنی شریک حیات (ملکہ زینت محل) اور وزیر (حکیم احسن اللہ خاں) کا مامور ومحکوم تھا۔ اس کا یہ وزیر جو حقیقت میں نصاریٰ کا کارپرداز اور ان کی محبت میں غالی تھا۔ صحیح معنوں میں حاکم ووالی اور نصاریٰ کے دشمنوں کا شدید ترین مخالف تھا، یہی اس آمر وحاکم کے اہل خاندان کا حال تھا، ان میں سے بعض (شہزادہ مرزا مغل وغیرہ) مقرب بارگاہ اور رازدار بھی تھے۔ یہ سب کے سب جو جی چاہتا تھا کرتے تھے۔ اپنی آراء پر عمل پیرا ہوتے تھے لیکن اس کی اطاعت کا دم بھرتے تھے اور وہ سردار ایسا ضعیف الرائے ناتجربہ کار تھا کہ کچھ جانتا ہی نہیں تھا۔ اس سے عجیب عجیب حرکتیں سرزد ہوتی تھیں۔ کوئی کام اپنی رائے سے نہ کر سکتا تھا، نہ اچھا بُرا سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا، نہ کسی کو خفیہ یا علی الاعلان کوئی حکم دے سکتا تھا، نہ کسی کو نفع وضرر پہنچانے کی طاقت رکھتا تھا۔

یہ سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ بعض شہر ودیہہ سے بہادر مسلمانوں کی ایک جماعت (مولوی ابوسعید وغیرہ) علماء اور ائمہ اجتہاد سے جہاد کے وجوب کا فتویٰ لے کر جدال وقتال کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ادھر ناتجربہ کار سردار نے بعض ناعاقبت اندیش، بے وقوف، خائن اور بزدل اولاد (مرزا مغل وخضر سلطان وغیرہ) کو امیر لشکر بنا دیا، یہ لوگ دیانت دار عقل مندوں سے متنفر تھے۔ انہیں نہ تو میدان کارزار ہی سے کبھی واسطہ پڑا تھا اور نہ کبھی شمشیر زنی اور نیزہ بازی کا ہی موقعہ ہوا تھا۔ انہوں نے بازاری لوگوں کو اپنا ہم نشین وجلیس بنا لیا، اس طرح یہ ناآزمودہ کار آرام طلبی، اسراف بیجا اور فسق وفجور میں مبتلا ہو گئے۔

وہ تنگدست ہو چکے تھے پھر مالدار ہو گئے، جب مالدار ہو گئے تو عیش پرستیوں میں پڑ گئے، لوگوں سے لشکروں کے ساز وسامان کے بہانے سے کافی مقدار میں مال جمع کرتے تھے اور اس میں سے ایک سکہ بھی کسی لشکری پر خرچ نہ کرتے تھے، جو کچھ وصول کرتے تھے خود کھا جاتے تھے۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا لیکن ان کو توزنانِ فاحشہ وتباہ کار نے طلایہ کی قیادت اور کنیزوں کی شب باشی نے لشکروں کے ساتھ رات کو چلنے سے روک دیا اور آلات عیش وطرب نے آرام طلبی میں ڈال کر مقدمۃ الجیش سے بھی پیچھے کر دیا۔ ان کے دلوں میں نامردی اور ذلیل اندیشہ بیٹھ گیا، اسی نے ان کو وسط لشکر میں ثابت قدمی سے روکا، شومیٔ قسمت نے میمنہ سے اور قمار وتونگری نے میسرہ سے باز رکھا، ان کے خوشامدی اور بازاری ہم صحبتوں نے ساقہ (پچھلا دستہ) سے بھی علیحدہ رکھا۔ ایسا ہی ہوا کرتا ہے جب کسی نااہل کو کوئی بڑا کام سپرد کیا جاتا ہے اور کمزور پر بھاری بوجھ لادا جاتا ہے۔ وہ رات سو کر اور دن بدمست ہو کر گزارتے، جب بیدار وہشیار ہوتے تو غافل وحیران پھرتے۔

نوبت بہ اینجا رسید کہ نصاریٰ کا لشکر ان پر آ کر ٹوٹ پڑا۔ ایک نے بلند پہاڑی پر چڑھ کر شہر کا رخ کر دیا۔ شہر کا محاصرہ کر کے خندقیں کھود ڈالیں، پہاڑی پر توپیں اور منجنیقیں نصب کر کے شہر پناہ اور مکانات پر گولہ باری شروع کر دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بجلیاں اور تاریں ٹوٹ ٹوٹ کر عمارتوں پر گر رہے ہیں۔ ہندوستانیوں کا برسرپیکار اور باغی لشکر مختلف ٹولیوں میں تقسیم تھا، بعض گروہ کا کوئی جنرل ہی نہ تھا، بعض کو جائے پناہ بھی میسر نہ تھا، بعض کی طاقت فقر وفاقہ نے سلب کر کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بٹھا دیا تھا، کچھ تھوڑا سا مال غنیمت ہاتھ لگنے سے بے نیاز ہو گئے تھے، کچھ ترساں ولرزاں قلب کے ساتھ بھاگ چھوٹے تھے، بعض طغیان وسرکشی سے بدکار عورتوں پر قبضہ جما بیٹھے، بعض نے میدان جہاد کے تنگ وسخت فوجی کپڑے پہن کر صفوف جنگ میں داخل ہونے کو برا جانا، صرف ایک گروہ نصاریٰ کا جواب دیتے ہوئے بہادری سے لڑتا رہا۔ نصاریٰ جب لڑتے لڑتے تھک گئے اور پست ہو گئے تو غربی ہندوؤں سے مدد ومعانت کے طالب ہوئے۔ ہندوؤں نے کثیر لشکر اور ساز وسامان حرب سے تھوڑی سی مدت میں پے درپے مدد کی، تب تو نصاریٰ نے سخت لڑائی ٹھان دی اور اس پہاڑی پر بہت سا لشکر اور مددگار ومعاون جمع کر لیے۔ ان لشکریوں

راستوں کے امن میں خلل وفتور، مخلوق خدا میں فتنہ وفساد اور دیہات وبلاد میں شور شغب پھیل گیا

اعیانِ سلطنت اورارکانِ دولت سب کے سب نااہل، سست بزدل، احمق، خائن ادر غیر دیانت دار تھے

میں گورے منہ کے گروہ بھی تھے اور ذلیل ترین ہندو واجیر بھی اور وہ بد بخت و بدکیش مسلمان بھی جو ایمان کے بعد نصاریٰ سے محبت میں مرتد ہو کر اپنے دین کو چند ٹکوں کے بالعوض بیچ چکے تھے۔

ہزروں شہری بھی نصاریٰ کی محبت کا دم بھرنے لگے اور تمام ہندو ان کے ساتھ ہو گئے، دو گروہ بن گئے، ایک گروہ تو ان (غیر ملکیوں) کا جانی دشمن تھا، دوسرا گروہ ان کی محبت میں اس درجہ غلو رکھتا تھا کہ اس نے ہندوستانی لشکر کی بربادی، مجاہدین کی شوکت و وقار کی خواری اور ان کے قلع و قمع کرنے میں مکروحیلہ سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، ان کے اندر افتراق و انشقاق پھیلانا ان کا دلچسپ مشغلہ تھا، پھر تو نصاریٰ شہر اور اس کے پھاٹکوں، دربانوں اور محافظوں پر حملہ کرنے لگے۔ ادھر جماعت مجاہدین اور لشکریوں کے ایک بہادر گروہ نے ان کے حملوں کو روکنا اور ان کے مقاصد میں حائل ہونا اپنے لئے اہم ترین فرض قرار دیا۔ دن رات پیدل اور سوار داد شجاعت دینے لگے۔ چار مہینے (مئی 1857ء سے ستمبر 1857ء) تک متواتر جنگ ہوتی رہی، دشمن اس مدت میں کثیر لاؤ لشکر اور ساز و سامان کے باوجود شہر میں داخل نہ ہو سکا، جب بھی حملہ کرتے تھے روکے جاتے تھے، بہادر اور نگہبان غازی بڑے زور شور سے یلغار کو روک رہے تھے، مدافعت و مبارزت میں خوب خوب جوہر دکھا رہے تھے۔ مقابلے میں ثابت قدم تھے اور ہر پیش قدمی کرنے والے پر آگے بڑھ کر حملہ آور تھے۔ ان میں سے بہت سے جام شہادت پی کر سعادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے، بے شک "نیکو کاروں کے لئے بہشت، حوریں اور اس سے بڑھ چڑھ کر بھی نعمتیں ہیں"۔

اب مجاہدین کی ایک مختصر جماعت باقی رہ گئی جو بھوک پیاس برداشت کر کے رات گزارتی اور صبح ہوتے ہی دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ کر نبرد آزما ہوتی۔ لشکریوں کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر یہی شہر پناہ کی حفاظت اور شہری سرحدات کی نگہداشت کرتی۔ بد قسمتی سے ایک شب کو پہاڑی کی محاذی کمین گاہ پر ایک عیش پرست، بزدل اور کسل مند جماعت مقرر کر دی گئی وہ اپنے ہتھیار اتار کر آرام کی نیند سو گئی، دشمن نے موقع غنیمت سمجھ کر شبخون مارا اور ہتھیاروں پر قبضہ کر کے اسے قیامت تک کے لئے سلا دیا۔ جب نصاریٰ نے اس کمین گاہ پر قبضہ کر لیا تو بہت سی توپیں اور منجنیقیں نزدیک ترین شہر پناہ اور قریب ترین برج پر ان کے گرانے اور محاذی پھاٹک کھولنے کے لئے لگا دیں اور دن رات گولوں اور بندوقوں سے گولیوں کا مینہ برسانا شروع کر دیا جس سے شہر پناہ کی دیوار اور برجوں میں شگاف پڑ گئے، پھاٹک گر پڑا اور امیدوں کے رشتے ہاتھ سے چھوٹ گئے، حائل پردہ درمیان سے اٹھ گیا، کوئی لشکری اٹھنے بیٹھنے کی وہاں قدرت نہ رکھتا تھا، نہ دیوار پر چڑھ کر جھانک سکتا تھا، جو جھانکتا تھا گولی کا نشانہ بن کر خندق میں جا پڑتا تھا۔

اب نصاریٰ نے یہ چال چلی کہ ایک لشکر دوسرے دروازے کی طرف روانہ کیا تا کہ دوسری طرف سے حملہ محسوس کیا جائے۔ یہ دیکھ کر مجاہدین اور لشکریوں کا گروہ ادھر متوجہ ہو گیا اور دشمن کا مکر نہ سمجھتے ہوئے وہاں مدافعت میں مشغول ہو گیا۔ یہ موقع پا کر نصاریٰ اور ان کا لشکر اس گرے ہوئے پھاٹک، ٹوٹی ہوئی دیوار اور منہدم برج سے داخل شہر ہو گئے، وہاں انہیں کوئی مزاحم و مدافع نہیں ملا۔ پس وہ تلاش کر کے ان لوگوں کے گھروں میں پہنچ گئے جو پہلے ہی سے ان کے معاون و مددگار بن چکے تھے۔ انہوں نے فوراً ان کی حفاظت کا گھروں میں انتظام کیا اور جلد جلد پہلے سے تیار شدہ ضیافت سے نوازا۔ انہیں خوب پیٹ بھر کر گوشت اور دودھ کھلایا پلایا اور ضرورت کی چیزیں مہیا کیں۔ مکانوں کے دروزے بند کر کے دیواروں میں روزن کر دیے تا کہ جو باغی ادھر آنکلے اس پر گولی چلا کر اپنی حفاظت کر سکیں چنانچہ جو لشکری یا شہری ادھر آنکلتا یہ بندوق چلا کر مار ڈالتے اور مقاہل کا ان پر کوئی قابو نہ چلتا تھا۔

وہ فرصت کے منتظر رہتے تھے کہ موقع پا کر اپنے دوستوں کے گھروں کی طرح دوسرے گھروں میں بھی پہنچ کر انہیں شب و روز کی آرام گاہ بنائیں لیکن وہ لعنتی جب بھی نکلتے پکڑ کر قتل کر دیے جاتے، اس لئے جہاں ان کو مقابلہ کا اندیشہ ہوتا وہاں بہت کم نکلتے، اس کے باوجود انہیں پہاڑی سے مسلسل مدد پہنچ رہی تھی اور ہر عیسائی دوست ہندو ان کی مدد میں پیش پیش تھا۔ بڑی مصیبت یہ آپڑی تھی کہ شہر میں نہ کوئی جائے پناہ رہی تھی اور نہ حاکم ہی رہا تھا کیونکہ حاکم (بادشاہ) اپنے اہل وعیال کو لے کر شہر سے تین میل دور مقبرہ (مقبرہ ہمایوں) میں جا چکا تھا وہ دراصل اپنی بیگم اور خائن وزیر کا مطیع تھا، جس نے کذب و بہتان سے کام لے کر دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر بادشاہ کو پھسلایا تھا کہ نصاریٰ قابض ہونے کے بعد اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور اسی کو بزرگی و سرداری بخش دیں گے۔ وہ فریب خوردہ ان شیطانی وعدوں اور ابلیسی آرزؤں پر خوش تھا، بادشاہ کے ساتھ اس کے تمام امراء و متعلقین بھی اپنے اہل وعیال کو لے کر، گھروں میں مال و متاع چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

ان سب کے شہر چھوڑ کر چلے جانے سے شہریوں پر سراسیمگی ورعب طاری ہو جانا قدرتی امر تھا۔ معتوب و متاثر لوگ بھی مکان چھوڑ بھاگے۔ جب شہریوں کے مکان مکینوں سے خالی ہو گئے تو نصاریٰ اور ان کا لشکر ان میں داخل ہو گیا۔ انہوں نے مال و متاع لوٹنا اور باقی ماندہ ضعیفوں، بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ بہادرانِ شہر میں سے ایک بھی ایسا نہ بچا تھا جو ان کا کسی اعتبار سے مقابلہ کر سکتا۔ باغی لشکروں میں سے بعض تو نصاریٰ کے قبضہ سے پہلے ہی بھاگ گئے، بعض قبضہ کے بعد ثابت قدم نہ رہ سکے، بعض کئی بار شہر میں مصروفِ کارزار رہ کر بے دم ہو چکے تھے، اب بنیوں اور دوسرے ہندؤں نے جو نصاریٰ کے دوست تھے اور بادشاہ کے ان کارپردازوں (مرزا الٰہی بخش وغیرہ) نے جو مجاہد گروہ کے دشمن تھے، ایسی تدبیر سوچی جس سے شہریوں اور لشکریوں کو ہلاک کر سکیں، انہوں نے وہ سب غلہ جو بنیوں کے پاس تھا، چھپا دیا اور دیہات و قصبات سے جو ان کے پاس اناج آتا رہتا تھا وہ روک دیا، یہ تدبیر کارگر ہوئی، لشکری اور شہری بھوک، پیاس، سوزش اور بے چینی سے دن رات گزارنے لگے اور بالآخر مجبور و پریشان ہو کر بھاگ چھوٹے، پھر تو نصاریٰ نے شہر کے پھاٹک، شہر پناہ، قلعہ، بازار اور مکانوں پر مکمل قبضہ جما لیا۔

اس وقت دہلی میں میرے اکثر اہل وعیال (مولوی شمس الحق اور ان کی والدہ وغیرہ) موجود تھے اور مجھے بلایا بھی گیا، ساتھ ہی فلاح و کامیابی، کشائش و شادمانی کی امید بھی تھی، جو کچھ ہونے والا تھا وہ تو پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا میں نے دہلی کا رخ کر دیا۔ وہاں پہنچ کر اہل وعیال سے ملا، اپنی عقل اور فہم کے مطابق لوگوں کو اپنی رائے اور مشورہ سے

ایسا ہی ہوا کرتا ہے جب کسی نااہل کو کوئی بڑا کام سپرد کیا جائے

بے ایمان کے عہد و پیمان پر بھروسہ اور بے دین کی قسم یمین پر اعتماد کسی حالت میں درست نہیں

آگاہ کیا لیکن نہ انہوں نے میرا مشورہ قبول کیا اور نہ میری بات مانی۔ جب نصاریٰ کا شہر میں اچھی طرح قبضہ ہو گیا اور کوئی لشکری و شہری باقی نہ رہا، غلہ اور پانی دشمنوں کے ظلم و استبداد کی وجہ سے ناپید ہو گیا تو پانچ شبانہ روز اسی حالت میں گزار کر اپنی عزیز ترین متاع کتابیں، مال و اسباب چھوڑ کر (بار برداری کا انتظام نہ ہو سکنے کی وجہ سے) خدا پر بھروسہ کر کے اہل و عیال کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا۔ شہر اور اس کے مال و دولت پر سفید رو لشکریوں کے ذریعہ قابض ہو کر نصاریٰ کی تمام تر توجہ، بادشاہ اور اس کے بیٹوں اور پوتوں کو پکڑنے کی طرف مبذول ہوئی، ان سب نے اب تک اپنا مستقر (مقبرہ) نہ چھوڑا تھا، تقدیر الٰہی نے وہی برقرار رکھا تھا۔ انہیں اپنے جھوٹے اور مکار وزیر کی کذب بیانی پر اعتماد تھا۔ وہ اس مقبرہ میں بڑے خوش اور مگن تھے، مخدوم بنے ہوئے دن گزار رہے تھے۔

اس فریب خوردگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حسرت کشیدہ، دل تپیدہ، بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ پابہ زنجیر شہر کی طرف لے جایا گیا۔ راستے میں بیٹوں اور پوتوں کو کسی سردار (میجر ہڈسن) نے بندوق کا نشانہ بنایا، دھڑ وہیں پھینک کر سروں کو خوان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے تحفہ پیش کیا، پھر ان سروں کو بھی کچل کر پھینک دیا۔ بادشاہ کو گورے منہ، سیاہ دل، گندی بال اور کنجی آنکھ والوں کی حراست میں سوئی کے سوراخ سے بھی تنگ کوٹھری میں مقید کر دیا، پھر اس وسیع ملک سے نکال کر دور دراز جزیرہ (رنگون) میں پہنچا دیا۔ بادشاہ کے ساتھ اس بیگم کو بھی روانہ کیا گیا جو نصاریٰ کی اس وقت بھی مطیع و دوست تھی جبکہ وہ حقیقت میں ملکہ تھی۔ وہ اپنی آرزؤں (بیٹے کو جانشین بنانے) میں ناکام رہی، اس کا جمع کردہ مال بھی چھین لیا گیا۔ وہ زینت (زینت محل اس ملکہ کا نام تھا) بننے کے بعد بدصورت اور حفاظت کے بعد بدہئیت بنی۔ بادشاہ کی قوم میں سے جو بھی ملتا اس کی گردن ماردی جاتی یا پھانسی دی جاتی جیسا کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی عمل کیا گیا۔ ان کمزوروں میں سے وہی بچ سکا جو رات میں چھپ کر یا دن میں نظریں بچا کر تیزی سے بھاگ گیا اور ایسے خوش نصیب بہت کم تھے۔

پھر نصاریٰ نے شہر کے گرد و نواح کے رئیسوں اور سرداروں کو قتل کرنا، ان کی جائداد، عمارتیں، مویشی، مال و متاع، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ اور ہتھیاروں وغیرہ کو لوٹنا شروع کیا۔ اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان کے اہل و عیال کو بھی قتل کر ڈالا حالانکہ یہ سب رعایا بن چکے تھے اور ڈر یا لالچ سے فرمانبردار بن جاتے۔ انہوں نے تمام راستوں پر چوکیاں بٹھا دیں تاکہ بھاگنے والوں کو پکڑ پکڑ لایا جائے۔ ہزاروں بھاگنے والوں میں تھوڑے ہی بچ گئے، باقی سب پکڑے گئے۔ ان لوگوں کے پاس جو کچھ چاندی سونا نکلتا پہلے تو وہ چھین لیتے، پھر چادر، تہ بند، قمیض، پاجامہ جو کچھ ہاتھ لگتا نہ چھوڑتے۔ اس کے بعد افسروں کے پاس پہنچا دیتے۔ وہ ان کے لئے قتل یا پھانسی کی سزا کا فیصلہ کرتے، جوان، بوڑھا، شریف اور رذیل سب کے ساتھ یہی سلوک ہوتا۔ اس طرح پھانسی پانے والوں اور قتل ہونے والوں کی تعداد ہزارہا تک پہنچ گئی۔ ظالموں کے ظلم کا شکار اکثر و بیشتر مسلمان تھے۔ ہندوؤں میں سے صرف وہ مارے گئے۔ جن کے متعلق دشمن و معاند ہونے کا یقین تھا اور مسلمانوں میں سے فقط وہ بچ سکے جو کسی نہ کسی طرح وہاں سے ہجرت کر گئے تھے یا وہ جو نصاریٰ کے ناصر اور اپنے دین و مذہب میں قاصر تھے، یا وہ جو ان کے جاسوس اور اللہ کی رحمت سے مایوس تھے، انہیں میں سے بادشاہ کا وہ عامل (حکیم احسن اللہ خاں) بھی تھا جس نے نصاریٰ کو مسلط کر کے حاکم بنایا تھا لیکن اسے امیدوں کی محرومی اور ناکامی کی حسرت کا غم اٹھانا پڑا، اس کا حال متغیر ہو گیا، زمانے میں ذلیل و خوار ہو کر جیا، دنیا اور آخرت دونوں جگہ نقصان میں رہا اور یہی کھلا ہوا نقصان ہے۔

ادھر نصاریٰ نے ماتحت ہندو رؤساء کے پاس پیغام بھیجا کہ جو شخص بھی تمہارے علاقہ میں سے گزرے اسے پکڑ لیا جائے۔ ان بد اطواروں نے کافی تعداد میں مسافروں اور مہاجروں کو پکڑ کر نصرانی سرداروں کے پاس پہنچا دیا۔ ان ظالموں نے سب کو مار ڈالا، نہ کوئی عالی خاندان فرد بچ سکا نہ کسی ادنیٰ انسان کو چھٹکارا نصیب ہوا۔ پھر اطراف و اکناف ملک میں لشکر بھیجے جنہوں نے قتل و غارت گری کی انتہا کر دی۔ اس ابتلاء عظیم میں پردہ نشین خواتین پیدل نکل کھڑی ہوئیں، ان میں بوڑھی اور عمر رسیدہ بھی تھیں جو تھک کر عاجز ہو گئیں۔ بہت سی خوف کی وجہ سے جان دے بیٹھیں اور پچاسیوں عفت و عصمت کی بنا پر ڈوب کر مر گئیں۔ اکثر پکڑ کر قیدی بنالی گئیں اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئیں، کچھ کو بعض رذیلوں نے لونڈیاں بنالیا اور بعض چند ٹکوں کے بالعوض بیچ ڈالی گئیں، بہت سی بھوک پیاس کی تاب نہ لا کر مر گئیں، بہت سی ایسی غائب ہوئیں پھر نہ لوٹ کر ہی آئیں اور نہ کچھ ان کا پتہ ہی چل سکا۔

ہزاروں عورتیں اپنے سرپرستوں، شوہروں، باپوں، بیٹوں اور بھائیوں سے جدا کر دی گئیں، جب کہ وہ ایسی مصیبت کا زمانہ تھا جو قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا کہ اس دن انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی، اولاد اور اہل خاندان سے بھاگتا نظر آئے گا۔ بہت سی صبح کی سہاگن عورتیں شام کو بیوہ بن گئیں اور شب کو آغوش پدر میں سونے والے بچے صبح کو یتیم ہو کر اٹھے، کتنی ہی عورتیں اپنی اولاد وغیرہ کے غم میں گریہ وزاری کرتی تھیں اور کتنے مردوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، شہر چٹیل میدان اور بے آب و گیاہ جنگل بن گیا تھا اور شہری تباہ و برباد منتشر ہو گئے تھے۔ اس کے بعد نصاریٰ کی توجہ مشرقی شہروں اور دیہات کی طرف مبذول ہوئی۔ وہاں بڑا فساد مچایا، قتل، غارت گری اور پھانسی کا بازار گرم کر دیا، بے شمار مرد اور پردہ نشین مستورات موت کے گھاٹ اتر گئے اور سینکڑوں، ہزاروں رعایا کے آدمی مار ڈالے گئے۔

میرا کیا پوچھنا، میں اپنے وطن مالوف (خیرآباد) کی طرف چلا جا رہا تھا، راستہ خوفناک اور راہ گزر اندوہناک تھا۔ میرے اور وطن کے درمیان کئی خوف و خطرہ سے بھری ہوئیں منزلیں تھیں۔ نصاریٰ اور ان کا لشکر دن رات تلاش و تجسس میں سرگرداں رہتا۔ جاٹوں کو مسافروں کے مار ڈالنے، ڈرانے، لوٹنے، ڈاکہ ڈالنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی تھی۔ انہوں نے سارے ناکے بند کر رکھے تھے اور کسی گھاٹ پر کوئی کشتی یا ناؤ تک نہ چھوڑی تھی کشتیوں کو پھاڑ ڈالتے بلکہ خراب کر کے غرق کر دیتے یا جلا ڈالتے۔ ملاحوں کو روک دیا تھا تاکہ کوئی سیاح یا کوئی مسافر کسی وقت بھی ادھر سے گزر نہ سکے۔ خدائے مالک الملک نے مجھے اور میرے متعلقین کو ہر مصیبت و ہلاکت سے محفوظ رکھ کر پل اور کشتی کی مدد کے بغیر دریاؤں اور نہروں کو عبور کرا کے نجات دی اور ہم سب کو آفات مسافات، مہالک مسالک، حوادث راہ اور مصائب گزرگاہ سے محفوظ و مامون رکھا اور اپنی پوری حفاظت، کامل حمایت، مکمل نعمت اور بے شمار

بزدلی سے ہر آواز کو موت کا پیش خیمہ اور ہر صدا کو موت کی پکار سمجھتے تھے

وہ پیوندوں کے کپڑے پہن کر ستر پوشی کرتی تھیں اور برقعے نہ ہونے سے اسی پر اکتفا کرتیں

رحمت کے ساتھ ہمیں اپنے جوار و دیار اور احباب و رشتہ دار تک پہنچایا۔ ہم خدا کی اس بے پناہ عنایت اور تمام آفات سے حفاظت پر اس کا شکر بجالائے۔

نصاریٰ کے باغی گروہوں اور ہمارے نواح کے متعدد لشکروں نے اپنے سابق معزول والی (واجد علی شاہ اختر) کی ایک بیگم (حضرت محل) اور اس کے ایک ناتجربہ کار اور ناسمجھ لڑکے (برجیس قدر) کو امیر و حاکم بنا ڈالا۔ نصاریٰ نے اس والی سے اس کا ملک چھین لیا تھا، وہ بڑا واہی ولاہی تھا۔ عیش و طرب میں منہمک، انتظام ملکی سے غافل، عقل و خرد سے بیگانہ اور نقض عہد و میثاق میں یگانہ تھا۔ نصاریٰ کی عمل داری ختم ہونے پر وہ ملکہ مالک بن گئی۔ اس کا لڑکا چھوٹا، ناتجربہ کار، نازپروردہ، ہم سنوں کے ساتھ کھیلنے والا اور دشمن سے لاپرواہ تھا۔ تدبیر امور مملکت، اجراء احکام اور قیادت فوج کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ اس کے اعیانِ سلطنت اور ارکانِ دولت سب کے سب نا اہل، سست، بزدل، احمق، خائن اور غیر دیانت دار تھے۔ اکثر ذلیل اور بعض بندگانِ زر تھے۔ ان میں بے وقوف عیش پرست، نادان، بلند آواز، سست، منافق، چرب زبان، ذلیل، غلام زادہ، حیران و پریشان، ظالم و جابر، حیلہ ساز و متکبر، خائن و مکار، بندہ زر و غیبت خور سبھی قسم کے لوگ تھے۔ بعض ایسے بھاگنے والے مدبر تھے کہ ان کی تدبیر، تباہی و بربادی و ادبار کی طرف لے جاتی تھی اور صاحب نظر افراد کو عبرت کے عجیب عجیب مناظر دکھاتی تھی۔ ان میں سے اکثر نصاریٰ کے معاون و مددگار اور محبّ و وفا شعار تھے اور یہ سب کے سب دشمن کی ہلاکت خیز تدبیروں سے ناواقف اور ان کی مصلحت اندیشی سے بے خبر تھے۔

نصاریٰ اپنے بچوں اور عورتوں کے ساتھ شہر (لکھنؤ) میں محصور مگر مخالف گروہ کی ناقص تدبیروں کی وجہ سے اپنے مکانوں میں محفوظ تھے۔ نصاریٰ نے خندقیں کھود کر اور حصار بنا کر ان مکانوں کو قلعہ کی شکل دے دی تھی، مقابل لشکر ان پر حملہ آور ہو کر پسپا ہو جاتا تھا۔ جو کچھ کہتا وہ کر نہ پاتا تھا۔ اسی حالت میں محصورین کی امداد کے لئے سفید رو گروہ آ گیا۔ شہر میں داخل ہونے لگا تو بہادر غازیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بہت سے گورے مارے گئے، باقی ماندہ دل شکستہ اور حسرت زدہ ہو کر محصورین تک پہنچ گئے، پھر تازہ دم ہو کر یہ مکانوں سے نکلے تو بزدلی اور کوتاہی کی وجہ سے کوئی مقابلہ پر نہ آیا۔ نصاریٰ نے شہر سے دو میل دور باغ پر قبضہ جما لیا اور قوت و بہادری سے اسی کو اپنا گڑھ بنا لیا۔ وہاں مدد پر مدد اور سامان پر سامان جمع کر لیا۔ وہ لشکر جو شہر میں پہلے سے موجود تھا اور وہ جو دہلی (جنرل بخت خاں و شہزادہ فیروز شاہ وغیرہ) سے بھاگ کر بیگم کی پناہ میں آ گئے تھے جن کو ملکہ نے قدر و منزلت کے ساتھ جود و بخشش سے نوازا تھا اور تنخواہ دار سپاہیوں کا وہ جم غفیر جو حرب و ضرب سے نابلد، اسلحہ بندی سے ناواقف اور مصلحت و معرکہ سے ناآشنا تھا۔ یہ سب اس باغ پر خندقیں کھود کر اور کمین گاہ بنا کر جا ڈٹے۔

دونوں فرقوں میں ایک مدت تک مقابلہ و مقاتلہ اور نیزہ بازی و تیر اندازی ہوتی رہی۔ تنگ آ کر نصاریٰ نے پہاڑوں کے والی سے مدد مانگی۔ اس نے ان کی آرزو کے مطابق تیس ہزار سے زیادہ پہاڑی لشکر بھیج کر مدد کی۔ اب تو نصاریٰ، ان کی گوری فوجوں، کرایہ کے سپاہیوں اور لالچی معاونوں نے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ یہ حملے بڑے سخت، متواتر اور مسلسل تھے جنہوں نے مقاتلین کو ان کی جگہ سے ہلا دیا اور ان کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ وہ کمین گاہوں سے ایسی بری طرح بھاگے کہ شہروں کی سرحدوں پر بھی نہ ٹھہر سکے۔ ملکہ اور اس کے لڑکے کو تنہا محل میں چھوڑ بھاگے۔

ان دونوں سے وقت پر بہت سے ارکان دولت، اعیان سلطنت نے دغا کی اور وہ دیہاتی جوان کے علاقہ سے ان کی مدد و اعانت، عزت و آبرو، مال و دولت کی صیانت و حفاظت کے لئے آئے تھے، عہد شکنی کر کے اور کفر کو ایمان سے بدل کر منافق بن گئے۔ نصاریٰ کی موافقت و رفاقت کرنے لگے۔ نصاریٰ مع معاونین شہر میں داخل ہو گئے، شہر کے رہنے والے گھروں کو خالی کر کے نکل گئے۔ نصاریٰ اور ان کی گوری فوج اور مددگاروں نے اس محل شاہی کا جس میں ملکہ تھی، محاصرہ کیا۔ بیگم اپنے ولی عہد اور سہیلیوں کو لے کر محصور محل کی پشت سے نکل کر دوسرے محلّہ میں تیزی سے پیدل پہنچ گئی۔

تین دن شہر میں بھاگے ہوئے لشکر کو واپس کرنے اور اس سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ لشکر ایسا دہشت زدہ ہو چکا تھا کہ کسی صورت اس نازک موقعہ پر دستگیری کو تیار نہ ہوا، نہ ان میں سے کوئی متنفس لوٹا اور نہ شہر بھر میں کہیں جائے پناہ ہی رہی۔ آخر کار بیگم اپنے اعوان و انصار سے مایوس ہو کر ولی عہد اور چند ساتھیوں کو ساتھ لے کر چٹیل میدان اور بے آب و گیاہ جنگل کی طرف چل کھڑی ہوئی۔ اب اس کے گرد کمزور دل سواروں کی کچھ جماعتیں، پیدل مردوں کا عنبوہ کثیر، شہریوں اور عزت دار عورتوں کی کافی تعداد آ کر جمع ہو گئی، وہ شہری ننگے بدن اور ننگے پاؤں تھے، حالانکہ سرداروں میں سے تھے اور عورتیں ننگے پاؤں اور بے پردہ تھیں، حالانکہ گرامی قدر، پردہ نشین اور محل سراؤں کی رہنے والی تھیں، وہ سرسبز و شاداب خطوں سے چٹیل میدانوں کی طرف پھینک دی گئیں۔ وہ پیوندوں کے کپڑے پہن کر ستر پوشی کرتی تھیں اور برقعے نہ ہونے سے اسی پر اکتفا کرتیں، ایک میدان سے دوسرے میدان میں پہنچتیں، بے پردگی میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا۔ وہ عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتی تھیں پھر دور دراز جنگل اور پرخطر میدان میں ڈال دی گئیں، ان لوگوں کو محلات، بالاگاہیں اور ریاستیں چھوڑنا پڑیں حالانکہ وہ ان سے ذرا بھی ہٹنا نہ چاہتے تھے، یہاں تک کہ حال متغیر، وبال نازل اور ہلاکت عام ہو گئی۔ یہ ایسی مہلک مصیبت نازل ہوئی جس نے شہریوں کو میدان، آزادوں کو غلام، مال داروں کو فقیر و مسکین اور شریفوں کو خوار و ذلیل بنا دیا۔ وہ اپنے اہل و عیال میں آرام و آسائش کی زندگی بسر کر رہے تھے، خوش حال اور فارغ البال تھے کہ مجبور ہو کر نکلنا پڑا۔ فقیری و تنگدستی نے ہمسنوں کی مجالست اور اضطراب و اضطرار نے برابر والوں کی رفاقت سے دور کر دیا۔

رونے والے آہ و زاری، بیمار فریاد و شیون کرتے، آرزومند چلاتے اور حسرت کشیدہ انا للہ پڑھتے، بچے اپنی ماؤں کے سینوں سے قبل از وقت جدا کر دیئے گئے تھے، بوڑھے اور جوان حاجتوں کے پورا کرنے سے ناامید تھے، نہ ان کا کوئی ٹھکانہ تھا، نہ بیماری کی دوا تھی۔ ان کے دل خالی تھے، ان میں نہ کوئی خواہش تھی نہ انہیں کوئی بات بھاتی تھی، زندگی اور موت دونوں ان کے لئے برابر تھے، وہ مسرت و شادمانی، تخت شاہی دیباج و حریر، میوے، خوش طبعی، عیش و عشرت، نظافت و نزاہت، نزاکت و نعمت، نغمۂ و سرود، مال و دولت، خیر سگالی و مروت میں پلے تھے۔ آج ان کی راہ میں کانٹے ہیں سامان و زادِ راہ کا پتہ نہیں، کپڑے بوسیدہ ہیں اور

انہوں نے عہد و پیمان توڑ کر ہزاروں مخلوق خدا کو پھانسی، قتل، جلاوطنی اور قید و حبس میں بلا تاخیر مبتلا کر دیا

میرے دشمن میری ایذا رسانی میں کوشاں اور میری ہلاکت کے درپے رہتے

عیش و راحت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں معاف کرے اور ظالموں کو سخت گرفت میں لے۔

پھر والیہ یعنی حضرت عالیہ، اس لشکر کو جو بھاگ کر اس کی پناہ میں آ گیا تھا اور دوسرے ساتھیوں کو لے کر ایسے دریاؤں اور نہروں سے گزری جن سے بغیر کشتی کے عبور مشکل و دشوار تھا۔ وہ شمالی ملک میں دریا کے کنارے ایک گاؤں میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اقامت گزیں ہو گئی اور دریا کے گھاٹوں پر سوار، پیادے بٹھا دیئے کہ تمام کشتیوں پر قبضہ کر لیں اور دشمنوں کو دریا عبور نہ کرنے دیں۔ اس نے انتظام رعایا اور حصول خراج کے لئے شہروں اور قصبات و دیہات میں عامل بھیج دیئے۔ لشکروں کو آراستہ کر کے اپنے اس دارالسلطنت کے قریبی مورچوں پر جس پر اب نصاریٰ کا قبضہ ہو چکا تھا، بھیج دیا تا کہ اگر دشمن ادھر کا قصد کرے تو اس سے ڈٹ کر مقابلہ و مقاتلہ، مزاحمت و مجادلہ کیا جائے، لیکن یہ تمام امور مہمہ اور ان کا اہتمام و انصرام ایسے ذلیل، غافل اور متحیر عامل (نواب احمد علی خان عرف ممو خان) کو سونپا گیا تھا جو کسی طرح اس کا اہل نہ تھا، وہ صحیح مشورہ سے گریزاں اور جہل سے ہمکنار تھا۔ آسان بات کو سخت اور دشوار کو آسان سمجھتا۔ وہ ذلیل، احمق اور بزدل تھا۔ اس نے مکالمت اور مشاورت، مجالست اور منادمت کے لئے احمق، جاہل اور ذلیل طبقہ کو چن رکھا تھا۔ وہ نخوت و غرور کی بنا پر شریف سرداروں اور عقل مند راہنماؤں سے بچتا اور اپنے ہی اہل خاندان اور اعزہ میں سے جاہلوں اور احمقوں کو مصاحب و حاکم بناتا، چنانچہ اس ناتجربہ کار نے ان لشکروں پر کمین، ذلیل، بزدل اور رذیل لوگوں کو سردار بنایا۔ وہ بڑے ہی لالچی تھے۔ جو کچھ لشکریوں کو خوراک وغیرہ دی جاتی، کھا جاتے۔ وہ بددیانت تھے۔ اپنی کینہ پروری کی وجہ سے ان کے غلہ اور جنس میں خیانت کرتے اور گراں فروشی کے مرتکب ہوتے۔ ہر آواز کو دشمن کی آواز سمجھتے، ہمیشہ اضطراب کے ساتھ خوف کی وجہ سے لرزتے رہتے۔ کسی وقت بھی ان کو راحت و سکون میسر نہ تھا۔ بزدلی سے ہر آواز کو موت کا پیش خیمہ اور ہر صدا کو موت کی پکار سمجھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کمینے دشمنوں کے سامنے محبت و حاجت کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں۔

نصاریٰ دارالسلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد وہیں ڈٹے رہے، اطراف و جوانب کی طرف نہ نکلے، انہوں نے گرد و نواح کے کافروں، دیہاتیوں اور کاشت کاروں کی تالیف قلب شروع کر دی۔ ان کی خطاؤں کو درگزر، ان کے خراج میں تخفیف اور تاوانوں میں کمی کی۔ اس مہربانی پر وہ فرمانبردار اور معاون و مددگار بن گئے۔ ادھر سے مطمئن ہو کر اطراف ملک میں شہر و دیہات پر قبضہ کرنے کے لئے نصاریٰ نکل کھڑے ہوئے۔

جب نصاریٰ اس مقام (نواب جنگ ضلع بارہ بنکی) کی طرف متوجہ ہوئے جو دارالسلطنت سے جانب شمال آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا اور جس میں سوار، پیادے اور وہ رذیل و ذلیل قائدِ عظیم بھی تھا، تو وہ کمین قائد ان کی آمد کی خبر سن کر ہی اپنے ذلیل سرداروں کے ساتھ بھاگ گیا۔ بہادر ہندوؤں کی تھوڑی سی تعداد اپنے گاؤں کے بہادر رکھیا کے ساتھ مقابلہ پر ڈٹ گئی۔ یہ سو سے زیادہ نہ تھے۔ دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر خود بھی کٹ گئے۔ وہ فرار کی عار برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور بھگوڑے قائد کی طرف کافی لشکر اور ساز و سامان کے ہوتے ہوئے بھی انہیں کوئی مدد نہیں پہنچ سکی تھی۔ نصاریٰ نے جب اس گاؤں کو جس میں وہ نامرد خائن، عامل نگہداشت کے لئے موجود تھا، خالی اور ویران پایا تو اس پر قبضہ جما کر اپنا مضبوط و محفوظ قلعہ بنا لیا۔ وہیں فوج جمع کر لی اور مدت تک وہیں مقیم رہے۔ وہ ایک میل بھی نکل کر نہ گئے۔ وہ سردارانِ لشکر کی امیدوں کی تکمیل اور ان خائنوں کے ایفاء عہود کے منتظر تھے، اسی لئے ایفاء وعدہ میں بھی تاخیر کر رہے تھے۔

ادھر سے فارغ ہو کر انہوں نے اس مغربی گوشے کا رخ کیا جہاں کے تمام باشندے ان کے مطیع ہو چکے تھے۔ وہاں بھی ملکہ کی طرف سے ناعاقبت اندیش، غیر مدبر، ناتجربہ کار اور ذلیل عامل تھا، وہ بھی پیٹھ پھیر کر مقابلہ کئے بغیر بری طرح بھاگا۔ سرنگ میں ہو کر اپنا راستہ بنایا، اس کے پاس سوار اور پیادے بھی کم تھے، اس پر ستم یہ ہوا کہ کفار اور دیہاتیوں نے معاہدہ و قسم کے باوجود وقت پر دغا کی۔ غدر و مکر کی انتہا کر دی۔ ناز و نعمت اور پر عیش و مسرت زندگی کا کفران کیا، معاہدوں سے انکار کر کے کفر میں اضافہ اور ارتداد میں زیادتی کر لی، اس موقعہ پر متسلط نصاریٰ سے قتال کے لئے دوسری طرف کا ایک عامل (مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی) اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے خیرات و مبرات اور سعادات و حسنات کا کافی ذخیرہ اپنے اندر جمع کر لیا تھا۔ وہ بڑا ہی پاک طینت، صاف باطن، متقی، پرہیزگار، بہادر اور رسول ملاحم اور نبی مراحم ﷺ کا ہمنام تھا۔ اس نے نصاریٰ کے لشکر پر حملہ کر کے پہلے ہی حملہ میں شکست دے دی۔

اپنی ساری کوششیں ختم کر کے وہ بھاگے اور قصبہ کے ایک ہندو کے ایک مضبوط و محفوظ مکان میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور عظماء نصاریٰ کے پاس شہر میں پیغام بھیج کر مدد مانگی۔ انہوں نے ایک لشکر اور منافقین و دہاقین کا جم غفیر جنہوں نے عہد شکنی کی تھی، ان محصورین کی مدد کو بھیج دیا۔ ادھر اس نیک سرشت بہادر عامل سے ایک دیہاتی کافر زمین دار (بلدیو سنگھ راجہ پوائیں ضلع شاہ جہان پور) نے بڑا داؤ کھیلا۔ اس نے قسمیں کھا کر اطمینان دلایا کہ جب دونوں جماعتیں مقابلہ پر آ جائیں گی تو چار ہزار بہادروں کا گروہ لے کر مدد کو پہنچوں گا۔ جب مقابلہ کی نوبت آئی تو اس زمین دار کی قسموں پر بھروسہ کر کے اس دیانت دار عامل نے اپنے تھوڑے سے بہادروں کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ سامنے سے تو بندوق اور توپوں سے چہروں اور سینوں پر نصاریٰ نے گولیاں برسائیں اور پیچھے سے اس غدار مکار زمین دار کی جماعت نے پشت و سرین کو پھوڑنا شروع کیا۔ وہ دراصل نصاریٰ کے انصار و اعوان اور شیاطین کے اتباع و اخوان تھے۔ وہ خدا پرست عامل معرکہ میں گر کر شہید ہوا اور اس کی ساری جماعت نے بھی اسی کے نقشِ قدم پر چل کر جامِ شہادت نوش کیا۔

ان سب ابرار و اخیار کی شہادت کے بعد بزدل لوگ ایسے بھاگے کہ نامردی اور اضطرار سے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ نصاریٰ نے تعاقب کر کے ان سب کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ تھوڑے سے وہ بچ رہے جنہوں نے بھاگنے میں پوری تیزی اور عجلت سے کام لیا۔ اس نواح کے سارے باشندے دہقانی، کاشت کار، مکھیا اور مقدم وغیرہ سب مطیع و فرمانبردار بن گئے البتہ دو بہادر، غیر تمند، اور غارت گر جواں مردوں نے خوب جم کر مقابلہ کیا۔ اپنی بے پناہ شجاعت و بسالت سے قلت اسباب و جماعت کے باوجود دشمن کے ہزاروں سوار، پیادے ٹھکانے لگا دیئے، آخر کار مجبور ہو کر اپنی بہادری سے جان بچا کر نکل گئے اور دشمن ان کا تعاقب نہ کر سکا۔ اب وہ نواح بھی صاف

روح کو تحلیل کر دینے والے درد و تکلیف کے ساتھ زخموں میں اضافہ ہوتا رہتا

نہ قبر کھودی جاتی ہے نہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے

اور دیہات میں مدرسے قائم کیے۔ پچھلے زمانوں کے علوم ومعارف اور مدارس ومکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔ دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقوں پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین ہند کے غلہ کی پیداوار، کاشتکاروں سے لے کر نقد دام ادا کیے جائیں اور ان غریبوں کو خرید وفروخت کا کوئی حق نہ چھوڑا جائے۔ اس طرح بھاؤ کے گھٹانے بڑھانے اور منڈیوں تک اجناس پہنچانے اور نہ پہنچانے کے خود ہی ذمہ دار بن بیٹھیں۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ خدا کی مخلوق مجبور ومعذور ہو کر ان کے قدموں پر آپڑے۔ اور خوراک نہ ملنے پر ان نصاریٰ اور ان کے اعوان وانصار کے ہر حکم کی تعمیل اور ہر مقصد کی تکمیل کرے۔

ان ترکیبوں کے علاوہ ان کے دل میں اور بھی بہت سے مفاسد چھپے ہوئے تھے، مثلاً مسلمانوں کو ختنہ کرانے سے روکنا، شریف وپردہ نشین خواتین کا پردہ ختم کرانا نیز دوسرے احکام دین مبین کو مٹانا وغیرہ۔ اپنے مکر کی ابتداء اس طرح کی کہ سب سے پہلے ہندو مسلم لشکریوں کو ان کے رسوم واصول سے ہٹانے اور مذہب وعقائد سے گمراہ کرنے کے درپے ہوئے۔ ان کا گمان تھا کہ جب بہادر لشکری اپنے دین کو بدلنے اور احکام نصرانیت بجالانے پر آمادہ ہو جائیں گے تو پھر دوسرے باشندوں کو سزا وعتاب کے ڈر سے خود ہی مجال انکار نہ ہو سکے گی۔

انہوں نے ہندو لشکریوں کو جو تعداد میں بہت زیادہ تھے، گائے کی چربی اور مسلمان سپاہیوں کو جو تھوڑی تعداد میں تھے، سؤر کی چربی چکھانے پر زور ڈالا۔ یہ شرمناک روش دیکھ کر دونوں فرقوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور اپنے اپنے مذہب واعتقاد کی حفاظت کی خاطر ان کی اطاعت وفرمانبرواری سے منہ موڑ لیا۔ ان کے اس اضطراب نے خرمنِ امن پر چنگاری کا کام کیا۔ گروہ نصاریٰ کا قتل، ڈاکہ زنی، ان کے سرداروں اور سپہ سالاروں پر حملہ شروع کر دیا، بعض لشکری حد سے تجاوز کر گئے۔ انہوں نے قساوت قلبی اور شوریدہ سری کا انتہائی مظاہرہ کیا، بچوں اور عورتوں کے قتل سے بھی دریغ نہ کیا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں اور بے گناہ عورتوں کی قتل وغارتگری سے رسوائی وذلت کے مستحق بن بیٹھے۔ پھر تمام باغی گروہ اپنی چھاؤنیوں سے اپنے افسروں سے نپٹنے کے بعد چل کھڑے ہوئے۔ عالموں اور حاکموں کے نظام درہم برہم ہو گئے۔ راستوں کے امن میں خلل وفتور، مخلوق خدا میں فتنہ وفساد اور دیہات وبلاد میں شور شغب پھیل گیا۔ طوفان حوادث جوش میں آگیا۔

بہت سے لشکر شہر مشہور، بلد معمور، مسکن آل تیمور، دارالسلطنت دہلی جا پہنچے، وہاں پہنچ کر ان سب نے ایسے شخص کو سردار وپیشوا بنا لیا جو اس سے پہلے بھی ان کا آمر وحاکم (بہادر شاہ ظفر) تھا جس کے پاس اس کے ارکان دولت اور وزیر بھی تھے، لیکن وہ خود ضعیف، غمزدہ اور ناتجربہ کار تھا اور سچ پوچھیے تو آمر وحاکم کی بجائے اپنی شریک حیات (ملکہ زینت محل) اور وزیر (حکیم احسن اللہ خاں) کا مامور ومحکوم تھا۔ اس کا یہ وزیر جو حقیقت میں نصاریٰ کا کارپرواز اور ان کی محبت میں غالی تھا۔ صحیح معنوں میں حاکم ووالی اور نصاریٰ کے دشمنوں کا شدید ترین مخالف تھا، یہی اس آمر وحاکم کے اہل خاندان کا حال تھا، ان میں سے بعض (شہزادہ مرزا مغل وغیرہ) مقرب بارگاہ اور رازدار بھی تھے۔ یہ سب کے سب جو جی چاہتا تھا کرتے تھے۔ اپنی آراء پر عمل پیرا ہوتے تھے لیکن اس کی اطاعت کا دم بھرتے تھے اور وہ سردار ایسا ضعیف الرائے ناتجربہ کار تھا کہ کچھ جانتا ہی نہیں تھا۔ اس سے عجیب عجیب حرکتیں سرزد ہوتی تھیں۔ کوئی کام اپنی رائے سے نہ کر سکتا تھا، نہ اچھا بُرا سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا، نہ کسی کو خفیہ یا علی الاعلان کوئی حکم دے سکتا تھا، نہ کسی کو نفع وضرر پہنچانے کی طاقت رکھتا تھا۔

یہ سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ بعض شہر ودیہہ سے بہادر مسلمانوں کی ایک جماعت (مولوی ابوسعید وغیرہ) علماء اور ائمہ اجتہاد سے جہاد کے وجوب کا فتویٰ لے کر جدال وقتال کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ادھر ناتجربہ کار سردار نے بعض ناعاقبت اندیش، بے وقوف، خائن اور بزدل اولاد (مرزا مغل وخضر سلطان وغیرہ) کو امیر لشکر بنا دیا، یہ لوگ دیانت دار عقل مندوں سے متنفر تھے۔ انہیں نہ تو میدان کارزار ہی سے کبھی واسطہ پڑا تھا اور نہ کبھی شمشیر زنی اور نیزہ بازی کا ہی موقعہ ہوا تھا۔ انہوں نے بازاری لوگوں کو اپنا ہم نشین وجلیس بنا لیا، اس طرح یہ ناآزمودہ کار آرام طلبی، اسراف بیجا اور فسق وفجور میں مبتلا ہو گئے۔

وہ تنگدست ہو چکے تھے پھر مالدار ہو گئے، جب مالدار ہو گئے تو عیش پرستیوں میں پڑ گئے، لوگوں سے لشکروں کے ساز وسامان کے بہانے سے کافی مقدار میں مال جمع کرتے تھے اور اس میں سے ایک سکہ بھی کسی لشکری پر خرچ نہ کرتے تھے، جو کچھ وصول کرتے تھے خود کھا جاتے تھے۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا لیکن ان کو تو زنانِ فاحشہ وتباہ کار نے طلایہ کی قیادت اور کنیزوں کی شب باشی نے لشکروں کے ساتھ رات کو چلنے سے روک دیا اور آلات عیش وطرب نے آرام طلبی میں ڈال کر مقدمۃ الجیش سے بھی پیچھے کر دیا۔ ان کے دلوں میں نامردی اور ذلیل اندیشہ بیٹھ گیا، اسی نے ان کو وسط لشکر میں ثابت قدمی سے روکا، شومیٔ قسمت نے میمنہ سے اور قمار وتونگری نے میسرہ سے باز رکھا، ان کے خوشامدی اور بازاری ہم صحبتوں نے ساقہ (پچھلا دستہ) سے بھی علیحدہ رکھا۔ ایسا ہی ہوا کرتا ہے جب کسی نااہل کو کوئی بڑا کام سپرد کیا جاتا ہے اور کمزور پر بھاری بوجھ لادا جاتا ہے۔ وہ رات سو کر اور دن بدمست ہو کر گزارتے، جب بیدار وہشیار ہوتے تو غافل وحیران پھرتے۔

نوبت بانیجا رسید کہ نصاریٰ کا لشکر ان پر آکر ٹوٹ پڑا۔ ایک نے بلند پہاڑی پر چڑھ کر شہر کا رخ کر دیا۔ شہر کا محاصرہ کر کے خندقیں کھود ڈالیں، پہاڑی پر توپیں اور منجنیقیں نصب کر کے شہر پناہ اور مکانات پر گولہ باری شروع کر دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بجلیاں اور تارے ٹوٹ ٹوٹ کر عمارتوں پر گر رہے ہیں۔ ہندوستانیوں کا برسرپیکار اور باغی لشکر مختلف ٹولیوں میں تقسیم تھا، بعض گروہ کا کوئی جنرل ہی نہ تھا، بعض کو جائے پناہ بھی میسر نہ تھا، بعض کی طاقت فقر وفاقہ نے سلب کر کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بٹھا دیا تھا، کچھ تھوڑا سا مال غنیمت ہاتھ لگنے سے بے نیاز ہو گئے تھے، کچھ ترساں ولرزاں قلب کے ساتھ بھاگ چھوٹے تھے، بعض طغیان وسرکشی سے بدکار عورتوں پر قبضہ جما بیٹھے، بعض نے میدان جہاد کے تنگ وسخت فوجی کپڑے پہن کر صفوف جنگ میں داخل ہونے کو برا جانا، صرف ایک گروہ نصاریٰ کا جواب دیتے ہوئے بہادری سے لڑتا رہا۔ نصاریٰ جب لڑتے لڑتے تھک گئے اور پست ہو گئے تو غربی ہندوؤں سے مدد ومعانت کے طالب ہوئے۔ ہندوؤں نے کثیر لشکر اور ساز وسامان حرب سے تھوڑی سی مدت میں پے در پے مدد کی، تب تو نصاریٰ نے سخت لڑائی ٹھان دی اور اس پہاڑی پر بہت سا لشکر اور مددگار ومعاون جمع کر لئے۔ ان لشکریوں

ان دونوں سرداروں کی شکست کے بعد مخالفوں کے دل میں دشمن کا رعب قائم ہو گیا

یہ واقعہ رنجیدہ واقعات میں سے سب سے اہم اور آخری واقعہ اور اس جنگ کا خاتمہ تھا

ورم) ہلاکت کی علت تام ہے، بہت مرض ایسے ہیں جن کا کتب طبیب میں نام ونشان نہیں ۔نصرانی ماہر طبیب ، مریضوں کی آنتوں کو تنور کی طرح جلاتا اور مریض کی حفاظت نہ کرتے ہوئے آگ کا قبہ اس کے اوپر بناتا ہے ۔مرض نہ پہچانتے ہوئے دوا پلا کر موت کے منہ کے قریب پہنچا دیتا ہے جب کوئی ان میں سے مرجاتا ہے تو نجس و ناپاک خاکروب جو درحقیقت شیطان خناس یا دیو ہوتا ہے، اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچتا ہوا غسل وکفن کے بغیر اس کے کپڑے اتار کر ریگ کے تودے میں دبا دیتا ہے ۔ نہ اس کی قبر کھودی جاتی ہے نہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔

یہ کیسی عبرتناک والم انگیز کہانی ہے ۔یہ واقعہ ہے کہ اگر میت کے ساتھ یہ برتاؤ نہ ہوتا تو اس جزیرہ میں مرجانا سب سے بڑی آرزو ہوتی اور اچانک موت سب سے زیادہ تسلی بخش تھی اور اگر مسلمان کی خودکشی مذہب میں ممنوع اور قیامت کے دن عذاب وعتاب کا باعث نہ ہوتی تو کوئی بھی یہاں مقید ومجبور بنا کر تکلیف مالا یطاق نہ دیا جا سکتا اور مصیبت سے نجات پالینا بڑا آسان ہوتا ۔ یہ ناقابل برداشت حالات تھے ہی کہ میں متعدد وسخت امراض میں مبتلا ہوگیا ،جس کی وجہ سے میرا صبر مغلوب ،میرا سینہ تنگ ،میرا چاند دھندلا اور عزت ذلت سے بدل گئی ، میں نہیں جانتا کہ اس دشوار وسخت رنج وغم سے کیونکر چھٹکارا ہو سکے گا ، خارش وقوباء میں ابتلا اس پر مستزاد ہے، صبح وشام اس طرح بسر ہوتی ہے کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی بن چکا ہے۔ روح کو تحلیل کر دینے والے درد وتکلیف کے ساتھ زخموں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب پھنسیاں مجھے ہلاکت کے قریب پہنچا دیں ۔ایک زمانہ وہ بھی تھا جب عیش ومسرت ، راحت وعافیت میں زندگی بسر ہوتی تھی ۔اب محبوس وقریب ہلاکت ہوں ۔ایک زمانہ وہ بھی تھا جب محسود خلائق غنی اور صحیح و سالم تھا ،اب اپاہج اور زخمی ہوں ، بڑی سخت مصیبتیں اور بیسیوں صعوبتیں جھیلنا پڑ رہی ہیں ،ٹوٹی ہوئی ہڈی جس طرح لکڑی اور پٹی کا بوجھ اٹھاتی ہے اس طرح ہم بھی ناقابل برداشت مصیبتیں اٹھا رہے ہیں ۔ان تمام مصائب کے باوجود اللہ کے فضل واحسان کا شکر گزار ہوں کیونکہ اپنی آنکھوں سے دوسرے قیدیوں کو بیمار ہوتے ہوئے بھی ، بیڑیاں پہنے ہوئے زنجیروں میں کھینچے جاتے ہوئے دیکھتا ہوں ،انہیں لوہے کی بیڑیوں اور زنجیروں میں ایک سخت ، تیز اور غلیظ انسان کھینچتا ہے، محنت ومہنت ، کینہ وعداوت کا پورا مظاہرہ کرتا ہے، تکلیفوں پر تکلیفیں پہنچاتا اور بھوکے پیاسے پر بھی رحم نہیں کھاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ان آفات وتکالیف سے محفوظ رکھا۔ میرے دشمن میری ایذا رسانی میں کوشاں اور میری ہلاکت کے درپے رہتے ہیں۔ میرے دوست میرے مرض کے مداوا سے لاچار ہیں۔ دشمنوں کے دل میں میری طرف سے بغض وکینہ ، مذہبی عقائد کی طرح راسخ ہوگیا ہے، ان کے پلید سینے کینہ وعداوت کے دفینے بن گئے ہیں ۔ان ظاہر اسباب پر نظر کرتے ہوئے میں اپنی نجات سے مایوس اور اپنی امیدوں کو منقطع پاتا ہوں لیکن اپنے رب عزیز ورحیم، رؤف وکریم کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں وہی تو جابر فرعونوں سے عاجز ضعیفوں کو نجات دلاتا ہے اور وہی تو زخمی مظلومین کے زخموں کو اپنے رحم وکرم کے مرہم سے بھرتا ہے۔ وہ ہر سرکش کے لئے جبار وقہار ہے ، ہر ٹوٹے ہوئے دل کا جوڑنے والا اور ہر نقصان رسیدہ فقیر کو کامیاب بنانے والا اور ہر دشوار کو آسان کرنے والا ہے ۔اسی نے نوح علیہ السلام کو غرق ، اور ابراہیم علیہ السلام کو طیش وحرق ،ایوب علیہ السلام کو مرض ومصائب ،یونس علیہ السلام کو شکم ماہی ، اور بنی اسرائیل کو بربادی وتباہی سے نجات دی ۔ اسی نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو ہامان وفرعون وقارون ،اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو مکر ماکرین اور اپنے حبیب مصطفیٰ ﷺ کو دجل وفریب کفار پر غالب کیا ، پھر اگر مجھے مشقتوں ، صعوبتوں اور حوادث و معاصی نے گھیر لیا ہے تو اس کی رحمت وفضل سے کیوں مایوس ہوں ، وہی میرا رب ،شافی وکافی اور خطا پوش عافیت دینے والا ہے ۔ بہت بیمار جو موت کے کنارے پر پہنچ کر بھی اسے یاد کرتے ہیں ،شفا پاتے ہیں ۔ بہت خطا کار جب استعذ ارو استغفار کرتے ہیں مقبول بار ہوتے ہیں ، بہت دردمند جب اسے پکارتے ہیں مصیبت سے نجات پاتے ہیں ، بہت مسافر جب اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں مراد کو پہنچتے ہیں ، بہت قیدی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں خلاق مطلق انہیں بیڑیوں اور قیدیوں سے بلا فدیہ واحسان چھٹکارا دلاتا ہے۔

میں بھی مظلوم ودل شکستہ ومضطر اور مسکین وذلیل ومحتاج بن کر اسی خدائے برتر کو پکارتا ہوں ، اس کے حبیب ﷺ کو وسیلہ بنا کر اور امیدوار رحمت ہو کر اس کی بارگاہ میں بصد تضرع التجا کرتا ہوں ، وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ، اس نے مظلوم ومضطر کے یاد کرنے پر اجابت دعوت اور کشف مصیبت کا وعدہ کیا ہے، وہی مجھے تکلیف سے نجات دے گا ، وہی قلق واضطراب سے آزاد کرے گا ، وہی امراض سے شفا بخشے گا ، وہی پکڑنے والے سے چھڑائے گا ، وہی ظالم سے بچائے گا ، وہی میرے گریہ وبکاء پر رحم کرے گا ، وہی میری بدبختی وشامت کو مٹائے گا ، وہی دعا کا سننے والا ، بہت دینے والا ، اور بلاؤں کا دفع کرنے والا ہے ، اسی سے جلاوطنی کے غم کو دور اور بہترین نعمتوں کو عطا کرنے کی امیدیں وابستہ ہیں ۔ اے میرے رب ! مصیبتوں سے مجھے نجات دے ، اے امیدواروں کی امیدگاہ اور اے التجا کرنے والوں کے پناہ گاہ ! اپنے حبیب امین ، اس کی آل طاہرین ومبارکین اور اس کے صحابہ ومحافظین دین کے صدقے میں ہماری سن لے ، اے ارحم الرحمین ! اور اے احکم الحاکمین ! تو ہی ظالموں سے مظلوموں کا انتقام لینے والا ہے ، بے شک ساری تعریفیں سارے جہان کے پالنے والے کے لئے ہیں۔

یہ پر درد والم انگیز کہانی ختم ہوئی ۔میں نے اپنی مصیبت وپریشانی کا کچھ حال دو قصیدوں میں بھی لکھا ہے۔ ایک قصیدہ ہمزیہ ہے جس میں شیطانی وساوس کا ذکر ہے اور دوسرا دالیہ ہے جس میں اس غمگین ومعذور کی تکلیف و رنج کا تذکرہ ہے ۔ان دونوں قصیدوں کو سرور کائنات علیہ السلام کی مدح پر ختم کیا ہے۔ ان دونوں سے پہلے ''نون'' کے قوافی میں بھی قصیدہ لکھا تھا جو در یتیم کی طرح فرید ویگانہ ہے ۔اس کا ہر شعر مضبوط ومرتفع قصر کی طرح ہے ۔اس کے تین سو سے کچھ زیادہ اشعار ہو کر رہ گئے ، اس کے اتمام کی نوبت نہیں آئی ۔مصائب وآلام کے ہجوم نے تکمیل کا موقعہ نہیں دیا ، اس کا مطلع یہ ہے۔

مـــانـــاح او رق فـــی اوراق اشـجـان
الا وهـيـج اشـجـانـي و اشـحـانـي

اگر اللہ نے مجھ پر رہائی سے احسان فرمایا تو اس ذات کی مدح اس میں شامل کر کے ختم کروں گا جسے مکارم اخلاق سے پورا پورا حصہ ملا ہے ، اس پر اور اس کی آل پر قیامت تک صلوٰۃ وسلام ، والله سبحانه ولی التوفيق والا کرام ۔

☆☆☆

اگر میت کے ساتھ یہ برتاؤ نہ ہوتا تو اس جزیرہ میں مرجانا سب سے بڑی آرزو ہوتی

فلسفہ موت

دعا کی قانونی حیثیت اور ایصال ثواب

مفکر اسلام پیر سید عبدالقادر جیلانی مدظلہ العالی

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا (الزمر: ۴۲)

''اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت''۔

قل یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم (السجدہ:۱۱)

''تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے''۔

شرعی حکم یہ ہے کہ اگر نماز کھڑی ہو رہی ہو تو جو مذہبی صورتوں والے بندے ہیں، مذہبی شعور والے بندے ہیں وہ اگلی صفوں میں امام کے قریب کھڑے ہوں۔ اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جن کے سینوں میں قرآن زیادہ ہے ان کو شرع میں حق تقدم حاصل ہے۔ (مقدم ہونا)

جیسا کہ بخاری شریف میں موجود ہے کہ غزوہ احد میں ایسا ہوا کہ 70۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم شہید ہوئے تو ایک قبر میں کئی کئی ہستیوں کو دفن کرنے کی ضرورت پیش آئی تو سرکار دو عالم ﷺ نے کئی کئی صحابہ کو ایک جگہ دفن کیا اور فرمایا جس کو قرآن مجید زیادہ یاد ہے اس کو قبلے کی طرف آگے دفن کرو کہ اس کی طرف دوسرے آدمی کی پشت نہ ہو۔

قرآن مجید کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے کی ممانعت کی یہی وجہ ہے۔

دور حاضر کے بدعقیدہ کہتے ہیں کہاں لکھا ہوا ہے؟

یہ لکھا ہوا کہ سرکار عالم ﷺ نے فرمایا بندہ مر گیا ہے جس کے سینے میں قرآن مجید زیادہ تھا، اس کو آگے دفن کرو تا کہ اس کی بے ادبی نہ ہو۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ جس آدمی کے سینے میں قرآن مجید ہو اس کا احترام ہونا چاہئے۔ اس کو مجلس میں آگے بیٹھنا چاہئے اور نماز کے وقت صفوں میں آگے کھڑا ہونا چاہئے۔

اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر بالفرض امام کو کوئی سجدہ سہو لازم آجائے تو پیچھے کوئی لقمہ دینے کی ضرورت پیش آئے تو کوئی دانش مند امام کے قریب ہو تا کہ لقمہ دے سکے۔

دوستو! موت کا کوئی کیلنڈر نہیں، جس کا وقت آجائے اس کو وقت پر مرنا پڑتا ہے۔

کیلنڈر کیوں نہیں چھاپا؟

کہا اگر کیلنڈر چھاپ دیتے تو آدمی سست ہو جاتا۔ اس کو نہیں بتلایا کہ کس وقت یہ Examination (امتحان) ہوگا؟ تا کہ ہر وقت اس امتحان کے لئے تیار رہے۔ مسلمان سمجھے کہ یہ میری زندگی کے آخری سانس ہیں۔ نماز پڑھتے وقت یہ سوچ کے پڑھے کہ شاید یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے۔ یہ سوچ رکھ کر اگر پڑھے تو دیکھے طبیعت کتنی حاضر ہوتی ہے۔ یہ فنا اور زوال کا موقع ہے۔ ایک اللہ کریم کی ذات ہے جو فنا اور زوال سے پاک ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں جو کوئی پیدا ہوا ہے اس نے ایک دن مرنا ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ دنیا کی بے ثباتی کا منظر کھینچتے ہوئے کہتے ہیں پروردگار عالم کے ملائکہ پوری دنیا میں یہ اعلان عام کرتے ہیں کہ جتنے مکانات بناتے ہو برباد ہونے کے لئے بناتے ہو، یہ بنے اس لئے ہیں کہ برباد ہوں گے۔ اے جننے والو! تم جن رہے ہو اور اے جنم پانے والو! تم جنم پا رہے ہو، لیکن دراصل یہ موت کی تیاری کر رہے ہو۔ یہ کھیتی ہے جو کاٹنے کے لئے کاشت کی جا رہی ہے، اس لئے کہ ہم سب ایک ایسی کھیتی ہیں جس کو کاٹنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ مجھے بھی اور آپ کو بھی!

سنبھل کر قدم رکھنا عاشقو راہ محبت ہے
کہیں ایسا نہ ہو سارا سفر بیکار ہو جائے

قرآن مجید سے جو دو مواقع بیان کئے ہیں۔

ایک موقع پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا (الزمر۔۴۲)

''اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت''۔

اللہ خود مارتا ہے، جس وقت کسی کی موت کا وقت آجائے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

قل یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم (السجدہ:۱۱)

''تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے''۔

تم فرما دو اے محبوب! تم پر فرشتہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ جس کا نام ملک الموت ہے، وہ تمہاری موتیں واقع کرنے کے لئے خدا نے مامور کیا ہے۔

موت ایک ہوتی ہے، جس کو رب فرماتا ہے میں مارتا ہوں۔ اسی موت کے بارے میں رب کریم کا فرمان ہے، ملک الموت مارتا ہے۔ اب بتاؤ شرک ہوگا کہ نہیں ہوگا؟ مارنے کا کام رب کرے، مارنا خدا کا کام ہو، اسی وقت فرشتہ بھی مارے؟

فرشتہ کچھ بھی ہے لیکن اس کی پیشانی پر حضرت انسان کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا داغ موجود ہے۔ انسان کسی بھی قیمت کا ہو انسان، انسان ہو کر اشرف المخلوقات ہے۔ باقی ساری مخلوقات سے اس کو اولیت اور افضلیت حاصل ہے۔ فرشتہ انسان سے کم درجے کی مخلوق ہے کیونکہ انسان کے سامنے سجدہ کرایا گیا ہے۔ انسان کو نہیں کہا گیا کہ فرشتے کے سامنے تم سجدہ کرو۔

مطلب یہ کہ خلافت الٰہیہ کا تاج اللہ نے انسان کے

موت کا کوئی کیلنڈر نہیں ، جس کا وقت آجائے اس کو وقت پر مرنا پڑتا ھے

سر پر رکھا ہے کہ انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ اب فرشتہ کچھ بھی ہے خدا تو نہیں ہے۔ اسی وقت رب کہے میں مارتا ہوں، اسی وقت رب کہے فرشتہ مارتا ہے؟

تطبیق یہ ہوگی کہ رب ذاتی طور پر مارتا ہے۔ اصل اس کا حکم چل رہا ہے، عملاً فرشتہ مارتا ہے۔ فرشتے کا مارنا، اس لئے حقیقتاً ذات باری کی طرف منسوب ہوتا ہے کہ اس کو مارنے کی قوت اللہ نے عطا فرمائی ہے۔ فرشتہ، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے مارتا ہے، اس لئے فرشتے کا مارنا رب کا مارنا ہے۔

جس طرح یہ بات سمجھ آ گئی ہے، اسی طرح کہے اللہ تعالیٰ ہی غیب جانتا ہے، اللہ کے بغیر کوئی غیب نہیں جانتا۔ دوسری جگہ آ جائے کہ نبی ﷺ غیب جانتے ہیں تو کہو جناب! اللہ تعالیٰ بھی غیب جانتا ہے اور نبی بھی غیب جانتا ہے، تو پھر شرک کیوں نہ ہو؟

اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو خود سے خود جانتا ہے جیسا کہ اس (رب) کے پاس مارنے کی قوت خود سے خود ہے لیکن فرشتے کے پاس مارنے کی قوت ہے وہ خدا کی دی ہوئی ہے۔ یہ فرق جاننے سے شرک جاتا رہا۔

اسی طریقے سے رب غیب جانتا ہے تو خود سے خود جانتا ہے اور رب کا رسول جو جانتا ہے وہ رب کے بتانے سے جانتا ہے، اس لئے غیب وہ بھی جانے غیب یہ بھی جانے اور شرک اس لئے نہیں ہوگا کہ اس کے غیب جاننے کی قوت ذاتی ہے اور سرکار ﷺ کے غیب جاننے کی جو قوت ہے یہ اس کی عطائی ہے۔

جیسے اللہ بھی نور ہو، سرکار ﷺ بھی نور ہوں، اب بتاؤ شرک ہوگا کہ نہیں ہوگا؟ نہیں ہوگا، اس لئے کہ رب خود سے خود نور ہے اور سرکار ﷺ خدا کے پیدا کئے ہوئے نور ہیں۔

ایک سرکار ﷺ کے نور ہونے پر یہ اختلاف ہے، فرشتے بھی نور ہیں، جس طرح فرشتے خدا کا پیدا کیا ہوا نور ہیں اسی طریقہ سے سرکار دو عالم ﷺ کی ذات خدا تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا نور ہیں۔

یہ بات سمجھ آ گئی کہ مرنے کا کام بندہ کرتا ہے لیکن مارنے کا کام دو کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اللہ مارتا ہے، فرشتہ مارتا ہے۔

اب اس پر گفتگو ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ نے اپنی کتاب شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور میں لکھا ہے کہ اگر دنیا میں اعمال کی اچھائی یا برائی بہ ذریعہ سزا یا جزا تھا، یعنی نیکی کرے اس کو اچھا بدلہ ملے، بدی کرے اس کو سزا دی جائے تو اس کے لئے مارنا تو کوئی ضروری نہیں تھا۔ جس طرح بندہ دنیا میں کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اس کو تنخواہ ملنے لگ جاتی ہے، اس کو معاوضہ ملنے لگ جاتا ہے اور اگر کوئی برا کام کرتا ہے تو جیل میں بھیج دیتے ہیں۔

اگر مارے بغیر ہی نیکیوں کا بدلہ جزا کی صورت میں دے دیا جاتا اور بدیوں کا بدلہ سزا کی صورت میں جیل خانے کی صورت میں دے دیا جاتا تو مارے بغیر بھی گزارا چل سکتا تھا۔ یہ مارنے کا کام کیوں کیا گیا؟

اس بات کا ذکر امام سیوطی نے شرح الصدور بشرح الموتیٰ والقبور (یعنی مرنے والوں کے حالات اور قبروں والوں کے حالات پر بحث) میں کیا ہے۔ دراصل قصہ یہ ہے کہ یہ پروردگارِ عالم کی عنایت ہے کہ پروردگار نے چانس دیا ہے۔ جیتے وقت مسلمان کہتا ہے میں حق پر ہوں، کافر کہتا ہے میں حق پر ہوں، بے ایمان کہتا ہے میں حق پر ہوں، ایمان دار کہتا ہے میں حق پر ہوں، نمازی کہتا ہے میں حق پر ہوں، بے نمازی کہتا ہے میں حق پر ہوں، روزے رکھنے والا کہتا ہے میں حق پر ہوں، روزے توڑنے والا کہتا ہے میں حق پر ہوں۔ اس وقت موت اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ مرنے کے بعد جس کی قبر وہ زندہ رہی وہ حق پر ہے:

نام فقیر انہاں دا باہو
قبر جنہاں دی جیوے ہو

دو مرتبہ اندرا گاندھی اپنے Prime Minister ہونے کے زمانے میں خواجہ سلطان الہند سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں آ کے ہاتھ جوڑ کے کھڑی ہوتی ہے۔ دنیا کا وہ ملک جس کی آبادی ایک ارب کے لگ بھگ ہے، اس ملک کی Prime Minister ہو کے، آ کر کے کھڑی ہو خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں۔

اس ملک میں وہ مولانا بھی بستے ہوں جو کہیں کہ قبروں پر جانا بھی شرک ہے، قبروں والے کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر مومن بھی اور کافر بھی دونوں مل کے کہیں قبروں والے کر سکتے ہیں تو پھر ایک مسلمان کا کہنے کا کیا حق بنتا ہے۔ وہ کہے قبروں والے کچھ نہیں کر سکتے، جس عورت کے سامنے وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں اپنی مسجدوں میں اندرا گاندھی کو لا کر منبروں پر بٹھاتے ہیں۔ یہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہتے ہیں کہ تو ہماری مدد کر سکتی ہے۔ وہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں کہتی ہے: یہ غلط سمجھے ہیں اصل میں تو مدد کر سکتا ہے، میں Prime Minister بن کے تیری بارگاہ میں سائلہ بن کے آئی ہوں۔

موت کی فلاسفی سمجھئے! کہ پروردگار عالم نے موت اس لئے رکھی کہ مومن موت سے ہدایت حاصل کرے کہ مرنے کے بعد جینا ہے۔

مثلاً: آپ China چلے جائیں جوں ہی ہانگ کانگ سے آگے اس کا بارڈر پار کریں، جو پہلا صوبہ ہے اس میں تقریباً 80 مربع میل تک کسی مسلمان کا گھر نہیں۔ اس ملک میں سب سے بڑا دربار سید شاہ محمد غوث گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ سرکار بغداد رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے وہاں ایک بزرگ گئے ہیں وہاں چائنہ میں جائیں تو اس طرح کسی بڑے سے بڑے عرس پر، کسی سیاسی جلسے پر اتنا اجماع نہیں ہوگا، جتنا شاہ محمد غوث گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر ہوتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے موقع دیا ہے کہ مرنے کے بعد اگر قبر زندہ رہے تو یہ اہل حق کا عقیدہ ہے۔ ہم ان کا عقیدہ رکھیں جن کی قبریں زندہ ہیں۔ ان کا عقیدہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے جو ساری زندگی ہندوؤں کے سامنے ہاتھ جوڑتے رہے۔

اندرا گاندھی کو جلانے کے لئے مرگھٹ لئے جا رہے ہیں، ساتھ بھجن گائے جا رہے ہیں اور ساتھ قاری قرآن کی تلاوت بھی کر رہا ہے۔ تف ہے ایسے لوگوں پر کہ کافروں کے ساتھ گیت گائیں اور کہیں غوث کچھ بھی نہیں کر سکتا، علی کچھ بھی نہیں کر سکتا، نبی کچھ نہیں کر سکتا، داتا کچھ نہیں کر سکتا، خواجہ غریب نواز کچھ نہیں کر سکتا اور کہیں ہندو کر سکتا ہے، کتنی بری سزا ہے۔

مسلمانو! مرنا حق چیز ہے لیکن مرنے کا جو Procedure (طریقہ) مقرر ہوا ہے وہ کیا ہے؟

مومن کی موت کو سرکار دو عالم ﷺ نے اس قدر آسان کر دیا ہے کہ مرنے کی تمنا مسلمان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ مومن کی موت کیوں آسان ہو جاتی ہے؟

رب خود سے خود نور ھے اور سرکار ﷺ خدا کے پیدا کئے ہوئے نور ھیں

پروردگار عالم نے موت اس لئے رکھی کہ مومن موت سے ہدایت حاصل کرے کہ مرنے کے بعد جینا ہے

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب **الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰے** جلد دوئم ص:۱۸ پر حضرت بلال کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کا انتقال کا وقت آیا تو آپ کی اہلیہ پاس آ کے کہتی ہیں: **واہ حزناہٗ بلال** (ہائے بلال افسوس ہے تم مر رہے ہو) انہوں نے کہا یوں مت کہو بلکہ یوں کہو: **واہ اطرباہ بلال** (بلال تمہیں لاکھ لاکھ مبارک ہو، تم مر رہے ہو)۔

وہ عرض کرنے لگیں آج تک کسی مرنے والے کو کسی نے مبارک باد نہیں کہی ۔ میں آپ کی سنگت سے محروم ہونے والی ہوں، ابھی تم داغِ جدائی دینے والے ہو، ابھی میرے بچے یتیم ہونے کو ہیں، تو سرکار کا نام پیار سے لیتا تھا تو پتھروں میں بھی زندگی آتی تھی، کائنات رقص کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ سرکار دو عالم کا نام جیسے اذان میں تو لیتا تھا وہ، وہ ادا تھی جس سے سرکار کی طبیعت پر ایک کیف طاری ہوتا تھا، میں اس سے محروم ہونے والی ہوں۔ میں کس طرح کہوں اے بلال تمہیں مبارک ہو۔ حضرت بلال کہنے لگے۔ وجہ یہ ہے کہ **غداً القی الاحبہ محمداً وحزبہ** (کل میری ملاقات نبی پاک اور آپ کے ساتھیوں سے ہوگی)۔

بخاری شریف جلد اول ص: ۱۸۴ اور مشکوٰۃ شریف میں حدیث موجود ہے، جب کسی کو کبھی قبر میں رکھا جاتا ہے تو نبی پاک جلوہ فرما ہوتے ہیں کہ سارے تجھے چھوڑ کے چلے گئے اب میں تجھے چھوڑ کے نہیں جا سکتا:

اساں سنیا ماہی اوہدی باں پھڑ واجدا کوئی وی سہارا نہ ہووے
اوہدی کشتی کنارے لاندا اے جدا کوئی وی کنارہ نہ ہووے

تو کہتے ہیں کہ مجھے تو مبارک باد اس لئے دے کہ مدتوں کے وچھوڑے کے بعد آج سرکار سے ملاقات ہونے والی ہے۔ ملاقات کیسے ہونے والی ہے؟ جب میں قبر میں رکھا جاؤں گا تو سرکار تاجدار مدینہ تشریف لائیں گے

دل ہو کیوں نہ مضطرب موت کے انتظار میں
سنتا ہوں مجھ کو دیکھنے آئیں گے وہ مزار میں

اے میری اہلیہ محترمہ تو میرا دنیا سے جانا برکت کا باعث سمجھ ، مجھے مبارکباد کہو ، اس لئے کہ میں سرکار نبی پاک سے ملنے والا ہوں۔

یہ وہی موت ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ملک الموت کو تھپڑ مارا تھا ، یہ وہی موت ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے Petition داخل کر دی تھی ، آج حضرت بلال حبشی کیوں نہیں کہتے ۔ جینے کا مزہ آ گیا۔

ایک مشہور حدیث ہے ، کتب صحاح میں آتی ہے ، سکولوں کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے، اس پر بحث کرتا ہوں۔

احد کی جنگ میں ایک آدمی دمِ واپسی لے رہا ہے، کوئی پانی لے کے پہنچا کہ تو پیاسا ہے یہ پانی پی لے۔ اس نے کہا نہیں وہ جو آگے آدمی ہے اس کی حالت زیادہ خراب ہے، اس تک پانی پہنچاؤ۔ اس کے پاس پانی لے جایا گیا، اس نے کہا نہیں میرے سے آگے جو آدمی ہے ، اس کی حالت زیادہ خراب ہے، اس کو جا کر پانی دو۔ جب آخری آدمی کے پاس پہنچا تو وہ اللہ کو پیارا ہو چکا ہے واپس لوٹا تو دوسرے نمبر پر جس کے پاس آیا تھا دیکھا وہ اللہ کو پیارا ہو چکا ہے ۔ جب پہلے آدمی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ بھی موت کی آغوش میں جا چکا ہے۔

اس پر گفتگو کرتے ہوئے اہل علم کے ایک طبقے نے کہا ہے کہ مسلمان پر کبھی وہ وقت آتا ہے:

ویؤثرون علٰی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ (الحشر۔۹)

''اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ ان کو شدید محتاجی ہو''۔

خواہ خود انہیں حاجت ہو لیکن دوسرے مسلمان کی حاجت کو اولیت دیتے ہیں ۔ اس کی عام ایک تفسیر یہی کی جاتی ہے کہ انہوں نے بوقتِ ضرورت اپنے مقابلے میں دوسرے آدمی کو ترجیح دی ، اس کو اولیت دی، مگر محققین کہتے ہیں اس کا ایک معنٰی اور بھی ہے۔

ھدایہ شریف کتاب الجنائز کے اندر چھوٹا سا Chapter ہے جس کا نام ''ارتثاث'' ہے ۔ لغت کے اندر اس کا معنٰی ڈھیل لگ جانا ، دیر ہو جانا، لیکن فقہاء کی اصطلاح میں اس بات کو کہتے ہیں کہ جس وقت کسی کو راہِ مولا میں زخم لگے اور وہ دمِ واپسیں لے رہا ہو، یا اس کے مرنے کے چانسز بالکل واضح ہو چکے ہوں، اس وقت اس کی زندگی بچانے کے لئے کوئی تدبیر کی جائے ، اس تدبیر کو وہ قبول کر لے ۔ وہ دوائی لے لے، یا اٹھا کر کے کسی ڈاکٹر کے پاس لے جایا جائے ، یا اس کی مرہم پٹی کی جائے یعنی اس کی زندگی بچانے کی جتنی تدابیر ہیں، ان میں کوئی ایک تدبیر کر لی جائے اس کو وہ قبول کر لے، اس کے بعد اس کی موت واقع ہو جائے ، حقیقتاً وہ شہید ہوگا ، حکماً وہ شہید نہیں ہوگا ۔ کیونکہ ارتثاث (ڈھیل) واقع ہو گئی ۔ عین موقعہ پر برجستہ طریقے سے کھڑے کھڑے اس کی موت واقع نہیں ہوئی بلکہ اس کی زندگی بچانے کے لئے تدابیر کی گئیں، اس نے ان کو قبول کیا ہے۔

اس لئے انہوں نے پانی نہیں پیا تا کہ ارتثاث نہ ہو۔

اس سے کیا ہوگا ؟ کہ میری موت واقع ہو جائے تا کہ میری موت کی اصل قیمت مجھے وصول ہو۔ پانی پینے سے زندگی کا چانس تو ہے۔ واہ مدینے والی سرکار آپ کی ذات پاک پر قربان جاؤں!

موت کے دروازے پر کسی کو بھی کھڑا دیکھا گیا ، حتیٰ کہ ملک الموت کو جب قیامت کے میدان میں مارا جائے گا ، اس وقت ملک الموت پریشان ہوں گے کہ مولا کریم یہ تو بڑی دشوار گزار چیز ہے ، جب خود موت کو مارا جائے گا (موت بھی ماری جانے والی چیز ہے)۔

خلق الموت والحیوۃ (سورہ ملک۔۲)

''موت اور زندگی پیدا کی''۔

موت اور زندگی دونوں کو پیدا کیا ہے جس طرح زندگی کو مارا جاتا ہے، موت کو بھی مارا جائے گا۔ اس وقت گری قیامت میں ایک کہرام مچ جائے گا۔ موت اتنی دھاڑیں مارے گی کہ جتنے حاضرین ہیں ان میں ایک وحشت طاری ہو جائے گی۔ اس وقت اسے سمجھ آئے گی کہ میں ساری دنیا کی موتیں واقع کرتی رہی ہوں ، آج مجھ پر موت آئی ہے تو پھر کیا قیمت بنی ہے؟

اب جس وقت کہ موت کی یہ بھیانک صورت عمل کل کائنات پر واضح ہے ، ایسے وقت میں موت کو کس نے آسان بنا دیا ہے؟ عشق مصطفےٰ نے۔

اب نبی پاک کا غلام کسی بہانے سے ارتثاث سے بچتا ہے اور کہتا ہے پانی اگلے کو پلاؤ۔

خالقِ کائنات نے جو فرمایا تھا:

انی اعلم مالا تعلمون

''اے فرشتوں جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے''۔

فرشتو! لمبے لمبے سجدے کرنا تو جانتے ہو لیکن عشق

مومن کی موت کو سرکار دو عالم نے اس قدر آسان کر دیا ہے کہ مرنے کی تمنا پیدا ہو جاتی ہے

محبت کے میدان میں دم توڑنا تو نہیں جانتے۔ تمہیں نفلیں پڑھنے کا ڈھنگ تو آتا ہے لیکن راہِ محبوب میں اپنی گردن کٹوانے کا ڈھنگ تو نہیں آتا۔

نمازِ زاہداں محراب و منبر
نمازِ عاشقاں بردار دیدن

صوفیوں کی نمازیں مصلوں اور کوزوں کے ذریعے سے ہوتی ہیں، عاشقوں کی نمازیں نوکِ نیزہ پر ہوا کرتی ہیں، تلوار کی دھار پر چڑھ کر ہوا کرتی ہیں۔

ارتعاش نہ واقع ہو، اگلے کو پانی پلاؤ، تاکہ اس میں مر جاؤں تو جو زندگی کی اصلی قیمت ہے وہ مجھے مل جائے، لیکن گھبراؤں کیوں؟

یا ایتھا النفس المطمئنة ۔ ارجعی الی ربک راضیة مرضیة (الفجر:۲۷،۲۸)

''اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی''۔

جب ان کی طرف سے پکار آ رہی ہے گھبراتا نہیں ہے تو، تو اکیلا تو نہیں ہے میں تیرے ساتھ ہوں ۔ تیری بیگم ساتھ چھوڑے گی، میں تیرا ساتھ چھوڑنے والا نہیں۔ تیری ماں، بھائی، دوست سب ساتھ چھوڑ جائیں گے، اولاد ساتھ چھوڑے گی، جب کوئی ساتھی نہ رہے گا اس وقت یہ مدینے والا تیرا ساتھی ہوگا۔

دل ہو کیوں نہ مضطرب موت کے انتظار میں
سنتا ہوں مجھ کو دیکھنے آئیں گے وہ مزار میں

جب کوئی مرتا ہے تو برزخ میں کوئی انگریزی، کوئی فارسی، کوئی برٹش، کوئی امریکن، کوئی کس ملک کا، سوالات سارے عربی میں ہوتے ہیں۔ قیامت کے میدان میں عدالت کی زبان عربی ہوگی، کیوں؟

آپ نے اس ملک کے اندر پنجاب اور کشمیر کے اندر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور کی زبان پنجابی سمجھ لی ہے، اس لئے کہ حاکم پنجابی تھا۔ مغلوں کے دور میں پورے ملک کے اندر اس کماری سے لے کر موضع جاری کا راس (سرحد کے شہر کا نام) کابل تک فارسی زبان تھی، کیوں؟ اس لئے کہ حاکم فارسی زبان بولنے والے تھے اس لئے قانون ملک کہتا تھا مجھے بھی فارسی زبان میں بیان کرو۔ انگریز آیا تو پورے ملک کی زبان انگریزی ہوگئی کیونکہ حاکم کی زبان انگریزی تھی اس لئے وہ انگریزی ہوگئی۔

عربی زبان اللہ کی نہیں، عربی زبان مدینے والے شہنشاہ کی زبان ہے، اس لئے لوح محفوظ کی زبان عربی، کراماً کاتبین کی زبان عربی ہے، آسمانی قدسیوں کی زبان عربی ہے، ساری وحی کی زبان عربی ہے، برزخ ارواح کی زبان عربی ہے، قیامت کی زبان عربی ہے۔

کیونکہ کل کائنات کا شہنشاہ کل کائنات کا بادشاہ مدینے کا تاجدار ہے، جس کا حکم ہے، جس کی حکومت ہے، جس کا ملک ہے زبان اس کی ہے۔

اس لئے کہتے ہیں جب کسی بچے کا نام رکھا کرو تو نام کے اول یا آخر میں محمد، علی، حسن، حسین، عمر، ابوبکر، عثمان، صحابہ کرام یا اہل بیت رسول، امام زین العابدین، امام باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم یا اولیاء اللہ مثلاً معین الدین چشتی اجمیری، داتا گنج بخش علی ہجویری، حضرت والئی بغداد شہنشاہ جیلان کے نام پر نام رکھا کرو۔

کیونکہ جونہی پوچھیں بتا تیرا نام کیا ہے؟ نام ہی بتائے تو نہیں پتہ چل جائے کہ یہ گورنمنٹ پارٹی کا آدمی ہے۔

وہ نام رکھو جو پہلے کسی کا نہ ہو، یہ بڑی خوفناک سوچ ہے۔ بیٹیوں کے نام بھی فاطمہ، عائشہ، خدیجہ، میمونہ، سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات کے نام، بیٹیوں کے نام صحابہ کرام کی خواتین کے نام، جو سرکار نے سن کر پسند فرمائے وہ نام رکھو کہ جب قبر میں رکھا جائے تو اہل قبر بھی محسوس کریں کہ یہ نبی پاک ﷺ کے غلاموں میں سے کوئی بندہ ہے۔

اور قبر میں نبی پاک ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جو Questions/Answers (سوال وجواب) کی Meeting ہوتی ہے وہ بڑی عجیب وغریب ہے۔ آج تک جو زور دیتے چلے آئیں ہیں اعمال بڑی اچھی چیز ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اعمال واقعی بڑی اچھی چیز ہے مگر کب ہے؟ جس وقت صحیح عقیدہ ثابت ہو جائے اور عمل کا حساب قیامت کے میدان میں ہوگا۔

قبر دار الجزاء، دار الحساب نہیں ہے۔ حساب قیامت کے میدان میں ہوگا۔ قبر میں عقیدے کا حساب ہوتا ہے۔ قبر میں دو کھاتے ہیں، ایک جنتیوں کا، دوسرا دوزخیوں کا۔ ان دو کھاتوں میں سے ایک کھاتے میں سہولتیں اور آرام اور دوسرے میں صعوبتیں اور تکلیف مہیا کرتا ہے۔ کس بنیاد پر اس کو وہ سہولتیں فراہم کریں گے یا صعوبتوں، مشکلوں میں مبتلا کریں گے؟

کہا دیکھو عقیدہ ٹھیک ہے تو سہولتیں فراہم کرو، اگر عقیدہ خراب ہے تو عمل کو رہنے دو بعد میں دیکھیں گے۔ یہ آدمی بڑے تہجد پڑھا کرتا تھا۔ کہا یہ عمل ہے اس پر بعد میں غور کریں گے۔

پہلے دیکھتے ہیں عقیدہ کیسا ہے؟ منافقین مدینہ کے اعمال دیکھو، پہلی صفوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ اذانیں اقامتیں کہتے تھے، حج پر جاتے تھے، داڑھیاں لمبی ہوتی تھیں، ماتھے پر بڑے بڑے نشانات تھے مگر منافق تھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، ترمذی شریف کے اندر یہ حدیث شریف موجود ہے۔ باقی مسلمانوں کے مقابلے میں بناؤ سنگھار انہوں نے زیادہ کیا ہوا تھا۔ فیصلہ کس طرح کرتے تھے کہ یہ منافق ہے یہ مومن ہے؟

کہتے ہیں:

کنا نعرف المنافقین ببغضهم علیاً

(الصواعق المحرقہ۔ ص۱۲۲)

جب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، کا نام لو ان کے چہرے پر شکن پڑ جاتے تھے، اس وقت ہم سمجھ جاتے کہ اگر بے ایمان نہ ہوتا علی کے نام سے کیوں گھبراتا؟

پہلے عقیدہ چیک کرو؟

کس طرح؟

بتا تیرا رب کون ہے؟

رب کے بارے میں جواب: ربی اللہ (میرا رب اللہ ہے)

کہا تیرا دین کون سا ہے؟ دینی الاسلام (میرا دین اسلام ہے) تیسری بات: من نبیک (تیرا نبی کون ہے؟)

اس وقت اگر وہ کہتا ہے کہ میرا نبی حضور پاک ﷺ ہیں۔ اب خدا کے بارے میں شناخت پریڈ نہیں ہوگی کہ جس کے بارے میں خدا کہا ہے بتا ان میں سے کون ہے؟ دین کے بارے میں یہ نہیں ہوگا کہ قرآن وحدیث سامنے رکھتے ہیں بتا اس قرآن کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟

کہاں ان چیزوں کے بارے میں اگر غلطی بھی کھا جائے

قیامت کے میدان میں عدالت کی زبان عربی ہوگی

وہ نام رکھو جو پہلے کسی کا نہ ہو، یہ بڑی خوفناک سوچ ہے

تو مدینے والے کی برکت سے یہ غلطی دور ہو جائے گی۔

سرکار دو عالم کے بارے میں پوچھتے ہیں:

ما کنت تقول فی ھذہ الرجل

(بخاری شریف جلد اول ص ۱۸۴)

''یہ جو تیرے سامنے قریب ترین بزرگ کھڑے ہیں ان کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ تھا؟''

قبر میں سرکار آئیں تو میں قدموں پہ گروں
گر فرشتے بھی اٹھائیں تو میں ان سے یہ کہوں
اے فرشتو اب میں پائے ناز سے کیوں اٹھوں
مر کے پہنچا ہوں یہاں اس دلربا کے واسطے

مجھے سرکار ﷺ کے قدموں سے لپٹ کر پیار کرنے دو، معلوم نہیں کہ پھر دوبارہ مر سکتا ہوں کہ نہیں؟ دوبارہ میرے لئے قبر بنتی ہے کہ نہیں؟

اب سرکار کسی طریقے سے میرے سامنے آگئے ہیں۔

پیش نظر یہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

ایک ہے سرکار دو عالم ﷺ کا قبر میں تشریف لانا۔ ایک ہے عاشقوں کی رسم محبت۔

حضرت سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کہتے ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو گنبد خضراء کے گرد اگرد گھومتے پایا تو چاہوں کہ آپ کے قدموں پر گروں، یہاں ہاتھ لگے ہیں پھر کبھی موقع ملتا ہے کہ نہیں؟ کہا دوڑ دوڑ کے پہنچتا ہوں ہاتھ نہیں لگتے۔ مدینہ طیبہ کئی دن ٹھہرے، تلاش کرتا پھرا۔ لوگوں نے کہا ہم نے بھی دیکھا ہے لیکن معلوم نہیں ٹھہرے کہاں؟

واپس آئے تو گھر آنے کی بجائے سیدھا اعلیٰ حضرت کی ملاقات کے لئے بریلی شریف تشریف لے گئے۔ پوچھا اعلیٰ حضرت نے بڑی ایک زیادتی فرمائی ہے۔ مدینہ طیبہ میں ان کو ڈھونڈتا پھرا، دوڑتا پھرا، تلاش کرتا رہا، سامنے نظر آتے رہے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے لیکن ملاقات نہیں فرمائی۔ سلام نہیں کیا سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ اس وقت دوست دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ کہا وہ وقت تو اعلیٰ حضرت کے یہاں جنازہ اٹھنے کا وقت تھا۔ وہ کہنے لگے کہ وہاں گنبد خضراء کے گرد اگرد اعلیٰ حضرت کو گھومتے دیکھا ہے لیکن ان کے جنازہ اٹھنے کا وقت ہے۔

حضرت سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کہتے ہیں اس وقت میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

دعا کی قانونی حیثیت

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی والیؤمنوا بی لعلھم یرشدون.

(البقرہ:۱۸۶)

'' اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں، دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے، تو انہیں چاہیئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔''

دعا کیا چیز ہے؟

دعا سے کیا بن سکتا ہے؟

اور عقیدے کے طور پر اسلامی نظریات کے طور پر دعا کی کیا value بنتی ہے؟

اللہ کریم نے فرمایا: **واذا سالک عبادی** '' اے پیارے جس وقت میرے بارے میں میرے بندے آپ سے پوچھیں تو بتا دو''۔ **فانی قریب**۔ ''میں قریب ہوں'' **اجیب دعوۃ الداع اذا دعان** '' میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جس وقت وہ مجھے پکارے''۔ اس کے بعد فرمایا **فلیستجیبوا لی** '' چاہیئے کہ اب وہ سچے دل سے مجھے مانے بھی اور میری تعلیمات کو صحیح طور پر قبول بھی کرے''۔ **لعلھم یرشدون** ''تاکہ وہ ہدایت پائیں)''۔

اس میں پروردگار عالم نے دعا کا بطور حقیقت کے اظہار فرمایا ہے:

''جب میرا بندہ آپ سے پوچھے؟''

اس سے ایک یہ پتہ چلا کہ وہ دعا جو direct ہوتی ہے وہ خدا کے حضور منظور ہونے والی دعا نہیں ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کو درمیان میں رکھے کہ ''جب تجھ سے پوچھیں تو کہو'' اور اس اجمال کی تفصیل قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر موجود ہے:

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جآءوک فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (النساء:۶۴)

''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

فرمایا کہ اے پیارے جس وقت یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں۔

وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم (الشوریٰ:۳۰)

''مصیبتیں جو آتی ہیں آدمیوں کی کوتاہیوں کا نتیجہ ہوتی ہیں''۔

کوتاہی کر بیٹھے انسان تو کیا کرے؟

جآؤک: تجھے نہ بھولے، تیرے پاس آجائے۔

آپ ﷺ کا مزار مبارک مدینہ طیبہ میں ہے۔ معترض کہتا ہے کہ اس کا تعلق تو سرکار ﷺ کی ظاہری زندگی کے ساتھ تھا۔ اب وہ دنیا سے چلے گئے ہیں، اب دعا کی فلاسفی میں سرکار ﷺ کے قرب کی بحث سرکار ﷺ کے پاس جانے کی بحث کس طرح چھڑتی ہے۔ قرآن عظیم کا فرمان ہے:

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم

(الاحزاب:۶)

''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے بھی زیادہ مالک ہے''۔

نبی ہر ایمان والے کی جان سے زیادہ قریب ہے

مسک الختام شرح بلوغ المرام نواب صدیق الحسن قنوجی کی لکھی ہوئی کتاب ہے، اس میں التحیات کی بحث میں لکھتے ہیں کہ نماز میں تشہد میں جو پڑھا جاتا ہے:

السلام علیک ایھا النبی

''اے نبی! آپ ﷺ پر سلام ہو''۔

یہ کس نقطہ نگاہ سے کہتا ہے؟

ان کو پاس سمجھ کے کہتا ہے کہ مدینے میں سمجھ کے کہتا ہے؟

صوفیوں کی نمازیں مصلوں اور کوزوں کے ذریعے سے ہوتی ہیں، عاشقوں کی نمازیں نوکِ نیزہ پر ہوا کرتی ہیں

قو جی نے کہا کہ دراصل یہ جو خطاب ہے یہ دور سمجھ کے نہیں، اس کی اپنی باڈی میں حقیقت محمد یہ کارفرما ہے اور کائنات کے ہر ذرے میں ہے۔

فزکس نے جو تحقیقات کی ہیں کہ کل کائنات کے Elements (عناصر) کتنے ہیں؟ وہ کل 92 ہیں۔ آج فزکس نے جانا ہے کہ پوری کائنات کے عناصر جتنے مادے جس سے دنیا بنی ہے ان کی گنتی 92 ہے اور 92 گنتی ہے محمد کے عددوں کی۔ محمد کی Numerical Value (بحساب حروف ابجد) آج فزکس نے تسلیم کی ہے۔

Numerical Value (ابجد) جس کو مومن بھی مانتا ہے، کافر بھی مانتا ہے۔ کہا محمد کے عدد 92 ہیں۔ ایک ایک Element نبی پاک ﷺ کے نام کے ایک ایک عدد سے بنا ہے، اگر وہ عدد محمد مصطفی ﷺ سے withdraw (واپس) کرلیا جائے تو کائنات کا عدم لازم آجاتا ہے۔ کائنات برحال نہیں رہ سکتی۔

معلوم ہوا وہ نام محمد مصطفی ﷺ کا جو اثر ہے وہ جو Element اس کی بنیاد میں ہے۔

" مجھے اللہ نے اپنے نور سے بنایا اور تمام کائنات کو میرے نور سے بنایا"۔ (حدیث)

آج کی فزکس مانے گی کہ کائنات کی ابتدا روشن ذرات سے ہوئی ہے۔ Galileo (گلیلیو) کی تھیوری کیا کہتی ہے؟ آپ کا Planetary System (نظام شمسی) کیا کہتا ہے؟

کہتا ہے کائنات کی ابتدا نور سے ہوئی۔ ہر چیز نور سے بنی۔ نور جس سے بنی ہے اس کے ذرات کی تعداد پتہ ہے؟ کہتا ہے اور کچھ پتہ نہیں۔ Elements کی تعداد سے سمجھ سکتے ہیں کہ نور کے وہ جو روشن ذرات تھے وہ کم نہیں تھے۔

یا اھل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتٰب و یعفوا عن کثیر (المائدہ:۱۵)

"اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں، بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سے معاف فرماتے ہیں۔"

قرآن کہتا ہے کہ وہ پیارا آگیا ہے۔ اہل کتاب سے کہہ دو اس کو ظاہر کرتا ہے جو تم کتاب میں چھپاتے تھے۔ Printing Press (چھاپہ خانہ) تو گٹنگٹن نے اور Paper Industry ساتویں صدی ہجری میں عباسیہ نے Install کی (لگائی)، تو جس زمانے میں Paper بھی نہیں تھا، Printing Press بھی نہیں تھا تو یہ تورات اور انجیل بازار میں نہیں ملتی تھی۔ اکا دکا نسخہ پورے ملک میں ہے اور جس کے پاس ہے اس نے اجارہ داری میں رکھا ہوا ہے، اندر بند رکھا ہوا ہے نہ تو اس کے اندر جاسکے نہ دیکھ سکے۔

رب کہتا ہے جس نسخے کو تم نے چھپا کے رکھا ہوا ہے۔ دیواروں کے پیچھے (یبین لکم) وہ تمہیں بتاتا ہے۔

(اس عقیدے پر تف ہے کہ نبی ﷺ کو دیوار کے پیچھے کا پتا نہیں)

رب کہتا ہے جن کے پاس کتاب تھی دیوار کے پیچھے تھی، وہ پوری قوت سے چھپاتے تھے۔ رب فرماتا ہے تم چھپاتے ہو یہ بتاتا ہے، بہت سارا بتاتا ہے۔

معترض کہتا ہے سارا تو نہیں بتاتا؟

کہا سارا نہ بتانا نہ جاننے کی وجہ سے نہیں، بلکہ (یعفوا عن کثیر) بہت ساروں کو معاف کر دیتا ہے۔ جانتا باقی بھی ہے لیکن معافی کے فارمولے پر عمل کرتا ہے۔

یہ فزکس کا معاملہ تم نے بھی چھپایا ہے۔ اب تم نے کہا کہ ہر عنصر ایک نور کے ایٹم سے بنا ہے، اگر وہ نور کا ایٹم واقعی تمہارے قول کے مطابق بھی نور ہے۔ جیسا کہ فی الواقع نور ہے، تو 92 ہونے کی limitation (حد بندی) یہ کیوں ہے؟

یہ اسی وجہ سے ہے کہ مدینے والے کے عدد 92 ہیں، اس لئے وہ نور کے ایٹم 92 میں بند ہیں۔

بات ہو رہی تھی کہ نبی پاک مدینے شریف ہیں تو میں (جاؤک) والی شرط کیسے پوری کروں؟

فرمایا وہ تجھ سے دور نہیں ہیں۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

قرآن مجید فرماتا ہے:

النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم.

"نبی پاک ﷺ مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں"۔ جن کو تو دور سمجھے ہوئے ہے وہ دور نہیں وہ تیرے پاس ہیں۔

اب اس پر گفتگو کرتا ہوں کہ یہ حضور ﷺ کی زندگی کے ساتھ خاص ہے۔ اس پر ایک point اس آیت کے اندر لکھا ہوا موجود ہے کہ وہ نبی پاک ﷺ کا آخری سانس جو تھا اس کے ساتھ یہ معاملہ، یہ chapter (باب) close (بند) نہیں ہوا، نہ آج بند ہے اور نہ آئندہ کبھی بند ہوگا اور نہ ہی قیامت والے دن close ہوگا۔ یہ معاملہ سرکار دوعالم ﷺ کی زندگی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سرکار ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

قرآن فرماتا ہے: واستغفرلھم الرسول. "رسول ان کے لئے سفارشی دعا فرمائیں" اس جگہ محمد کیوں نہیں فرمایا؟ ابن عبداللہ کیوں نہیں فرمایا؟ رسول کیوں فرمایا؟

قرآن عظیم کی تفسیر کو ایک ضابطے میں لانے والے علم کو اصول تفسیر کہتے ہیں۔ تمام مکاتب فکر کے مدارس، اسلامک کالجز میں پڑھائی جانے والی کتاب جس کا نام "بیضاوی" ہے اس کی عبارت ہے۔

فان ترتب الحکم علی الوصف یشعر بعلیته له۔

"جس وقت حکم کسی شخص کی ذات پر مرتب نہ ہو، اس کے وصف پر مرتب ہو، اس وصف کو اس حکم کے لئے علت کا درجہ حاصل رہتا ہے"۔

یہاں فرمایا اس کا سفارشی رسول دعا کرے، رسول کا اصلی نام تھا، نام ذکر نہیں کیا۔ رسول تو Quality ہے، وصف ہے، وصف کو کیوں ذکر کیا؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دعا کا تعلق اس وصف کے ساتھ ہے جب تک یہ وصف زندہ رہے گا اس وقت تک نبی کا یہ Right (حق) بھی Exist (باقی) کرے گا۔ نبی کا یہ حق بھی زندہ رہے گا، جب وہ رسول ہے اس وقت تک وہ دعا مانگ سکتا ہے، جس جس کا رسول ہے اس اس کے لئے وہ دعا مانگ سکتا ہے، جس جس جگہ کا وہ رسول ہے اس اس جگہ وہ دعا مانگ سکتا ہے۔

میرا رسول ﷺ کس کس کا رسول ہے؟

و ما ارسلنک الا رحمة للعالمین (الانبیاء:۱۰۷)

منافقین مدینہ کے اعمال دیکھو، پہلی صفوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔''

اے پیارے! جس کا میں رب ہوں تو اس کا رسول ہے۔ تیری رسالت کا دائرہ وہی ہے جو میری ربوبیت کا دائرہ ہے۔ میں نے اپنے دامن ربوبیت کے ساتھ تیرے دامن رحمت کو Attach (منسلک) کر کے پھیلا دیا، جہاں تک میری ربوبیت جائے وہاں تک تیری رسالت جائے۔

قرآن فرماتا ہے:

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا (الفرقان:۱)

''بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہو''

فرمایا برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی تاکہ کیا ہو؟

لیکون للعالمین نذیرا۔

''تاکہ وہ عالمین کا نذیر ہو''۔

معلوم ہوا میرا نبی عالمین کا رسول بن کے آیا۔ میں یہ کہوں کہ نبی کریم ﷺ آج بھی دعا مانگنے کی پوزیشن میں ہیں۔

معترض کہتا ہے ثبوت لاؤ؟

میں کہوں **واستغفر لھم الرسول** رسول پر حکم مرتب کیا محمد پر نہیں کیا، جس کا مطلب یہ ہے جب تک وہ رسول ہے وہ دعا مانگتا رہے گا۔ اب بتاؤ ان دنوں رسول کون ہے؟

وہی رسول ہیں، اگر وہ آج رسول ہیں فی الواقع رسول ہیں تو آج ان کو دعا مانگنے کا پورا حق ہے۔ آج وہ مدینے شریف میں ہی نہیں بلکہ پوری کائنات میں رسول ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کل کائنات میں سرکار دو عالم ﷺ کو دعا مانگنے کا پورا حق ہے۔

اگر یہ پوچھا جائے کہ آج تو دعا مانگ رہے ہیں کل قیامت کو مانگ سکیں گے کہ نہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ قیامت میں سرکار ﷺ رسول بن کر اٹھیں گے کہ نہیں؟ رسول ہونے کی حالت میں ہوں گے کہ نہیں؟ تو جو یہ رسول ہونے کی Qualification (استعداد) ہے اگر یہ وہاں بدستور زندہ ہوگی تو اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح سرکار دو عالم ﷺ کو یہاں سفارش کرنے کا حق ہے، اسی قاعدے کے مطابق قیامت کو بھی امتی جانے کا حق رکھتا ہے اور نبی دعا مانگنے کا حق رکھتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کے میدان میں سرکار ﷺ وکالت فرمائیں گے۔

جواب: یہ نا قابل استعمال لفظ ہے، یہ کبھی استعمال نہیں ہوتا۔ سرکار ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔ شفیع کا موضوع اور ہوتا ہے اور وکیل کا موضوع اور ہوتا ہے، وکیل جب عدالت میں اپنے client (مؤکل) کی طرف سے پیش ہوتا ہے تو اس کا موضوع یہ ہوتا ہے کہ وہ charges (الزامات) کو Denoy (رد) کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ سارے جھوٹے الزام ہیں۔ اس میں کسی میں سچی جان کوئی نہیں۔ وکیل کا موضوع ہے کہ الزامات کی تردید کرنا کہ یہ الزامات جھوٹے ہیں شفیع کا موضوع یہ نہیں ہے۔

شفیع کا موضوع یہ ہے کہ مولا کریم! یہ گنہ گار ہے، مانتا ہوں اس سے گناہ ہوئے ہیں، مانتا ہوں اس سے غلطی ہوئی ہے، مانتا ہوں اس کے پلے کچھ نہیں ہے، مگر مولا کریم! میری زلف تابدار کا صدقہ اس کے گناہ معاف کر دے۔

جو زلف معنبر بکھر جائے گی
نہ جانے کدھر سے کدھر جائے گی

اب دعا کرنا کسی کے واسطے پرہیز گار ہونا شرط نہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ فرمائیں گے میں نہیں کہتا کہ اس نے گناہ نہیں کئے ہیں، لیکن کروں میں کیا؟

لجپال پریتاں نوں توڑدے نئیں
جدی باں پھڑدے فیر چھوڑ دے نئیں

مولا کریم! میری بھی یہ مجبوری ہے۔ اس نے میرا کلمہ پڑھا ہوا ہے، جب مشکل کا وقت ہو، تو نے خود میرا دروازہ بتایا ہوا ہے۔

بخدا خدا کا یہی ہے در
نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو
جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

نبی پاک ﷺ کے ذریعے سے دعا کی فلاسفی کو سمجھو!

ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ حضرت مولا مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ'' جس دعا کے اول میں حمد باری تعالیٰ بھی ہو، درود رسول پاک بھی اور آخر میں حمد باری تعالیٰ ہو اور درود رسول پاک بھی ہو، وہ دعا رد نہیں ہوتی''۔

وہ کیوں؟

اس لئے کہ (جاء و ک) والا معنی پورا ہوتا ہے۔ کہا مولا کریم! اب جب میں پرواز کر کے مدینے شریف نہیں جا سکتا، تیرا نبی میری جان سے بھی زیادہ قریب ہے، تو اب سوائے اس کے کہ میں عقیدے کے اعتبار سے رابطہ کر دوں تو بھی قریب ہے۔

ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین (الاعراف۔۵۶)

''بے شک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے''۔

اللہ کی رحمت احسان (نیکی) کرنے والوں سے زیادہ قریب ہے۔

اللہ کی رحمت ''ذاتِ مصطفیٰ'' ہے۔

اگر کوئی کہتا ہے کہ دور ہیں، تو وہ اپنا ایڈریس بتلا رہا ہے کہ میں کون ہوں؟

قرآن کہتا ہے مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اب اس کو سمجھئے کہ آج کوئی اللہ کا پیارا دیکھ کے کوئی نیک بندہ دیکھ کر اس کے پاس دعا کرانے جاتے ہیں۔ اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی Light میں فوکس کرتے ہیں۔

اس دنیا میں ہر کوئی کہتا ہے میں ٹھیک ہوں۔ زید کہتا ہے میں ٹھیک ہوں۔ بکر کہتا ہے میں ٹھیک ہوں اور مرزا قادیانی جیسا بے ایمان کہتا ہے کہ میں ٹھیک ہوں۔ دجال جیسا بے ایمان کہے گا میں ٹھیک ہوں۔ لیکن ایک ایسا مسئلہ نکال لیتے ہیں جو قیامت کا ہو اور سب کا متفق علیہ ہو۔ عالم اسلام میں اس کا کوئی منکر نہ ہو۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی کسی کو کوئی اختلاف نہ ہو۔ جو اپنے آپ کو غیر مقلد سمجھتے ہیں ان کو بھی اختلاف نہ ہو۔

بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف ص:۴۸۸ میں حدیث شریف موجود ہے:

قیامت کی گرمی میں صلاح پائے گی کہ چلو کوئی اللہ کا نیک بندہ تلاش کریں۔ جتنے حفاظ ہوں گے یہ کیوں نہ کہیں گے کہ قرآن کو کھولیں اور سیدھے چلے جائیں۔ انہوں نے کہا

کائنات کے ہر ذرے میں حقیقت محمدیہ کارفرما ہے

کہ یہ دارالعمل نہیں ہے، دارالجزاء ہے، فیصلے کا وقت ہے۔ اب پریکٹس کا ٹائم ختم ہو گیا ہے۔ دارالجزاء میں اس وقت آپ کوئی درس کیوں نہ کھولیں گے، اس وقت مصلیٰ بچھا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیوں نہیں گڑگڑانے لگ جائیں گے۔

صاحب فتح الباری شرح بخاری، امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام پر لکھتے ہیں سب کی صلاح بنے گی کہ چلو کوئی اللہ کا نیک بندہ تلاش کرو، کوئی کالج نہیں کھلے گا، کوئی یونیورسٹی نہیں کھلے گی، کوئی اس قسم کا پمفلٹ نہیں چھپے گا، میڈیا کام نہیں کرے گا، اس وقت یہ صلاح کس طرح بنے گی؟

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنی جو تیرا عقیدہ ہے دنیا میں کوئی مشکل وقت آ پڑے تو اللہ کا نیک بندہ تلاش کرو۔ وہ تیرا عقیدہ اس وقت راہنمائی مہیا کرے گا کہ دنیا میں جب کوئی مشکل کام پیش آتا رہا، کوئی خدا کا نیک بندہ تلاش کرتے رہے۔ آج بھی اسی فارمولے پر عمل کرو۔

آج یہ بحث چھڑ سکتی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ آج یہ شرک کرنے والے وہاں بھی شرک کریں۔ نہیں۔ ذمہ داری سے کہتا ہوں انسانیت کا کوئی فرد ایسا نہیں ہوگا جو اس وقت اختلاف کرے۔ کہے گا چلو اللہ کا نیک بندہ تلاش کرو۔ قیامت کی گرمی میں پوری انسانی برادری جس Point (نقطہ) پر متفق ہوگی۔ سنی وہ تیرا عقیدہ ہے۔

انہیں پتہ ہے کہ آج اگر سیدھے ادھر گئے تو بستر بندھ جائے گا۔ اس وقت ہمارے عقیدے کا سہارا، دعا، گرمی قیامت میں کام آئے گی۔

حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلے جائیں گے۔۔۔

آج کہتے ہیں کہ کافروں والی باتیں کرتے ہو کہ میرا باپ دادا، اس عقیدے کا تھا۔ اگر باپ دادا کوئی چیز نہیں، تو سب کا دادا کیوں تلاش کرتے ہو؟

معلوم ہوا باپ دادا بھی کوئی چیز ہے۔ اس کو حقیر مت سمجھو، کسی کی پشت سے پیدا ہونا معمولی رشتہ نہیں۔ جن کو یہ یقین ہو کہ میں سچ مچ اپنے باپ دادے کی اولاد میں سے ہوں وہ اپنے باپ کا نام لیتا ہے۔ جس کو پتہ ہو ایسے سیلاب کے ہاتھوں پیدا ہوا ہوں اس کو پھر بتانے میں دقت ہوتی ہے۔

جب سارے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، تو وہ یہ نہیں کہیں گے کہ تمہارا عقیدہ غلط ہے۔ معلوم ہوا خدا کا پہلا نبی پوری گرمی قیامت میں کھڑے ہو کر اس عقیدے پر مہر (Stamp) لگائے گا کہ عقیدہ ٹھیک ہے۔ نہیں تو کہے کہ او پاگلو! دنیا میں بھی شرک کرتے رہے، اب قیامت میں غیر اللہ سے مانگنے آئے ہو۔ نہیں۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں دانہ گندم کھا بیٹھا، اس کی وجہ سے ندامت محسوس کرتا ہوں۔ نبی کا مزاج ہے، ایک معمولی بات کو بڑی بات سمجھنا۔ پیار کی عادت ہے کہ اپنی خطا کو خطا سمجھتا ہے۔

فرمائیں گے:

اذھبوا الی غیری

"کسی دوسرے نبی کے پاس چلے جاؤ"۔

یعنی فارمولا ٹھیک ہے لیکن میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ بات کروں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار سے کم وبیش انبیاء ومرسلین گرمی قیامت میں ہوں گے۔ (اگرچہ حدیث میں ذکر صرف چند نبیوں کا آتا ہے لیکن محدثین نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اختصار کی غرض سے انہوں نے کم کا ذکر کیا ہے)۔

لیکن جو جو نبی کسی کو قریب پڑا سب کے پاس گئے۔ کسی ایک نبی نے نہیں کہا کہ یہ فلاسفی غلط ہے۔ معلوم ہوا یہ عقیدہ ایک لاکھ چوبیس ہزار سے کم وبیش انبیاء ومرسلین کا متفقہ عقیدہ ہے کہ کوئی مشکل وقت پڑے تو خدا کا نیک بندہ تلاش کرو۔

کس لئے تلاش کرو؟

دعا کراؤ۔

معترض کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے تو پھر دوسرے کے پاس کیوں جاتے ہو؟

و اذا سالک عبادی عنی فانی قریب۔

اب قیامت میں اللہ تعالیٰ سامنے ہوگا لیکن دوسرے کے پاس جائیں گے۔ جانے والوں میں تو (معترض) بھی ہوگا۔

آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے۔ وہ یہ نہیں کہیں گے کہ یہ عقیدہ غلط ہے، کہیں گے عقیدہ ٹھیک ہے لیکن میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ بات کروں۔

آج اگر اس کورٹ میں کوئی بات کر سکتا ہے تو وہ گھونگھریالے بالوں والا، گوڑھے نینوں والا، خدا کا لاڈلا محبوب آج بات کر سکتا ہے۔

اور انسانیت دوڑی دوڑی آئے گی۔ فرمایا کہ جو گرمی قیامت میں دعا کے جھلے کھنچے ہیں (انا لھا) اس مقصد کے لئے صرف میں ہی ہوں۔ اس مقصد کو کوئی دوسرا پورا نہیں ہو سکتا۔

اس موقع پر مختلف Stages (مدارج) ہیں کہ کس کس مقام پر دعا کریں گے، کیا پہلی دعا ہوگی؟

قرآن کریم فرماتا ہے: ایک ایسا مقام ہے جس کا نام مقام محمود ہے۔ مقام محمود پر میں کھڑا ہوں گا۔ سر سجدے میں رکھوں گا، سوال کروں گا۔ اس وقت کیا دعا مانگوں گا؟

شفاعت جس کو کہتے ہو، اس کے یہی معنی ہیں کہ رب سے دعا کروں گا، مولا کریم! ان کو بخش دے۔ یہ نہیں کہوں گا کہ مولا کریم یہ گنہگار نہیں تھا۔ یہ گنہگار ہیں لیکن گنہگار ہونے کے باوجود کہتا ہوں، نبی ہوں، رسول ہوں۔ ڈاکٹر کے پاس مریض آتا ہے، صحت مند نہیں آتا، میں ان کے دکھوں کا معالج ہوں، ان کی پریشانیوں کا سکون ہوں، ان کی مشکلات کا حل ہوں، ان کا ملجا وماویٰ ہوں، ان کا جائے پناہ ہوں، ان کا شفیع ہوں اور ان کا سہارا ہوں۔ کلمہ میرا پڑھا ہے تو پھر دعا کے لئے کس کے پاس جائیں؟ کون سا گھر ان کو بتلاؤں۔ اے مولا کریم! تو نے خود ان کو بتایا ہے:

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (النساء-۶۴)

مولا کریم! تو نے یہ گھر بتلایا ہوا ہے۔ ان کو کہا کہ گنہگار ہو جائیں تو تیرے پاس آئیں، اب یہ گنہگار ہو گئے ہیں تو اب میرے پاس آ گئے ہیں۔ اب میں کہتا ہوں تیرا یہ وعدہ ہے (واستغفر لھم الرسول) وہ جو رسول کی چٹ ساتھ لگی ہوئی ہے۔ محمد نہیں فرمایا، رسول فرمایا۔ معلوم ہوا جب تک وہ رسول ہیں اس وقت تک سرکار ﷺ کو دعا مانگنے کا حق پہنچتا ہے۔

سرکار دوعالم ﷺ سر سجدے میں رکھ کر عرض کریں گے، مولا کریم: رب ھب لی امتی۔ جس نبی کے پاس جائیں گے وہ کہے گا نفسی نفسی۔ مولا کریم مجھے معاف کر دے مجھے

قیامت والے دن حضور ﷺ وکالت نہیں، شفاعت فرمائیں گے

اس گرمی قیامت سے نجات عطا فرما لیکن نبی کریم ﷺ فرمائیں گے:

رب ھب لی امتی ۔

(اے اللہ میری امت کا معاملہ میرے سپرد کرے)

یہ دعا ہے:

پروردگار فرمائے گا: اشفع تشفع (اے محبوب! تو ان کے لئے سفارشی دعا مانگ، ان کے لئے سفارش کر اور تیری دعا قبول کی جائے گی)۔

قاعدہ یہ ہے کہ جب فعل متعدی کا مفعول مذکور نہ ہو تو اس کے فعل میں اطلاق اور عموم ہوتا ہے، یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جنت مانگ یا کیا مانگ یا کتنا مانگ۔

شفاعت، فعل متعدی (Transitive Verb) ہے اور Tranasitive Verb کا جب Object ذکر نہ کیا جائے تو اس کے Absolute Meaning (معانی) ہوتے ہیں۔

معنی یہ کہ ہماری طرف سے پابندی نہیں ہے۔

کتنا دے گا؟

ولسوف یعطیک ربک فترضی

(والضحیٰ: ۵)

''اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے''۔

اے محبوب! اتنا عطا کریں گے کہ تو راضی ہو جائے گا۔

سرکار ﷺ فرماتے ہیں: یہ فیصلہ ہو چکنے کے بعد جب پل صراط پر سے میرے امتی گزرنے لگیں گے۔ اس وقت میں اللہ کے حضور میں عرض کروں گا۔ اے مولا کریم! یہ میری امت جا رہی ہے، پروردگار ان کو پل صراط پر سے محفوظ کر کے گزار یو''۔

حضرت سیدہ خاتون جنت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام عرض کرتی ہیں: یا رسول اللہ اگر قیامت کے میدان میں ملاقات کرنی ہو تو کہاں ملاقات کروں؟ فرمایا کہ دوزخ کے کنارے پر کھڑا گرتے ہوئے امتیوں کو نکال رہا ہوں گا، اگر وہاں نہ ملوں تو میزان کے پاس کھڑا اپنی امت کے کم وزنوں کو بھاری بنا رہا ہوں گا۔ اگر وہاں نہ ملوں تو پل صراط کے کنارے پر جس نے سر سجدے میں رکھا ہوا ہوگا وہ تیرا بابا ہوگا اور رب سلم امتی، رب سلم امتی کہہ رہا ہوں گا۔ مولا کریم میری امت کو بچا۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار سے کم وبیش انبیاء ومرسلین، سر زمین مصر کے حسینوں کا شہنشاہ بھی کھڑا ہوگا، جس نے لاٹھی مار کر سمندر کو پھاڑا وہ بھی کھڑا ہوگا، جس نے نار نمرود کو گلزار بنا دیا وہ بھی کھڑا ہوگا، جس نے پوری دنیا میں اپنی کشتی تیرائی وہ بھی کھڑا ہوگا۔

اس مقام پر جو باتیں کرنے والا ہوگا، وہ ہمارا نبی ہوگا۔ رب سلم امتی ۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، سب سے مل کر کہوں گا:

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے
کہ ہے رب سلم صدائے محمد

سب سے کہوں گا او چشتیو، قادریو، سہروردیو، نقشبندی تم تو سرکار ﷺ کو مانتے تھے، ہم تو سرکار ﷺ کے عاشق تھے۔

اب سرکار فرما رہے ہیں:

رب سلم امتی

پل صراط بال سے زیادہ باریک سہی، تلوار سے زیادہ تیز سہی، لیکن سرکار فرمائیں مولا کریم ان کو بچائیو۔ اب میں کیوں ڈروں کہ میں گروں گا، کیونکہ:

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے
کہ ہے رب سلم صدائے محمد

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ میری دعا قبول ہوا کرے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا سعد بن ابی وقاص ؓ اپنا رزق پاک کر لے دعا رد نہیں ہوگی۔

یہ ایک Conclusion (نتیجہ) ہے کہ دعا قبول کرانی ہے تو رزق پاک کر لو۔ رزق حرام کھاؤ گے تو دعا قبول نہیں ہوگی۔

معترض کہتا ہے کہ بزرگوں کے پاس دعا کرنے کے لئے جانا کہاں سے ثابت ہے؟

جواب: حدیث سے ثابت ہے کہ سرکار ﷺ نے فرمایا دعا کراؤ۔ مشکوٰۃ شریف باب الیمن والشام ص ۵۸۰،۵۸۱ میں موجود ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا علی ؓ، عمر ؓ، تم دونوں آدمیوں نے اویس قرنی ؓ کے پاس جانا ہے، اس کے جسم پر سفید داغ ہے''۔

حضرت اویس قرنی ؓ کی ظاہری زندگی میں ملاقات نہیں ہوئی تو ان کے بدن کا حال ان کے گھر والوں کو معلوم نہیں، تو آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہے؟ قرن، یمن میں ہے۔

حضرت اویس قرنی ؓ قرن کے رہنے والے ہیں۔

قرن جا کر کیا کرنا ہے؟

اس سے کہنا کہ سرکار ﷺ نے فرمایا تھا ''اے اویس قرنی ؓ تم نے میری امت کی مغفرت کی دعا کرنی ہے''

کہاں حضرت فاروق اعظم ؓ، کہاں اویس قرنی ؓ!

اگر کروڑوں اویس قرنی ملیں تو حضرت عمر ؓ نہیں بنتے۔ اتنا بڑا آدمی ہے۔

اور کہاں مولا علی کرم اللہ وجہہ، کہاں اویس قرنی ؓ!

اگر کروڑ بھی اویس قرنی ؓ ملیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہیں بنتے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''تم دونوں جانا، اس سے دعا کرانا''۔

جا کے دعا کرانا ثابت ہوا۔

کہتے ہیں سرکار ﷺ کی موجودگی میں کسی کی دعا کی ضرورت ہے؟

سرکار ﷺ فرماتے ہیں، رب نے کہا ہے جو مانگتے جاؤ گے دیتا جاؤں گا۔

مگر اسی کو مدِنظر رکھ کر معترض کہے کہ حضور سے تو دعا کرانی جائز ہے اور کسی سے ناجائز ہے؟

سرکار ﷺ نے فرمایا، بے ایمانوں کا راستہ روکنے کے لئے علی تم نے بھی جانا ہے، عمر تم نے بھی جانا ہے۔ جا کے دعا کرانی ہے۔

سوال ہے کہ اتنے بڑے مرتبے والے، چھوٹے مرتبے والے سے دعا کرائیں؟

مثال: بیوی خاوند سے کوئی بات منوانا چاہتی ہے تو چھوٹے بیٹے اور بیٹی سے کہتی ہے۔ وہ کہتے ہیں ابا عید آ گئی ہے، امی کو کپڑے لے کر دیں، حالانکہ امی کے طفیل یہ بیٹا اور بیٹی ہوئے ہیں، بچوں کے طفیل اماں نہیں بنی۔ مرتبہ تو ماں کا ہی بڑا ہے لیکن بعض وقت چھوٹے پر شفقت آ کے تو بڑے کی بات مان لی جاتی ہے۔

جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ، حضرت یعقوب علیہ السلام کے کام آ گیا۔ کرتہ بیٹے کا ہے آنکھیں

کسی کی پشت سے پیدا ہونا معمولی رشتہ نہیں

پیار کی عادت ہے کہ اپنی خطا کو خطا سمجھتا ہے

باپ کی ہیں:

اذهبوا بقميصي هذا فالقوه على وجه ابي يات بصيرا (سورہ یوسف:۹۳)

''میرا یہ کرتہ لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی''۔

یہ میری قمیص لے جاؤ۔ انشاء اللہ بھی نہیں کہا، جا کر آنکھوں پر ڈالو، ابھی ابھی اکھیارے ہو جائیں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اہل اللہ کو اپنے تعلق پر بھی ناز ہوتا ہے، اپنی دعا پر بھی ناز ہوتا ہے۔

کسی کو درمیان میں رکھ کر دعا خود ہی کر لینا:

بخاری شریف جلد اول ص ۱۳۷ میں ہے:

حضرت عمرؓ بارش کی دعا مانگ رہے ہیں۔ حضرت عباسؓ کو بلایا، عرض کیا مولا کریم! تیرے نبی کے ذریعے سے دعا مانگا کرتے تھے، ان کے ہاتھ اٹھوایا کرتے تھے، آج وہ قبر میں جا چکے ہیں، تیرے نبی کے چچا سے دعا کراتے ہیں۔

اس جگہ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ یہ کسی کا بھی عقیدہ نہیں کہ حضرت عباسؓ، حضرت عمرؓ، کے برابر ہیں۔ حضرت عباسؓ صحابہ کی پانچ، چھ Catagories کے نیچے آتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ، فرنٹ لائن کے آدمی ہیں۔ پوری امت مسلمہ کے دوسرے درجے پر آدمی ہیں۔

کچھ لوگوں نے یہ سوچنے کی کوشش کی کہ سرکار ﷺ زندہ تھے تو ان کے وسیلے سے کہا اب سرکار ﷺ فوت ہو گئے۔ معلوم ہوا زندگی کی حد تک وسیلہ درست ہے

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب یہ کہا کہ اب تیرے نبی کا چچا ہے۔ اس وقت ہی نبی مراد تھا جو قبر والا تھا۔ اس سے تعلیم بھی ہے کہ اے مسلمانو! جب کوئی دعا قبول کی بحث ہو تو خاندان نبوت کا بھی کوئی بندہ درمیان میں ضرور رکھا کرو۔

حضرت عمرؓ نے یہ باور کرایا کہ درجے کی کوئی بات نہیں، خون رسول کی بات ہے۔ جس خون، خمیر، خاندان کا رسول ہے ان کے چچا ہونے کے ناطے سے ان کو درمیان میں رکھتا ہوں تا کہ قیامت تک یہ مسئلہ چلتا چلا جائے۔

حضور ﷺ سے چل کر حضرت اویس قرنیؓ تک اور پھر حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کے ذریعے سے دعا مانگ کر، مسئلہ سمجھ آ گیا کہ کسی کو درمیان میں رکھ کر دعا مانگی جائے تو نتیجہ لاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان نیک بندوں کو دنیا میں زندہ رکھے جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے کہ چالیس رجال (ابدال) ہیں جو شام کی سرزمین میں رہتے ہیں، ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارشیں نازل فرماتا ہے، ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بلیات و آفات کو دور فرماتا ہے، ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

معلوم ہوا بندگان خدا کی برکت سے انعامات الٰہیہ ہوتے ہیں۔

ایصالِ ثواب

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان (الحشر۔۱۰)

''اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے''۔

والذين امنوا واتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم وما التنهم من عملهم من شيء (الطور:۲۱)

''اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی''۔

مسلمان کوئی اچھا کام کر کے کوئی صدقات وخیرات کر کے ثواب پہنچاتے ہیں۔ یہ پہنچتا ہے کہ نہیں پہنچتا؟ شرع میں اس کا کوئی ثبوت ہے کہ نہیں ہے؟

معترض اعتراض کرتا ہے کہ ثواب نہیں پہنچتا۔ آدمی کے لئے صرف وہی کچھ ہے جو اس نے خود کیا ہو، جو اس نے خود نہیں کیا دوسرے کے کیے کا کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہ idea دے کر ایصال ثواب کا انکار کرنا شروع کر دیا۔

اس مسئلے کی وضاحت کے لئے قرآن مجید سے دو موقف پیش کرتا ہوں:

ایک بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ ہم سے پہلے گزرے ہوئے مسلمان ہمارے مقابلے میں زیادہ اچھے مسلمان تھے۔ یہ رائے رکھنا کہ میرا باپ ان پڑھ تھا، میرا چچا ان پڑھ تھا، ہمارے خاندان کے لوگ ان پڑھ تھے، اگرچہ انہوں نے کتاب نہیں پڑھی ہوئی تھی لیکن ایسے اہل اللہ لوگوں کی مجلس پائی ہوئی تھی جو لاکھوں کتابوں کے برابر تھے۔ اس لئے ان کا دین ہمارے دین کے مقابلے میں زیادہ اچھا تھا۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ: ''جس وقت تمہارے دین میں گڑ بڑ مچ جائے اس وقت تم اپنے ملک اور ملت کی بوڑھیوں کا مذہب اختیار کر لو'' یعنی پرانے لوگوں کو اسلام میں سند تسلیم کیا گیا ہے۔

قرآن مجید نے کہا کہ اہل مدینہ کی بڑی پیاری عادت ہے، وہ کہتے ہیں:

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ۔(الحشر ۔ ۱۰)

''اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے''۔

اے مولا کریم ہمیں بھی تو بخش دے اور ہم سے پہلے جو ایمان (عقیدہ صحیحہ) لے کر دنیا سے چلے گئے ہیں ان کو بھی بخش دے۔

کہنے والا کہتا ہے کہ ثواب نہیں پہنچتا۔ اس کا موقف یہ ہے کہ:

وان ليس للانسان الا ما سعىٰ (النجم۔۳۹)

''اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش''۔

انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے خود کیا ہے، اس کے سوا اس کو کچھ نہیں ملے گا۔

اب یہ جو اہل مدینہ دعا مانگ رہے ہیں، یہ میت تو دعا نہیں مانگ رہا بلکہ جو اس وقت زندہ ہیں وہ دعا مانگ رہے ہیں، اگر ان کا دعا مانگنا، ان کی مغفرت چاہنا، ان کی عاقبت کی بہتری کے لئے کوئی اقدامات کرنا، خدا کی بارگاہ میں غیر موثر ہو، جائز نہ ہو تو قرآن ان کی تائید کے بجائے مذمت کرتا۔ قرآن مجید نے ان کا ایک مدحیہ پہلو میں ذکر کیا کہ ان کی یہ عادت بڑی سلیم ہے کہ وہ گزرے ہوئے لوگوں کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور قرآن مجید نے اس مسئلے کی بڑی اچھے طریقے سے وضاحت کی:

قیامت میں اللہ تعالیٰ سامنے ہوگا لیکن نبی کے پاس جائیں گے

اپنا رزق پاک کر لے دعا رد نہیں ہو گی

والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التنھم من عملھم من شی ءٍ (الطور۔۲۱)

''اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی''۔

سورہ طور میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ صحیح العقیدہ ہیں (ایمان صحیح عقیدے کا نام ہے) ان کی اولادوں نے عقیدے میں ان کی پیروی کی ہے۔ اعمال صالحہ میں وہ ان کی پیروی نہیں کر سکے یعنی اپنے باپ دادا سے جیسے اچھے عمل تو نہیں کر سکے لیکن عقیدہ وہی رکھا جو ان کے باپ دادے کا تھا تو ہم کیا کریں گے؟

قیامت کے میدان میں صرف اس شرط کے ساتھ:

والذین امنو اواتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التنھم من عملھم من شی ءٍ (الطور : ۲۱)

''اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی''۔

ہم ان کی اولادوں کو ان کے باپوں کے ساتھ ملائیں گے۔ عقیدے میں تو انہوں نے پیروی کی عمل میں پیروی نہ کر سکے تو کس کلاس میں جائیں گے؟

جس کلاس میں ان کے باپ دادا ہوں گے اس کلاس میں ان کو لے جائیں گے۔ اس وجہ سے ان کے باپ دادے کے اعمال اچھے تھے۔ اب ان کو ان کے ساتھ ملانے کی کیا وجہ بنی؟ کہ ان کے اعمال تو ٹھیک نہیں لیکن ان کا عقیدہ ٹھیک ہے۔

لیکن جن کے ساتھ ملائیں گے ان کے ساتھ کٹوتی نہیں کریں گے، ایسا نہیں کریں گے کہ تیرے بیٹے کو تیری کلاس میں لے جا رہے ہیں، تیری بیٹی کو تیری کلاس میں لے آئے ہیں، اس لئے تیرے اعمال کا اتنا حصہ اس کو دیا ہے۔ تو تمہاری اپنی پوزیشن سے تم کو نیچے کرتے ہیں کیونکہ تمہارے اعمال کا کچھ حصہ ان کو دے دیا ہے۔ قرآن کہتا ہے یہ نہیں کریں گے اس کا Status (مرتبہ) اسی طرح بحال رہے گا، اسی درجے میں رہے گا۔ اس کی خوشنودی کے لئے اس کی اولاد کو نیچے سے اٹھا کے اس کے ساتھ ملایا جائے گا۔

اب اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی ذات پاک ان کی اولاد کے جو لوگ ہیں اگر وہ بدعقیدہ نہیں ہیں تو ان کے سچے عقیدے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے عقیدے کی سچائی کی وجہ سے ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملایا جائے گا۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی اولاد، حضرت فاروق اعظمؓ کے ساتھ ملائی جائے گی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد حضرت عثمان غنیؓ سے ملائی جائے گی۔ حضرت حیدر کرارؓ کی اولاد جناب حیدر کرارؓ سے ملائی جائے گی۔ حضرت خاتونِ جنت علیہا السلام کی اولاد حضرت خاتونِ جنت علیہا السلام کے ساتھ ملائی جائے گی۔ سید الابرار جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی اولاد، سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ ملائی جائے گی۔ یہ سورہ طور کی آیت ہے۔

اور یہ آیت:

وان لیس للانسان الا ما سعی (النجم:۳۹)

یہ سورہ والنجم کی آیت ہے۔ قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق سورہ طور پہلے آتی ہے اور سورہ النجم بعد میں آتی ہے لیکن نزول میں سورہ النجم پہلے ہے، سورہ طور بعد میں ہے اس لئے تمام مفسرین، محدثین نے اس پر بحث کی ہے کہ یہ آیت وان لیس للانسان الا ما سعی (النجم:۳۹) یہ آیت منسوخ ہے، اس آیت سے:

والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمانٍ الحقنا بھم ذریتھم وما التنھم من عملھم من شی ءٍ (الطور:۲۱)

''اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی''۔

تفسیر کا یہ بنیادی اصول ہے کہ العمل بالمنسوخ حرام (کسی منسوخ شدہ آیت اور منسوخ شدہ حدیث پر عمل کرنا حرام ہے)۔

جس طرح قرآن وحدیث پر عمل کرنا ضروری ہے اسی طرح منسوخ آیات اور منسوخ احادیث پر عمل چھوڑنا ضروری ہے۔

جب جنازہ پڑھ چکتے ہیں تو فوراً معترض کہتا ہے کہ دعا مت مانگو اس لئے کہ لیس للانسان الا ما سعی انسان کے لئے تو وہی کچھ ہے جو اس نے خود کیا ہے، چونکہ یہ دعا تم مانگ رہے ہو، میت نہیں مانگ رہا اس لئے اس دعا کا فائدہ اسے کچھ نہیں پہنچتا، لیکن اس وقت اس سے پوچھو اس وقت تم نے پڑھا کیا ہے؟ اس کا کیا نام ہے؟

معترض کہے گا: نماز جنازہ

اب نماز جنازہ میت نے پڑھی ہے یا تم نے پڑھی ہے؟

وہ کہے گا۔ میں نے پڑھی ہے، میت نے نہیں پڑھی۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ بتاؤ تم نے نماز جنازہ پڑھی ہے میت نے نہیں پڑھی۔ ساری قوم نے نماز جنازہ پڑھی ہے۔ معترض سے ہم یہ معلوم کریں گے کہ تم نے نماز جنازہ میت کے لئے فائدہ مند سمجھ کے پڑھی ہے یا بیکار سمجھ کے پڑھی ہے؟

اس کو ماننا پڑے گا کہ فائدہ مند سمجھ کے پڑھی ہے۔

کیسا بے وقوف آدمی ہے؟ منہ سے کیا کہتا ہے اور عمل کیا کرتا ہے۔ عملاً تو یہ بتلا رہا ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور زبان سے کہتا ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ انسان کے لئے وہی ہے جو کچھ اس نے خود کمایا ہو۔

اب جو اس عقیدے کا آدمی ہے اس کا باپ مر جائے تو وہ حصہ داری کے لئے کہے کہ فوتگی نامہ چڑھاؤ اور میرا حصہ دو اور میرے جیسے آدمی کو وکیل کے طور پر عدالت میں پیش کر دے۔ میں کہوں گا کہ آپ نے پرسوں جنازے میں یہ بات کہی تھی کہ لیس للانسان الا ما سعی انسان اسی چیز کا حقدار ہے جو وہ خود کمائے۔ یہ وراثت تو تمہارے ابا کی ہے، تم کس طرح حقدار بنتے ہو؟

گذشتہ مسلمانوں کو بے وقوف سمجھنا یہ خارجیوں کی عادت ہے، اہل حق کی عادت نہیں، گذشتہ مسلمان اسلام کی سند ہیں۔ آپ کے پاس بخاری شریف کے بخاری ہونے کا کیا ثبوت ہے کہ یہ وہی بخاری حدیث کی کتاب ہے؟ آپ کے پاس

ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے

قرآن مجید کے بارے میں کیا ثبوت ہے کہ یہ وہی قرآن مجید ہے؟ آپ نے قرآن مجید نازل ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟ نہیں دیکھا۔ جبریل کو قرآن لاتے ہوئے پایا ہے؟ نہیں پایا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے قرآن مجید آپ کو نہیں دیا۔ یہ کس طرح پتا چلا کہ یہ سچا قرآن مجید ہے؟

اسی طرح معلوم ہوا کہ آپ کے ابا جی نے بتلایا ہے، میرے ابا جان نے بتلایا ہے، آپ کی والدہ محترمہ نے بتلایا ہے، تو جن کے بتلانے سے قرآن، قرآن ہے۔ حدیث، حدیث ہے، وہ بے وقوف ہیں؟

کیسی انسان کی جہالت ہے؟ جھوٹے مذہبوں کی یہ علامت ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے ماں باپ کے گستاخ ہوتے ہیں۔ پہلے ہی کہتا ہے کہ میرا باپ جاہل تھا، اگر جاہل بھی ہو تو ہزار ہا سچائیاں ہیں جن کا ذکر کرنا حرام ہے۔ مثلاً جس عمل سے بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا اگر وہ ذکر کرے ماں باپ کی بے حجابی ہے، بے پردگی ہے۔ بات سچی ہے مگر اس کا ذکر کرنا حرام ہے۔ ہے سچائی، جیسا اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات بنائی ہے۔ ساری کائنات میں ادنیٰ اور ذلیل جانور بھی ہیں۔ میں تبلیغ کی غرض سے سمجھانے کی غرض سے بتلاتا ہوں مثلاً کتا ہے، اگر اس کے متعلق پوچھا جائے کہ اس کا خالق کون ہے؟ تو کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ہے، لیکن سارے ادنیٰ جانوروں کو اکٹھا کر کے کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں، اللہ ان کا خالق ہے۔ ہمارے علمائے عقائد نے، علمائے فقہ نے لکھا ہے کہ یہ کہنا حرام ہے۔ ہے سچائی لیکن ادنیٰ ذلیل جانوروں کی نسبت رب کی طرف کرنا یہ حرام ہے۔

اگر تیرا باپ ان پڑھ بھی ہے تو تجھے یہ ذکر کرنا حرام ہے، تو یہ حق نہیں رکھتا، اس لئے کہ باپ وہ شخص ہے کہ اگر اس کے ہاتھ اٹھ جائیں تو کڑکتی بجلیوں کو رب روکے، مگر اس کے ہاتھوں کو نہ روکے۔ اگر تیری ماں ان پڑھ بھی ہے تو اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے، کبھی اس کے ہاتھ اٹھ جائیں رب کبھی خالی واپس نہ کرے۔ کیسا بدنصیب انسان ہے اس کو جاہل کہتا ہے۔

یہ آیت:

وان لیس للانسان الا ما سعیٰ (والنجم:۳۹)

''نہیں انسان کے لئے مگر وہی کچھ جو اس نے خود کمایا ہے''

یہ آیت منسوخ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری کے اندر لکھا ہے۔

ھبۃ اللہ سلامۃ کی کتاب 'ناسخ ومنسوخ'' نے لکھا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔

عبدالرحمٰن دمشقی نے رسالہ ''ناسخ ومنسوخ'' میں لکھا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور بے شمار اکابرین ملت نے لکھا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور تو منسوخ آیات پیش کر کے مسلمانوں کے عقائد کو خراب کرتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری کے اندر لکھا ہے کہ یہ کراماً کاتبین ریٹائرڈ نہیں ہوتے۔ ایسا نہیں کہ بندہ جب مرجائے تو یہ پنشن پر چلے جائیں۔ اب تمہارا کوئی کام نہیں، یہ دونوں فرشتے قبر پر اسی طرح ادلا بدلا کریں گے۔ ایک سرہانے کی طرف کھڑا ہوگا، ایک پائنتی کی طرف کھڑا ہو گا۔ ایک **لا الہ الا اللہ** کا ورد کرے گا، دوسرا **الحمد للہ** کا ورد کرے گا۔ ایک **سبحان اللہ** دوسرا **لا الہ الا اللہ** کا ورد کرے گا۔ یہ تسبیحات اور تحلیل اور تحمید کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کو امام بیہقی نے سنن کبریٰ کے اندر ذکر کیا ہے۔

یہ کیوں کریں گے؟

کہ آدمی فوت ہوگیا ہے، ماں بہن فوت ہوگئی ہے۔ اب وہ کراماً کاتبین جو اس کے اعمال ریکارڈ کیا کرتے تھے، ایک تسبیح کر رہا ہے، دوسرا تحلیل کر رہا ہے۔ یہ کس لئے پڑھتے ہیں؟

اس پر امام بیہقی نے لکھا ہے جن کا سن وفات ۴۵۸ھ ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ اس میت کے نامہ اعمال میں درج ہو گا اور قیامت کے میدان میں اس کا ثواب صاحب مزار کو ملے گا۔

اب فرشتے نے جو کام کیا ہے وہ میت نے نہیں کیا، تم مسلمانوں کو کیا عقیدہ دے رہے ہو؟ وہ جو قبر پر مقرر فرشتے ہیں، وہ جو نیکی کا کام کریں گے اس کا ثواب ملے گا۔

مشکوٰۃ شریف، مسلم شریف جلد دوئم ص: ۴۱۸ میں یہ حدیث موجود ہے نبی پاک ﷺ خچر پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ کا خچر بدکا۔ قریب تھا کہ آپ ﷺ نیچے آجائیں، کافی کوشش کے ساتھ آپ ﷺ نے خچر کو کنٹرول کیا۔ اس کے بعد سرکار ﷺ نے فرمایا کہ یہ سامنے والے کھجور کے درخت کی دو ٹہنیاں توڑ کے لے آؤ۔ جب وہ ٹہنیاں توڑ کے لے آئے تو سرکار ﷺ نے ان ٹہنیوں کے دو دو ٹکڑے کیے اور ایک نامعلوم جگہ پر آکر کھڑے ہوئے، فرمایا ''یہ قبر ہے، ایک ٹہنی اس جگہ پر لگا دو اور دوسری ادھر لگا دو یہ دوسری بھی قبر ہے۔ بے نشان جگہ ہے، اس پر کوئی قبر کے نشانات نہیں تھے۔ پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ کھجوروں کی ٹہنیاں کیوں لگا دیں: فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو میت مدفون ہیں۔ ایک چغلیاں کھایا کرتا تھا، اس وجہ سے عذاب قبر ہو رہا ہے اور دوسرا پیشاب کرتے وقت کپڑوں کی حفاظت نہیں کرتا تھا، اس وجہ سے عذاب قبر ہو رہا ہے۔

اس پر یہ سوال ہے کہ خچر کیوں بدکا؟

اس پر ہمارے علماء عقائد کی ایک تحقیق ہے وہ کہتے ہیں کہ بعض غیبی علوم جانوروں کو بھی اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور اس پر تمام علمائے عقائد کا اتفاق ہے۔ اگر جانوروں کو علم غیب دے تو پھر شرک لازم نہ آئے لیکن نبی ﷺ کو رب علم غیب دے تو شرک لازم آئے، کیسا عجیب معاملہ ہے۔

اس وجہ سے خچر بدکا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس پر ایک اعتراض نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس بات کو دماغ قبول نہیں کرتا کہ اس وجہ سے بھاگا ہے، کیونکہ یہ خچر صرف بھاگا باقی جتنے بھی جانور قبرستانوں میں چرتے رہتے ہیں وہ کیوں نہیں بھاگتے؟ ان کے نہ بھاگنے کی وجہ کیا ہے؟ اس خچر کے بھاگنے کی وجہ کیا ہے؟

ان کے نہ بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم knowledege کے طور پر جانتے ہیں اور سن سن کے عادی ہوگئے ہیں، عادی ہونے کی وجہ سے وہ نہیں بھاگتے اور یہ خچر اس لئے بھاگا کہ اس پر نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے۔ سرکار کی باڈی اس کی باڈی سے لگ رہی تھی۔ اس کو پہلے پتا تھا کہ عذاب ہوتا ہے اور ہو رہا ہے، لیکن کبھی اس کو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیا کرتا آج نبی پاک ﷺ کی باڈی مبارک اس کی باڈی سے لگی، اس وجہ سے وہ حجابات اٹھ گئے۔ آج پہلی مرتبہ عذاب ہوتا آنکھوں سے نظر آیا ہے تو پہلی بات ہونے کی وجہ سے بھاگا ہے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس کا حل تلاش کیا کہ ہری ٹہنیاں لاکر کے اس کے سرہانے اور پائنتی کی طرف ٹھونکیں۔

جب ٹہنیاں سرکار ﷺ نے ٹھونکیں تو پوچھا کہ کیوں؟

سرکار ﷺ نے فرمایا جب تک یہ ہری رہیں گی، تسبیحات کہتی رہیں گی اور تسبیحات کا ثواب صاحبِ قبر کو پہنچے گا۔

واہ محبوبِ کبریا! آپ نے مسئلے کو مبہم نہیں چھوڑا۔

اب تسبیحات کہنا ٹہنیوں کا اور اس کا میت کے نامہ اعمال میں درج ہونا۔

ثابت ہوا کہ زید کے عمل کا بکر کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

اس پر معترض نے یہ بات نکالی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا معجزہ ہے کہ وہ ٹہنیاں تسبیح کہیں گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سرکار ﷺ کا معجزہ ہوتا تو پھر ہمیشہ ہی تسبیح کہتی رہتیں۔ ان ٹہنیوں کے ہرا ہونے کی مدت جو سرکار ﷺ نے فرمائی۔ معلوم ہوا جو ٹہنیوں کی فطرت میں کام ہے وہ کریں گی اور فطرتاً ایک کے اعمال کا دوسرے کو فائدہ پہنچے گا۔

اسلام میں سب سے پہلی بدعت کون سی ہے؟

سب سے پہلا بدعتی کون ہے؟

حضرت ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ) نے "شرح فقہ اکبر" میں لکھا ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ؓ نے (فقہ اکبر) ایک رسالہ لکھا عقیدے کی کتاب ہے۔ اس کی شرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ ہروی، یہ ہرات کے رہنے والے تھے۔ مکہ شریف میں تیس برس تک یہ حنفیوں کے مصلے کے امام رہے۔ ان کے شاگرد شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۵۲ھ) پورے ہندوستان میں پہلے عالم جنہوں نے علم حدیث پہنچایا۔ انہوں نے سب سے پہلے عقیدے پر جو کتاب لکھی اس کا نام "تکمیل الایمان" ہے۔

سنیت جو دل میں آئی ہے یہ ولیوں نے پہنچائی ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے پہنچائی ہے، سید قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے پہنچائی ہے اور جو سنیت کاغذ پر لکھی ہوئی ہے وہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔

ان کے استاد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "شرح فقہ اکبر" میں ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی بدعت کون سی ہے؟ سب سے پہلا بدعتی کون ہے؟

آج سنیوں کو لوگ بدعتی کہتے ہیں۔

(الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے)۔

دعا مانگتا ہے۔۔۔۔۔ بدعتی ہے۔

ثواب پہنچاتا ہے۔۔۔۔۔ بدعتی ہے۔

یارسول اللہ کہتا ہے۔۔۔۔۔ بدعتی ہے۔

میلاد شریف مناتا ہے۔۔۔۔۔ بدعتی ہے۔

جمعرات کرتا ہے۔۔۔۔۔ بدعتی ہے۔

گیارہویں مناتا ہے۔۔۔۔۔ بدعتی ہے۔

یہ سب بدعتیں سنی کے ذمے لیکن ہمارے پاس اسلام کا جو ریکارڈ ہے جس کی بنیاد پر ہم کسی کو غلط یا صحیح کہہ سکتے ہیں۔ یہ اس ریکارڈ کی کتاب ہے جس کا نام "شرح فقہ اکبر" ہے۔ اس کے اندر لکھا ہے کہ سب سے پہلے بدعتی معتزلے ہیں۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے فوراً بعد ہوئے ہیں۔

اور سب سے پہلی بدعت کون سی ہے؟

جی ثواب نہیں پہنچتا۔

معلوم ہوا بدعتی وہ ہے جو کہتا ہے کہ ثواب نہیں پہنچتا۔

ثواب سرکار ﷺ پہنچاتے رہے۔ ثواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہنچاتے رہے، اہلِ دل پہنچاتے رہے۔ جو بات نئی ہوتی ہے وہ بدعت ہوتی ہے۔ ہمارے باپ دادا بزرگ سب ثواب پہنچاتے تھے۔ ثواب منع کرنے والے بعد میں آئے ہیں۔ بدعت کون سی بات ہوگی؟

نئی بات کا نام بدعت ہے۔

ثواب کا پہنچانا یہ پرانی بات ہے۔

ثواب کو روکنا یہ بدعت ہے۔

سب سے پہلا بدعتی معتزلہ ہے اور سب سے پہلی بدعت ثواب سے روکنا ہے۔

جس وقت احد کی جنگ میں 70 صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادت عمل میں آگئی تو اس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ نے کئی کئی شہداء کو ایک ایک قبر میں دفن فرمایا، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ ہدایت جاری فرمائی کہ جس کو قرآن مجید زیادہ یاد ہے، اس کو قبلے کی طرف آگے کر کے دفن کرو۔

اس سے ایک تو یہ عقیدہ واضح ہوگیا کہ موت زندگی کے انقلاب کا نام ہے، وعدہ کا نام نہیں ہے۔ زندگی ایک موڑ مڑ جاتی ہے۔ اگر مرنے کے ساتھ قدریں ختم ہو جاتی ہوتیں تو نبی کریم ﷺ یہ کبھی نہ فرماتے۔ اس کو قرآن مجید زندگی میں زیادہ یاد تھا اگر یاد تھا تو زندگی میں یاد تھا اب تو یاد نہیں ہے، مگر سرکار ﷺ نے یہ باور کرایا کہ جو زندگی میں محترم ہیں ہمارے ہاں جب زندگی موت کا موڑ مڑ جائے تو بے احترامی میں نہیں بدلتی۔ جو احترام زندگی میں تھا اب وہ زیادہ establish ہوگیا ہے۔ اب اس کی قیمت بڑھ گئی ہے۔

ایک دن میں اس پر سوچنے لگ گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ لوگ زندہ اولیاء اللہ کے پاس کم آتے ہیں جو دنیا سے چلے گئے ہیں ان کے مزارات پر زیادہ آتے ہیں۔ اس کا ایک باعث یہ ہے۔ آپ میری اس سوچ سے اتفاق کریں گے کہ نہیں لیکن میں اپنی سوچ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

جب اس موقع پر میں پہنچا کہ

الذی بر کنا حولہ (بنی اسرائیل ۔ ۱)

"جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں"۔

وہ مسجد اقصیٰ تھی کہ جس کے گرداگرد کو ہم نے اپنی برکتوں سے مالا مال فرما رکھا ہے۔

قرینہ گفتگو یہ ہے کہ مسجد کے گرداگرد مسجد کی وجہ سے برکت ہو لیکن یہ کیا اچنبھے کی بات ہے کہ مسجد، مسجد ہو کر اس کے لئے اس کا گرداگرد باعث برکت ہے۔ ضابطہ یہ چاہتا ہے کہ مسجد کا اندرونی حصہ برکت والا ہو تو اس ضابطے کا انکشاف چاہئے کہ جس کے تحت بیت المقدس کا بیرونی حصہ برکت والا ہے، اس کے متعلق محققین کی تحقیق یہ ہے کہ حضرات انبیاء مرسلین علیہم السلام کے گرداگرد مزارات ہیں۔

رب نے یہ بتلانا چاہا کہ ساری مسجدوں کا اندرونی حصہ برکت والا ہے، بجا طور پر اس مسجد کا بھی اندرونی حصہ برکت والا ہے لیکن وہ چیز جو اس کے لئے باعث برکت ہے وہ گرداگرد۔

گرداگرد میں کیا رکھا ہے؟

کہا میرے دوست کے مزارات ہیں؟

یاری بھی کوئی چیز ہے۔ محبت کا ایک مزاج ہے، محبت اپنے ڈیرے کے مقابلے میں یار کے ڈیرے سے زیادہ انس محسوس کرتی ہے۔ خواہ اس کو آپ تسلیم کریں نہ کریں۔ عالمی سطح رحمت نے یہ منوا کے چھوڑا ہے کہ اپنے ڈیرے کے مقابلے میں یار کے ڈیرے سے لگاؤ زیادہ ہوتا ہے۔

کسی کو درمیان میں رکھ کر دعا مانگی جائے تو نتیجہ لاتی ہے

بندگان خدا کی برکت سے انعامات الٰھیہ ھوتے ھیں

مثلاً: کعبۃ اللہ تعمیر ہو چکا تو کعبۃ اللہ تعمیر ہو چکنے کے بعد سیاق وسباق تو یہ تھا کہ اب کہا جائے نماز پڑھو اور کعبے شریف میں پڑھو۔ یہ کیوں فرمایا؟:

واتخذو ا من مقام ابر اھیم مصلی

(البقرہ ۱۲۵)

''اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ''۔

یعنی جس جگہ ابراہیم علیہ السلام کھڑے رہے اس کو جائے نماز بناؤ۔

مولا کریم! کعبہ شریف جائے نماز کے لئے بنا ہے۔ کعبہ شریف کو نماز کی جگہ بنانے کی بجائے مقام ابراہیم کو کیوں جائے نماز بنایا جائے؟

اگر اس کے حاصل معنیٰ لئے جائیں تو یہ معنیٰ بن جائیں گے کہ جس جگہ میرے یار نے پاؤں لگا کر دکھلائے وہاں سر لگا کر دکھلاؤ۔ یہ استدلال کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ اس جگہ سر لگائیں؟ اس کو اقتضاء النص کہتے ہیں۔ جب پروردگار نے فرمایا کہ اس جگہ کو جائے نماز بناؤ تو جائے نماز اس کو بنائے گا تو سجدے کے لئے سر کہاں لے جائے گا۔ معلوم ہوا کہ جس جگہ کھڑے ہو کے اس نے نماز پڑھنی ہے، سر بھی اسی جگہ لگانا ہے۔ عبارت سے ثابت ہوا کہ نماز پڑھو اور اقتضاء سے ثابت ہوا سر لگاؤ۔

مولا کریم! قرینہ (context) تو یہ چاہتا ہے کہ کعبہ کو جائے نماز بنایا جائے۔ اضافت تشریفی کے طور پر وہ تیرا گھر ہے۔ فرمایا جانتے نہیں ہو کہ محبت کا مزاج کیا ہے وہ میرا ڈیرہ ہے، یہ میرے یار کا ڈیرہ ہے۔

واقعات کی دنیا میں اللہ تعالیٰ زمان ومکان سے پاک ہے۔ رب کی نگاہیں جب دیکھتی ہے تو یار کا ڈیرہ زیادہ اچھا لگا کرتا ہے۔ میں یہ سوچ کرتے کرتے اس کے پیچھے پڑ گیا کہ یہ قبروں کو کیوں اتنی عزت فرمائی ہے۔

سوچتے سوچتے اس منزل پر آ نکلا کہ بلعم با عو را کا قصہ قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔ ولی تھا صاحب کرامت، صاحب کشف تھا۔ اس کی کرامات دنیا نے دیکھی تھیں، لیکن مرنے سے پہلے پھسلا، جہنم کا ایندھن بنا۔ اس کا مطلب یہ کہ نبوت cancelable (قابل تنسیخ) نہیں ہے۔ ولایت cancel (منسوخ) ہو سکتی ہے۔ شیخ سمعان کی ولایت کینسل ہوئی بعد میں حضرت والئی بغداد ؓ نے بحال فرمائی لیکن پہلے کینسل کی مثال ہے۔ ولایت آ بھی سکتی ہے، ولایت جا بھی سکتی ہے۔ مطلب یہ نکلا کہ زندگی میں کینسل ہو سکتی ہے، موت تک اگر وہ نبھا کے دکھلائے۔

لے سجناں میں توڑ نبھایاں جان دتی راہ تیرے

اب جو میری امانت تھی میں نے قبر تک پہنچا دی ہے۔ قبر میں پہنچنے کے بعد اب ولایت کینسل نہیں ہو سکتی۔ زندگی میں کوئی پھسل کے ولایت بھی کھو سکتا ہے مگر مر جائے تو اب اس کی زندگی insured ہو گئی ہے۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی ایسے کنارے پر پہنچ گئی ہے۔ اب لوگوں نے قبر کی طرف دھیان اس لئے دیا کہ زندہ ممکن ہے پھسل جائے، مرنے کا انتظار کر جاؤ۔ جب مر جائے تو پھسلنے کا چانس بھی نہیں رہے گا۔

میری سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ یہ قبروں میں جا چکے ہیں ان کی زندگیاں insured ہو چکی ہے۔ ان کی ولایت کی انشورنس ہو چکی ہے۔ اب یہ damage نہیں ہو سکتی۔ اب ہو تو ترقی ہو سکتی ہے۔

مرنے کے بعد ترقی ہو سکتی ہے؟

جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد میں پردے کے بغیر جایا کرتی تھی۔ اباجی جناب صدیق اکبر ؓ کا انتقال ہو گیا تو میں بغیر پردے کے جایا کرتی تھی۔ جس وقت جناب حضرت فاروق اعظم ؓ کا انتقال ہو گیا تو میں آپ ﷺ کے روضہ اطہر پر پردہ کر کے جایا کرتی تھی۔ کیوں پردہ کر کے جایا کرتی تھیں؟ حیا من عمر ؓ (حضرت عمر ؓ سے حیا کرتی ہوں) (مشکوٰۃ ص ۱۵۴)۔

اگر مردہ دیکھتا نہیں ہے تو حیا کس بات کی ہوئی؟

اس مقام پر حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی مر جائے، شیخ کامل ہو تو جو منزلیں رہ گئی ہوئی ہیں مرنے کے بعد وہ بھی طے ہو سکتی ہے۔

اور حدیث کی شہادت اس پر یوں ہو گی:

اذا مات الا نسان انقطع عنہ ، عملہ، الا من ثلاثہ الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او صالح ید عولہ

(مسلم شریف جلد سوئم ص: ۴۱)

''جب کوئی انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے مگر تین (اعمال) کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے، ایک صدقہ جاریہ دوسرے علم نافع اور تیسرے نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے''۔

جب کوئی آدمی دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کے نامہ اعمال کا full.stop لگ جاتا ہے، اس کے بعد پھر وہ آگے پیچھے نہیں ہوتا، لیکن فرمایا تین صورتوں میں وہ جاری رہتا ہے۔

۱۔ صدقہ جاریہ: مثلاً ایک مسجد کے لئے کسی نے جگہ دی، اینٹیں فراہم کیں، مسجد کے لئے کام کیا تھا۔ اب اگر وہ دنیا سے جا چکے ہیں تو آپ روزانہ جتنی نمازیں اس مسجد میں پڑھتے ہیں، نماز پڑھنے والے کو پورا ثواب دینے کے بعد ان سب نمازیوں کے برابر اس اکیلے آدمی کو پورا پورا ثواب جا رہا ہے۔ اب اس کو ترقی ہوئی۔

۲۔ علم نافع: اسی طریقے سے اگر علم نافع (نفع پہنچانے والا علم) چھوڑ گیا۔ مثلاً میں نے چوراسی ممالک میں جا کر حضرت والئی بغداد شہنشاہ جیلان کے مشن کا پیغام پہنچایا ہے مختلف علماء کو دینی علوم پڑھائے ہیں جب میں مر جاؤں گا تو یہ میرے ساتھی شاگرد دین کا کام کریں گے یہ پڑھائیں گے، تو ظاہر ہے کہ ان پڑھانے والوں کو ثواب اگر ملے تو مجھ اکیلے کو ان پڑھنے پڑھانے والوں کا ثواب الگ ملے گا۔ تو جو کام میری زندگی میں رہ گئے تو وہ قبر میں چلے کر طے ہوتے رہیں گے۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مرنے والے کا مرنے کے بعد زوال ممکن نہیں رہا، کمال ممکن ہے، اس لئے مسلمانوں نے آج تک کوشش کی ہے کہ اگر کوئی ولی آج زندہ ہے تو دو چار دن کے بعد ملاقات کر لیں گے۔ اب اس کی قبر پر ہو کر آتے ہیں۔ اب کمال ہی کمال ہے، زوال کا کوئی چانس نہیں۔

۳۔ نیک اولاد: اولاد جو نیک کام کرے گی ان کا ثواب اس کے والدین کو بھی ملے گا اور نیک اولاد والدین کے لئے دعا کرے گی، تو اولاد کی دعا کے باعث والدین کے اعمال میں بڑھوتی ہوتی رہے گی۔

☆☆☆

پرانے لوگوں کو اسلام میں سند تسلیم کیا گیا ہے

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں

حافظ شیخ محمد قاسم

سید فرحت عباس مرحوم کی ڈائری میرے ہاتھ لگ گئی۔ یہ یکم فروری 1985ء کی بات ہے، آپ لکھتے ہیں کہ رحیم یار خان جاتے ہوئے شاہ جی جنگل میں کچھ دیر کے لئے رک گئے۔ میں اصحاب کہف کی سنت نبھانے کچھ کھانے پینے کی اشیاء لینے بازار کی طرف نکل گیا، واپسی ہوئی تو شاہ جی کے پاس میلہ لگا ہوا تھا اور آپ نے دیہاتی لوگوں کو اپنے پاس بٹھا کر درس قرآن دینا شروع کر رکھا تھا، پوری باتیں تو میں سن نہ سکا البتہ ایک زریں قول میری لوحِ قلب پر مرتسم ہو گیا اور یادوں کی کتاب میں اب محفوظ کرنے کی توفیق بھی ہو گئی۔

شاہ جی نے فرمایا:

''جنونِ محبت میں کردار کو مضبوط اور مستحکم رکھنا ہمت آور لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے''۔

فرحت شاہ جی نے 1984ء کی یادوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ تلہ گنگ سے قریب میال گاؤں میں 13۔ فروری کو جاوید اختر، ملک انور اور ممریز خان ایسے نوجوانوں کو بے گناہ قتل کر دیا گیا۔ 14۔ فروری 1984ء کو شاہ جی ہمارے گاؤں تشریف لائے۔ گاؤں صدموں کی سرخی میں ڈوبا ہوا تھا، شاہ جی مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ گاؤں کے پیر و جواں آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ اس موقع پر شاہ جی نے سوگوار لوگوں سے بڑی خوبصورت گفتگو فرمائی اور ایک نفیس قول ارشاد فرمایا جو بعد ازاں میں نے اپنے کالج کے پرنسپل عزیز زیدی کو سنایا تو آپ نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ شخص صرف عالم نہیں قوم کا درد رکھنے والا مفکر ہے''۔ لو آپ بھی مستفید ہوں شاہ جی نے کیا فرمایا:

کسی قوم میں جس وقت قتل، جھوٹ، فحاشی اور بددیانتی عام ہو جائے، اس کا وجود شل ہو جاتا ہے۔ سرطان کی طرح کھا جانے والے یہ امراض قوموں کو اندر سے چاٹ لیتے ہیں۔ مقتول اور قاتل میں اصل شکست قاتل کی ہوتی ہے۔ قاتل ایسے منحوس لوگوں سے قیامت کے دن ماں، باپ اور قریبی رشتہ دار سب پناہ مانگیں گے۔

سید فرحت عباس شاہ نے یہ انکشاف بھی کیا کہ انہوں نے شاہ جی کی پرخلوص دعوت پر 10۔ اپریل 1984ء کو لالہ جی قدس سرہ العزیز کے مبارک ہاتھوں پر شرف بیعت حاصل کیا۔ آپ لکھتے ہیں کہ ہوا کے لطیف جھونکے دھان کی فصل کی سنہری زلفوں کو گدگدا رہے تھے۔ شاہ جی اور لالہ جی قدس سرہ العزیز ایک پتھر کے اوپر تشریف فرما ہوئے اور میں بزرگوں کی باتوں سے مستفیض ہونے لگا، لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''شاہ جی آپ ہر ہفتہ پنڈی سے اوگی سفر کر کے آتے ہو تکلیف نہ کیا کرو، فائدہ دینے والا اللہ ہے وہ کریم وہاں بھی آپ کو نواز دے گا''۔

شاہ جی فرمانے لگے:

''محبت ایسی چیز ہے جو نہ تھکتی ہے اور نہ سیر ہوتی ہے۔ محبت کرنے والے کے نزدیک محبوب سب کچھ ہوتا ہے۔ اسے نفع یا نقصان کی پرواہ نہیں ہوتی محبّ اور عاشق اپنی بے تابیوں کو سکون دینے کے لئے محبوب سے توجہ کی بھیک مانگتا رہتا ہے۔ محبوب اور مراد کی ایک نظر عاشق کی زندگی کا سرمایہ ہوتا ہے''۔

فرحت شاہ جی اپنی ڈائری میں شاہ جی مدظلہ العالی کے ادبی ذوق کی بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں مسجد المینار ٹینچ بھاٹہ میں ظہر کی نماز پڑھنے بروقت نہ جا سکا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اسی شام دورہ تفسیر کی کلاس میں بھی تاخیر ہو گئی۔ عشاء کی نماز کے بعد شاہ جی نے ایک جلسہ میں شرکت کرنی تھی اور مجھے نعلین برداری کا شرف حاصل ہونا تھا لیکن کچھ دیر ہو گئی۔ ڈرا، سہما جو پہنچا تو شاہ جی نے اپنی ناراضگی کے لئے منیر نیازی کا معروف کلام ساعت سیار بڑی برجستگی سے سنایا۔ میں سمجھ گیا منیر نیازی کا کلام سنانا مقصود نہیں میری سرزنش مطلوب ہے۔

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں
ضروری بات کہنی ہو کوئی وعدہ نبھانا ہو
اسے آواز دینی ہو اسے واپس بلانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
مدد کرنی ہو اس کی، یا اس کی ڈھارس بندھانا ہو
بہت دیرینہ رستوں پر کسی سے ملنے جانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
بدلتے موسموں کی سیر میں دل کو لگانا ہو
کسی کو یاد رکھنا ہو کسی کو بھول جانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
کسی کو موت سے پہلے کسی غم سے بچانا ہو
حقیقت اور تھی کچھ اس کو جا کے یہ بتانا ہو

یہ شخص صرف عالم نہیں قوم کا درد رکھنے والا مفکر ہے

اللہ نے جو کچھ تمھیں عطا کیا ھے اس پر قناعت سیکھو

ہمیشہ دیر کردیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں

شاہ جی کی خندہ روئی اوران کی نفاست مزاجی میرے لئے ناصح بن گئی اوراس کے بعد ہر کام وقت پر کرنے کا میں عادی ہوگیا۔شاہ جی کی تقریریں جتنی علمی ہوتی ہیں، خلوت کی محفلوں میں آپ کی باتیں، بیانات اورتقریروں سے کہیں بڑھ کرحکیمانہ ہوتی ہیں۔آپ مسکراتے مسکراتے بعض غضب کے جملے زبان سے ادا کردیتے ہیں پچھلے دنوں آپ نے فرمایا:

”زندگی ایک قطرے سے نمودار ہوتی ہے، ایک نکتہ بن کر ابھرتی ہے، پھر بے ثباتی کے چند دائروں سے گزر کر ایک ضعیف سا نکتہ ہوکر رہ جاتی ہے، جو دیکھتے دیکھتے دب جاتا ہے۔ جو رب پہلی بار زندگی سے نوازدیتا ہے اس کے لئے دوبارہ زندگی سے نوازدینا کوئی مشکل نہیں“۔

سید فرحت عباس لکھتے ہیں کہ میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔میرے والد گرامی نے فرمایا ہماری مسجد المینار میں بڑے پڑھے لکھے خطیب آئے ہیں، بیٹا بروقت مسجد میں جایا کرواوران کی باتیں سنا کرو۔ مجھے کب یہ خبر تھی کہ شاہ جی لپیٹ ہی لیں گے۔ جمعہ والے دن شاہ جی کی موجودگی میں نعت شریف پڑھنے کا اعزاز حاصل ہوا لیکن طبیعت سوگوار حیرت میں ڈوب گئی کہ شاہ جی نے نظر اٹھا کر نہ توجہ سے نوازا اور نہ ہی رواج کے مطابق داد تحسین سے حوصلہ افزائی کی۔ میری تو ہلکی سی یہ خواہش بھی تھی کہ شاہ جی کچھ پیسے ویسے مجھے لگاتے۔اللہ اللہ جمعے کے بعد میری گھر واپسی ہوئی تو اماں محترمہ نے پوچھا مولوی صاحب کی تقریر کیسی لگی؟ میں نے اماں محترمہ سے کہا مولوی صاحب اچھے آدمی ہیں لیکن تین باتیں بڑی کھٹکی ہیں۔

پہلی بات یہ کہ وہ مسکراتے بالکل بھی نہیں۔

دوسری بات یہ کہ نعت کے دوران پیسوں ویسوں سے نوازتے نہیں۔

اورتیسری بات یہ کہ تقریر میں وہ شعر بالکل بھی نہیں پڑھتے۔

اگلے جمعہ کو شاہ جی نے تقریر کے بعد دورہ تفسیر پڑھانے کا اعلان کیا تو میں بھی طلبہ میں شامل ہوگیا۔ پہلے درس ہی میں شاہ جی نے میرے دل کی چبھن دور فرمادی اور فارسی کا یہ شعر پڑھا جو میرا تو کم از کم مسلک حیات ہوگیا۔

من بندۂ آزادم عشق است امام من
عشق است امام من ، عقل است غلام من

شاہ جی کی تدریس کا راز کھلا کہ مسکراہٹوں کی دھنک بھی ہوتی ہے اور پاکیزگی اور فکری صلابت میں آسمان کی طرح شاگردوں پر سائبان بن کر چھا جاتی ہے اور یہ بھی رازدروں آشکار ہوگیا کہ میری طرح سینکڑوں لوگوں کی رگوں میں دوڑنے والا غیرت کا خون بفضلہٖ تعالیٰ شاہ جی کی عطاؤں کا ثمر ہوتا ہے۔

شاہ جی کی خطابت، تدریس اور وعظ ونصیحت کا تنوع عرض کرتا چلوں کہ مسجد کھچا کھچ بھری ہے، آپ تشریف لاتے ہیں لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم نعت سنو میں ابھی آرہا ہوں۔ ڈنڈا پکڑا اور بازار میں نکل گئے۔دکانیں بند کروا رہے ہیں اور فرمارہے ہیں، میں جناب آپ کے لئے مسجد کا خطیب لگا ہوں، آپ آؤ گے تو میں جمعہ پڑھاؤں گا۔ دیکھتے دیکھتے مسجد نماز ادا کرنے والوں سے بھر گئی۔ عملی نوعیت کا یہ منفرد خطیب جوانوں، بچوں اور بوڑھوں سب کے دل میں یکساں اتر گیا۔شاہ جی جنازے پڑھاتے ہیں تو میتوں کو قبر میں بھی خود اتارتے ہیں۔ اب تو چند سال ہوئے شاہ جی خطیب نہیں بستی کے شہریار بن گئے ہیں۔

شاہ جی کی نظر میں رہنے والے طلبہ کو اس بات سے پوری طرح آگاہی حاصل ہے کہ بچوں کی زندگی کے مخفی سے مخفی گوشے بھی شاہ جی پر روز روشن کی طرح عیاں ہوتے ہیں۔سید فرحت عباس شاہ سے ایک مرتبہ میں نے پوچھا کیا آپ کو کبھی تجربہ ہوا ہے کہ شاہ جی سے آپ کچھ چھپانا چاہتے ہوں اور شاہ جی اسے جانتے ہوں ۔فرحت عباس شاہ جی فرمانے لگے: ”ایک مرتبہ میں نے پان کھایا اور گھر آکر خوب کلی کی، پھر امرود کھائے اور نماز پڑھنے مسجد گیا“۔شاہ جی سے ہاتھ ملایا تو ساتھ ہی آپ فرمانے لگے: ”پان کھانا تھا تو میرے لئے بھی لے آتے۔ استاد اور شاگرد ہم زبان اور ہم ذائقہ ہوکر پڑھتے پڑھاتے“۔اگلے روز ہی گاؤں سے میرا ایک پھوپھی زاد آیا اور محبت کے تبادلے میں اس کی سویٹر میں نے پہن لی اور میرا کوٹ اس نے پہن لیا۔شاہ جی سے جو ملے تو آپ نے فرمایا لباس بدلنا کوئی محبت نہیں، محبت کے حقیقی مظاہر تک رسائی حاصل کرو، میرے پاس اسلم چشتی کھڑے تھے۔(اب اسلم چشتی فوج میں اعلیٰ منصب پر فائز ہیں) شاہ جی نے انہیں فرمایا: ”تم آج مسجد میں آئے ہو اور جوتے اپنے نہیں تھے جس کے تھے اس کو واپس کردو اور ساتھ ہی فرمایا اللہ نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اس پر قناعت سیکھو“ الغرض شاہ جی نے سینکڑوں لوگوں کو قرآن، حدیث اورفقہ کی تعلیم دی ہر ایک کی ایک کہانی ہے۔ہم سب لڑکوں نے ایک دن شاہ جی سے عرض کی کہ ایران کے ایک بادشاہ جمشید کے پاس ایسا جام ہوا کرتا تھا جس کے ذریعے آنے والے دور کی خبریں بادشاہ وقت سے پہلے پڑھ لیتا تھا۔ غالب نے اسی کے بارے میں کہا تھا، جامِ ”جم“ سے میرا جام سفال اچھا ہے۔شاہ جی نے کہا ہاں میرے پاس جام جمشید ہے لیکن شاہ جی یہ کہہ کر اشارہ اپنے پیرومرشد اور مربی و معلم حضرت لالہ جی جمشید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف فرمارہے تھے اور ساتھ ہی عبدالحمید عدم کا شعر پڑھا۔

ہم خاکپائے ابن علی ہم شریف لوگ
کچھ نہ ہوں تو پھر بھی خدا کی زبان ہیں ہم

شاہ جی نے ارتجالاً قرآن کے فضائل پر گفتگو کی اور تو مجھے کچھ یاد نہیں بس لفظوں کی صدائے بازگشت ہے آپ نے فرمایا:

”قرآن کتابِ حکمت ہے اس کا نزول حضور انور ﷺ کے قلب منیر پر ہوا۔اس میں ہر چیز کا علم ہے۔جامِ جم افسانہ ہے جبکہ قرآن علم ہے اور حقیقت۔ ایسی حقیقت جس کا حرف حرف آئینہ حق نما ہے۔اس کے بطن سے ہزاروں علوم کے چشمے پھوٹتے ہیں“۔

کشف واکتشاف، حق واحتقاق، نور وایثار اور ایتا واعطا اوراثر وایثار سب خوبیوں کے جھرنے اسی کتاب کی آیتوں سے پھوٹتے ہیں۔شاہ جی پھر گویا ہوئے:

”عزیز طلبہ! میرے پاس غیب کا علم نہیں آثار کا علم ہے مثلاً فرحت شاہ جی کے کرتے پر پان خوری کا اثر سرخ داغ کی صورت میں دیکھا تو کہہ دیا پان کھانا تھا تو میرے لئے بھی لے آتے۔سویٹر اور کوٹ کا معاملہ بھی یہی ہے۔ جب ایک طرف کی خبر صادق نظر آئی تو دوسری طرف کی خود بخود سمجھ آگئی۔اسلم کے پاؤں میں جوتے جب چھوٹے نظر آئے تو خود بخود ہی سمجھ

شاہ جی کی خندہ روئی اوران کی نفاست مزاجی میرے لئے ناصح بن گئی

آ گئی کہ کسی کے پہنے ہوئے ہیں''۔

شاہ جی کی عبقریت، ذہانت اور فطانت دیکھ کر لگتا ہے کسی نے انہی کی زبان بن کر یہ شعر کہا ہے:

خیال و فکر کی سچائیاں بھی شامل ہیں
میرے لہو میں میرے شجرۂ نسب کی طرح

سید فرحت عباس 14۔ مارچ 1985ء کی ڈائری میں قلم بند فرماتے ہیں:

آج سینٹ کا الیکشن ہو رہا ہے۔ ہمارے شاہ جی امیدوار ہیں۔ ابھی نواز شریف شاہ جی کے پاس کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں مفتی محمد خان قادری اور آپ فیصلہ کر لیتے اور کوئی ایک ہی آدمی الیکشن لڑتا تو مسلم لیگ مدد کر سکتی تھی۔ راولپنڈی کے صوبائی اسمبلی کے رکن محمد مشتاق جو پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے لیکن اعلانیہ شاہ جی کو ووٹ دیا اور کہا کہ یہ میری اخروی نجات کا سرمایہ ہے۔ ابھی عابدہ بیگم شاہ جی کے پاس آئی ہیں اور کہہ رہی ہیں مجھے پہلے پتہ نہیں چل سکا آپ کا تعلق سادات خاندان کے ساتھ ہے ہم آپ سے کوئی نہ کوئی مدد کی صورت بنائیں گے۔ کسی آستانے کے پیر ہیں غالباً نام سعید رئیس ہے، شاہ جی کے پاؤں پر ہاتھ رکھ کر فرما رہے ہیں کہ ہم سیّدوں کے غلام ہیں لیکن ووٹ گورنر جیلانی کے کہنے پر دیں گے۔ عابدہ بیگم برہم ہو گئیں اور کہا کہ کیا کربلا کے بعد بھی سیّد دھوکہ کھا جائیں گے۔ ظفر علی راجہ اور راجہ آصف علی خان رات دن شاہ جی کے ساتھ ایک کئے ہوئے ہیں۔

15۔ مارچ 1985ء کو شاہ جی کی شکست کا سرکاری اعلان ہو گیا لیکن شاہ جی نے حسب معمول داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی اور لاہور سے پنڈی جی روانہ ہو گئے اور راستے میں اپنی شکست پر صرف اتنا تبصرہ کیا:

''ہر نئے موسم میں نظام مصطفےٰ کے لئے کوشش کے چٹکتے شگوفوں کو حضور ﷺ سے وصل کا استعارہ سمجھتا ہوں۔ حیات موت سب اللہ کے لئے ہے کامیابیوں کی خوشی اور ناکامیوں کا غم کچھ بھی اپنا نہیں''۔

سید فرحت عباس اپنا دلچسپ تجربہ نقل کرتے ہیں۔ شاہ جی جب میری نس نس میں اتر گئے تو میں نے ایک کتاب لکھی ''مردِ کوہستانی''۔ شاہ جی کو پیش کی، مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا شاہ جی اس معاملہ میں جا بجا وقع ہوئے ہیں۔ آپ نے مسودہ دراز میں رکھ دیا اور فرمایا اقبال نے فطرت کے مقاصد کی تکمیل کے لئے جس بندۂ صحرائی اور مردِ کوہستانی کی بات کی ہے وہ حضور انور ﷺ پھر ان کی آل و اصحاب تھے۔

کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ فرحت شاہ جی کی وہ کتاب میرے ہاتھ لگ جائے۔ بچپن سے جوانی تک جس عظیم آدمی نے شاہ جی کی کفش برداری کی اور ان سے پڑھا اس کی معلومات یقیناً یادوں کے چمن میں گنگناتی آبشار واقع ہو سکتی ہیں، لیکن ابھی تک تو انگلیوں کا لمس سکت نہیں رکھتا کہ شاہ جی کی پرسنل فائلوں تک رسائی ہو۔

مارچ 1985ء ہی کے حوالے سے فرحت شاہ جی نے ایک قصہ لکھا ہے:

آج شام شاہ جی نے چنیوٹ اندرون شہر ایک مسجد میں میلاد کانفرس سے خطاب کرنا تھا۔ آپ دن ہی کو سید ضیاء الحق شاہ جیلانی کے گھر پہنچ گئے۔ سہ پہر میں کچھ وقت مل گیا اور آپ نے شاہی مسجد چنیوٹ کی سیر کی۔ یہ مسجد شاہ جہان کے وزیر سعد اللہ خان نے تعمیر کروائی۔ سعد اللہ خان ایک غریب گھرانے میں چنیوٹ کے نزدیک ایک بستی پترا کی میں پیدا ہوا۔ علم و فضل میں جب شہرت ہوئی تو شاہ جہان کے دربار تک رسائی ہو گئی، لاکھوں کے حساب سے تنخواہ پانے والا سعد مذہبی شوق کا مالک تھا۔ اس نے چنیوٹ میں خوبصورت مسجد بنائی۔

شاہ جی مسجد کے در و دیوار دیکھ کر افسردہ سے ہو گئے اور مجھے ہی کہا اقبال کا کلام سناؤ:

کلیات اقبال سے غیر ارادی طور پر جو کلام میں نے شاہ جی کے سامنے پڑھنے کا اعزاز حاصل کیا وہ یہ تھا:

رد لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خون ناب بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار
تھا یہاں ہنگامہ ان صحراء نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

جب میں ان اشعار پر پہنچا!

آہ! اے سسلی سمندر کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو
زیب تیرے خال سے رخسار دریا کو ہے
تیری شمعوں سے تسلی بحر پیا کو ہے

کلام اقبال سنتے ہوئے شاہ جی کی خوبصورت، نرگسی بلکہ شربتی آنکھوں سے ضوبار آنسوؤں کے قطرے آپ کی ریش پر ایسے چلنے لگے جیسے سورج طلوع ہوتے وقت شبنم نو بہار کے قطرے پھولوں کی پتیوں پر نظر آتے ہیں۔ میں جب کلام سے زیادہ شاہ جی کے چہرے میں اتر گیا تو ہمارے ایک پرانے ساتھی طارق جو فیصل آباد میڈیکل کالج میں ایم بی بی ایس کے طالب علم ہیں، انہوں نے میری مدد کی اور شاہ جی سے پوچھ لیا سسلی کی تاریخ کیا ہے؟

طارق! یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین تھے۔ شام کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم پر امیر شام نے تین سو جنگی جہازوں کا ایک بیڑا لے کر سسلی کی تسخیر کے لئے بھیجا، ابھی جنگ جاری تھی کہ امیر المؤمنین کی شہادت ہو گئی۔

امیر شام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کا علم بلند کر دیا۔ اسلامی قلمرو انتشار کا شکار ہو گئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کو موثر بنانے کے لئے سسلی کے عیسائیوں سے صلح کر لی اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد اس علاقے پر مسلمانوں نے تیرہ حملے کئے اور صقلیہ یعنی سسلی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور یہاں اسعد بن فرات قاضی اور امیر مقرر ہو گیا اور اس طرح یہ علاقہ مغربی ممالک میں اسلامی تہذیب کا گہوارہ بن گیا۔ ایک خاصہ عرصہ بعد اندلس کی طرح یہ علاقہ بھی عیسائیوں نے مسلمانوں سے چھین لیا۔ حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ جب یہاں سے گزرے تو ان کے دل میں حجازی تہذیب کی یاد تازہ ہو گئی اور آپ نے یہ کلام تخلیق کیا۔

سید فرحت عباس شاہ لکھتے ہیں:

شاہ جی نے اس مختصر سفری خطبے کے بعد فیصل آباد تک بالکل خاموش سفر کیا۔ شاہ جی شاید ذکر کرنے میں مصروف ہو گئے اور ہم گفتگو سننے کی حسرتوں میں ڈوب گئے۔

☆☆☆

سرطان کی طرح کھا جانے والے یہ امراض قوموں کو اندر سے چاٹ لیتے ہیں

القول المقبول فی طہارۃ نسب الرسول

المعروف

آزر کون تھا؟

محمد حنیف قریشی

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے پیارے آقا فخر المرسلین ﷺ کا پورا نسب پاک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ اور حضرت سیدہ حوا سے لے کر حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک آپ کے نسب میں کوئی شخص غیر مومن نہیں گزرا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے جد اعلیٰ ہیں اور ہمارے دعویٰ کی روشنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک بھی نسب پاک میں کوئی شخص کافر، مشرک اور بدکردار نہیں گزرا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی کا نام ''تارخ'' (تارح بھی پڑھا گیا ہے) ہے جو کہ مومن، موحد اور امین تھے اور آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، آزر جیسا کہ نام سے ظاہر ہے بت پرست، بدکردار اور مشرک تھا اور یہ کسی صورت میں جناب ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہوسکتا، کیونکہ نبی پاک ﷺ کا نسب اول تا آخر پاک ہے اور آزر کو نسب رسول ﷺ میں داخل کرنے سے آپ ﷺ کے نسب پاک کی طہارت برقرار نہیں رہتی۔

ہمارے اس دعویٰ پر درج ذیل دلائل باہرہ موجود ہیں:

دلیل نمبر1:

ارشاد خداوندی ہے:

''الذی یراک حین تقوم. وتقلبک فی الساجدین.'' (شعراء:۲۱۸،۲۱۹)

(وہ اللہ) جو تمہیں (اے محبوب ﷺ) کو دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور سجدہ کرنے والوں میں تمہارے دورے کو۔

اس آیت کریمہ میں سجدہ کرنے والوں میں ''دورہ'' سے مراد سرکار ﷺ کا نسل در نسل مومنین کی پشتوں سے مومنات کے رحموں میں منتقل ہونا ہے اور اس تفسیر پر درج ذیل شواہد موجود ہیں:

شاہد نمبر1: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''تقلبه فی الظهور حتی اخرجه نبیا''

(الحاوی للفتاوی، دلائل النبوۃ ص:۶۴)

یعنی اے محبوب عزت والا مہربان (اللہ) مومنین کی اصلاب وارحام میں آپ کے دروازے کو ملاحظہ فرماتا رہا یہاں تک کہ آپ کو نبی پیدا کیا۔

شاہد نمبر2: حضرت عطاء ؓ فرماتے ہیں:

''بل الاولی ان یقال المراد منه تقلبک من اصلاب الطاهرین الساجدین لله الی ارحام الطاهرات الساجدات ومن ارحام الساجدات الی اصلاب الطاهرین الموحدین والموحدات حتی یدل ان ابآء النبی (ﷺ) کلهم کانوا مومنین.'' (تفسیر مظہری جلد:۷، صفحہ نمبر:۸۹،۹۰)

نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء واجداد (حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک) مومنین تھے

اولیٰ اور اصح یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے دورے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ پاک اور اللہ کے آگے سجدہ کرنے والوں کی پشتوں سے جب سجدہ کرنے والی پاک بیبیوں کے بطون میں اور پاک سجدہ ریز بیبیوں کے ارحام سے پاک، موحد لوگوں کی پشتوں میں منتقل ہو رہے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کے اس انتقال کو دیکھ رہا تھا۔ (قاضی صاحب فرماتے ہیں) یہاں سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء واجداد (حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک) مومنین تھے۔

شاہد نمبر3: علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ الباری تفسیر روح المعانی میں یوں رقم طراز ہیں:

''وجوز حمل القلب علی التنقل فی الاصلاب ان یراد بالساجدین المومنون'' (تفسیر روح المعانی زیر آیت ہذا)

یعنی (اس آیت میں) نبی پاک ﷺ کے دورہ فرمانے کو سرکار کے پشت در پشت منتقل ہونے پر محمول کرنا درست ہے اور ''الساجدین'' سے مراد اس صورت میں مومنین ہوگا۔

شاہد نمبر4: تفسیر درمنثور میں امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ الباری ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابونعیم رحمہم اللہ کے حوالے سے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ:

''یہاں پر تقلب سے مراد حضور اکرم ﷺ کا پشت در پشت منتقل ہونا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن مردویہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، جب آدم علیہ السلام جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے تو آپ ﷺ مسکرائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دانت مبارک ظاہر ہوئے، پھر فرمایا:

''انی کنت فی صلبه وهبط الی الارض وانا فی صلبه ورکبت السفینة فی صلب ابی نوح وقذفت فی النار فی صلب ابراهیم لم یلتق ابوای قط علی السفاح لم یزل الله ینقلنی من الاصلاب الطیبة الی الارحام الطاهرة''

(تفسیر درمنثور جلد:۵ص:۹۸)

میں جناب آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا کہ جب آپ زمین پر اترے اور میں اپنے باپ حضرت نوح کی پشت میں کشتی میں سوار ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں تھا جب انہیں آگ میں ڈالا گیا اور میرے آباء واجداد میں

سے کوئی کبھی بھی بدکاری کا مرتکب نہیں ہوا اور ہمیشہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کیا۔

اسی لئے امام سیوطی اور حافظ ناصر الدین دمشقی فرماتے ہیں:

ان آباء النبی ﷺ کلھم کانوا مومنین
(مظہری جلد:۳ صفحہ:۲۷۳)

”بے شک نبی پاک ﷺ کے تمام آباء (حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک) مومن تھے“۔

شاہد نمبر ۵: تفسیر اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن میں محمد امین الشنقیطی فرماتے ہیں:

”وتقلبک فی اصلاب اٰباءک الساجدین ای المومنین باللہ“ (جلد:۶ صفحہ نمبر:۳۸۸)

یعنی آپ کا دورہ اللہ تعالیٰ آپ کے سجدہ کرنے والے اور اللہ پر ایمان لانے والے (آباء واجداد) کی پشتوں میں دیکھ رہا تھا۔

شاہد نمبر ۶: تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے:

”والمراد بالساجدین المومنون والمعنی یراک متقلبا فی اصلاب وارحام المومنین من آدم الی عبد اللہ فاصولہ جمیعا مومنون.
(صاوی جلد نمبر ۳)

یعنی (اس آیت نمبر ۲۱۹ سورہ شعراء) میں ”الساجدین“ سے مراد مومنین ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ ﷺ (والد گرامی نبی پاک ﷺ) تک پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہونے کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا تھا اور نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء واجداد (مرد وعورت) مومن تھے۔

شاہد نمبر ۷:

”ان نسب رسول اللہ محفوظ من الشرک فلم یسجد احد من اٰبائہ من عبد اللہ الیٰ آدم لصنم قط“ (تفسیر صاوی جلد:۲ صفحہ:۳۵)

”بے شک رسول اللہ ﷺ کا نسب شرک سے محفوظ تھا اور آپ ﷺ کے آباء میں سے حضرت عبداللہ سے لے کر حضرت آدم تک کسی نے کبھی بھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا“۔

مذکورہ تفاسیر کے مطابق ”تقلبک فی الساجدین“ سے مراد انتقال فی اصلاب المومنین کی تفسیر درج ذیل تفاسیر میں بھی ہے:

۸) تفسیر خازن جلد نمبر ۳
۹) تفسیر قرطبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
۱۰) تفسیر ابن عربی
۱۱) فتح القدیر لشوکانی
۱۲) تفسیر بغوی جلد: نمبر ۳ صفحہ: ۵۱۶

طرز استدلال:

آیت سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے آباء واجداد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک اور امہات حضرت سیدہ حوا سے لے کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک تمام مومنین، موحدین تھے اور ہر قسم کی بدکاری سے بھی محفوظ تھے تو برہان یوں مرتب ہوگی:

اگر آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد ہو تو نبی پاک ﷺ کے نسب میں داخل ہونے کی وجہ سے (بمقتضیٰ آیۂ قرآنی) مومن، موحد ہوگا۔

لیکن چونکہ وہ مومن نہیں (کما ہو ظاہر) تو (استثناء نقیض تالی نتیجہ نقیض مقدم) نتیجہ آئے گا۔

نتیجہ:

”آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہو سکتا“۔

توضیح:

مذکورہ آیت کی تفسیر مفسرین کرام نے یوں بھی کی ہے:

ای تقلبک فی تفصح احوال المتھجدین من اصحابہ لیطلع علیھم من حیث لا یشعرون ولیعلم انھم کیف یعبدون.

”یعنی حضور ﷺ کے دورہ فرمانے سے مراد یہ ہے کہ جب آپ اپنے صحابہ کرام کے تہجد پڑھنے کو ملاحظہ فرمانے کے لئے رات کو دورہ کرتے کہ دیکھیں کہ (صحابہ کرام) کیسے عبادت کرتے ہیں“۔

اس توضیح کی بنا پر سوال وارد ہو سکتا ہے کہ جب اس آیت کی یہ تفسیر بھی ہو سکتی ہے تو پھر مذکورہ بالا تفسیر کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ:

یہ آیت کریمہ مکی ہے اور مکہ میں رسول اکرم ﷺ کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تہجد اور قیام ورکوع د جماعت پر دورہ فرمانا ثابت نہیں، یہ تو مدنی دور کی بات ہے لہٰذا اولیٰ وہی تفسیر ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے۔ اس لئے حضرت عطاء ﷺ نے فرمایا:

بل الاولی ان یقال ان المراد ..... الخ

”یعنی بہتر ہے کہ یوں کہا جائے کہ حضور اکرم ﷺ کے دورے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتے رہے“۔

دلیل نمبر ۲:

ارشاد خداوندی ہے:

ان الذین کفروا من اھل الکتب والمشرکین فی نار جھنم خالدین فیھا اولئک ھم شر البریۃ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ (سورۃ البینۃ:۶،۷)

”بے شک جتنے کافر ہیں کتابی اور مشرک سب جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وہی مخلوق میں بد تر ہیں بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہی تمام مخلوق میں بہتر (خیر) ہیں“۔

ان آیات سے ثابت ہوا:

ا) کافر مشرک شر البریۃ (مخلوق میں بدتر) ہیں۔
ب) مومنین صالحین خیر البریۃ (مخلوق میں بہتر) ہیں۔

(ا) بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت معہ.

(بخاری، بیہقی، طبرانی، نسائی، خصائص کبریٰ وعلاوہ ازیں درجنوں کتب)

”مجھے اللہ تعالیٰ نے اس زمانے تک کہ جس میں میں ہوں خیر قرون میں بھیجا ہے“۔

اس ضمن میں امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان الکافر لا یستاھل شرعا ان یطلق انہ من خیر القرون۔

”ہرگز کافر پر خیر قرون کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا“

(۲) دوسری روایت ہے:

فافترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی خیر ھما فاخرجت من بین ابوی ولم یصبنی شیء من عھد الجاھلیۃ خرجت من نکاح لم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتھیت الی ابی وامی فانا خیر کم نفسا وخیر کم ابا

(بیہقی عن انس ﷺ، دلائل النبوۃ لابی نعیم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، طبرانی، تفسیر مظہری جلد ۳، مواہب اللدنیہ، نشر الطیب اشرف علی تھانوی اور علاوہ ازیں ۴۰ سے زائد کتب)

”یعنی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دو گروہ بنائے اور ان میں سے حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک مجھے ہمیشہ بہتر گروہ میں رکھا اور (میرے نسب میں) جاہلیت کی خرابیوں میں سے کوئی خرابی مجھے نہیں پہنچی، ہر دور میں نکاح کے ذریعے سے (آباء کی پشتوں سے جدات کے رحموں تک) پہنچا بدکاری سے نہیں اور یہ سلسلہ آدم علیہ السلام سے لے کر میرے ماں باپ تک رہا پس میں تم سب میں سے بہتر ہوں نفس اور آباء کے لحاظ سے“۔

(۳) تیسری روایت میں ہے:

لم یزل علی وجہ الدھر (ارض) سبعۃ

مسلمین فصاعد اولولا ذالک ھلک صحیحین

(اخرجہ عبدالرزاق، ابن منذر بسند صحیح علی شرط الصحیحین)

"یعنی روئے زمین پر ہر زمانے میں کم از کم سات مسلمان (ضرور) رہے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل زمین میں سب ہلاک ہو جاتے"۔

استدلال نمبر۱:

آیت سے ثابت ہوا کہ مومنین، مسلمان خیر البریۃ ہیں اور کافر و مشرک شر البریۃ ہیں اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا:

۱) ہر زمانے میں دو گروہ رہے، مومنین کا گروہ اور کافرین کا گروہ۔

۲) نبی پاک ﷺ حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک خیر قرون (بہتر گروہ) میں رہے اور کافر بہتر قرن میں سے نہیں۔

۳) نبی پاک ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک خیر ہیں، آباء کے لحاظ سے۔

۴) حضور اکرم ﷺ کے پورے نسب میں عہد جاہلیت کی خرابی اور زنا کاری کا سلسلہ کبھی نہیں ہوا۔

اب مقدم اور تالی دونوں مقدمات کے اثبات کے بعد برہان یوں مرتب ہوگی۔

اگر آزر حضرت ابراہیم کا والد ہو تو اسے مذکورہ روایات کے مطابق خیر قرن، خیر فرقہ، خیر بطور والد ماننا پڑے گا، لیکن چونکہ آزر کافر و مشرک ہونے کی وجہ سے (از روئے قرآن) خیر نہیں بلکہ شر البریۃ ہے تو نتیجہ آئے گا:

"آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہے"۔

استدلال نمبر۲:

بخاری شریف کی روایت کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی ﷺ کے نسب میں جاہلیت کی خرابیوں میں سے زنا، بدکاری کی خرابی اور گناہ گوارہ نہیں تو اس عالی شان نسب میں سب سے بڑی خرابی اور گناہ کفر اور شرک کیسے گوارہ ہو سکتا ہے۔

چونکہ آپ ﷺ کے نسب میں کفر و شرک والی خرابی تب لازم آتی ہے جب آزر کو جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد مانا جائے تو جس وجہ سے نبی پاک ﷺ کے نسب میں خرابی لازم آئے وہ وجہ باطل ہے لہٰذا ہمارا مدعا ثابت ہے کہ:

"آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہے"۔

دلیل نمبر۳:

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الطیبۃ الی الارحام الطاھرۃ مھذبالا ینشعب شعبتان الا کنت فی خیر ھما

(دلائل النبوۃ، تفسیر کبیر جلد ۸، روح المعانی جلد ۸، تفسیر طبری، در منثور جلد ۳، صاوی الجلالین، مظہری جلد ۳، الحاوی للفتاویٰ ص ۲۵۶، مواھب اللدنیہ، نسیم الریاض علاوہ ازیں ۳۰ سے زائد کتب)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ (حضرت آدم سے حضرت عبداللہ تک) پاک پشتوں سے پاک رحموں میں مصفّی مہذب کر کے منتقل فرمایا"۔

لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات (مواھب، کبیر، در منثور)

"میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوا ہوں"۔

بے شک رسول اللہ ﷺ کا نسب شرک سے محفوظ تھا اور آپ ﷺ کے آباء میں سے کسی نے کبھی بھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا

سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۸ میں ارشاد ہے:

"**انما المشرکون نجس**" "مشرک ناپاک ہیں۔

مقدمات مقدم و تالی کے مسلمہ ہونے کے بعد دلیل یوں مرتب ہوگی:

نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء پاک تھے۔

اگر آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا والد مانیں تو اسے نبی پاک ﷺ کا جد مان کر پاک ماننا پڑے گا۔

چونکہ وہ کافر و مشرک ہونے کی وجہ سے بتصدیق آیۃ قرآنی نجس و ناپاک ہے پاک نہیں، تو (استثناء نقیض تالی نتیجہ نقیض مقدم) نتیجہ آئے گا:

"آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہے"۔

دلیل نمبر۴:

نبی پاک ﷺ نے اپنے نسب پاک پر فخر کیا ہے:

"**انا خیر کم نفسا و خیر کم ابا**"

"میں بطور حسب و بطور نسب تم میں سے بہتر ہوں"۔

(ترمذی شریف)

(بیہقی عن انس، دلائل النبوۃ عن ابن عباس، مواھب اللدنیہ، خصائص، نسائی، دلائل النبوت، بیہقی و دیگر کتب صحاح)

اور مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشرک آباء واجداد پر فخر کرنا حرام ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

من انتسب الی تسعۃ آباء کفار یرید بھم عزا و کرامۃ کان عاشرھم فی النار

استدلال:

جب نبی پاک ﷺ نے اپنے نسب پر فخر کیا تو ماننا پڑے گا کہ آپ ﷺ کے پورے نسب میں کوئی بھی کافر و مشرک نہیں گزرا ورنہ فعل حرام کی نسبت نبی پاک ﷺ کی طرف کرنا پڑے گی۔

اب برہان یوں مرتب ہوگی:

اگر آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد ہو تو حضور اکرم ﷺ کے آباء میں سے ہوگا، چونکہ نبی پاک نے نسب پر فخر کیا تو ماننا پڑے گا کہ کوئی کافر آپ ﷺ کے نسب میں نہیں ہو سکتا تو یقیناً پھر ماننا پڑے گا کہ کافر و مشرک شخص آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہے"۔

دلیل نمبر۵:

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا نافرمان اور منافق تھا تو اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے اس کے نسب کو منقطع کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

قال ینوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح (ھود:۴۶)

"اے نوح یہ تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں، بے شک اس کے کام اچھے نہیں ہیں"۔

اگر بیٹا نافرمان ہو تو اللہ تعالیٰ عظمت نبوت کی خاطر، نبی باپ سے اس نافرمان کا نسب قطع فرما دیتا ہے اور اعلان ہوتا ہے کہ "**انہ لیس من اھلک**" تو جب نافرمان شخص نبی کا بیٹا نہیں ہو سکتا تو ایک کافر و مشرک شخص آزر، جلیل القدر نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد کیسے ہو سکتا ہے۔

دلیل نمبر۶:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر مظہری میں اور امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ الحاوی للفتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں:

فمن المحال ان یکون بعض آباء النبی مع کونہ محبوبا للہ کافرا (جلد نمبر ۳ ص ۲۶۴)

"یعنی یہ محال ہے کہ نبی پاک ﷺ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں تو ان کے آباء واجداد میں سے کوئی شخص کافر ہو"۔

طرز استدلال:

آزر چونکہ کافر ومشرک ہے تو اگر اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد مانا جائے تو مذکورہ تصریح کے مطابق محال لازم آئے گا اور یہ باطل ہے جب آزر کا ابراہیم علیہ السلام کا والد ہونا باطل ہوا تو ہمارا مدعا ثابت ہے کہ:

''آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہے''۔

دلیل نمبر۷:

دیوبندی حضرات کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب نے نشر الطیب میں نبی علیہ السلام کی مدح میں چند اشعار نقل کئے ہیں:

اکرم بہ نسبا طابت عنا صرہ
اصلا وفرعا وقد سادت بہ البشر

آپ ﷺ کا نسب (پاک) کیسا باکرامت ہے کہ اس کے مواد پاکیزہ ہیں کہ اس کے مواد اصل وفرع دونوں اعتبار سے پاکیزہ ہیں اور آپ ﷺ کے سبب سے جس بشر کو شرف حاصل ہوا۔

مطھر من سفاح الجاھلیة لا
یشوبہ قط لا نقص ولا کدر

آپ ﷺ کا نسب پاک ہے جاہلیت کی خرابی سے اور اس میں کبھی نقص وکدورت کی آمیزش نہ ہوئی۔

ما فیہ الا ھمام قد سما عظما
او سید نحو فعل الخیر مبتدر

آپ کے سلسلہ نسب میں سب بڑے ہی بڑے ہیں جو عظمت میں عالی شان رکھتے ہیں یا ایسے سردار ہیں کہ محل خیر کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

حتی بدا مشرقا من والدیہ وقد
تجملت بجلاہ الشمس والقمر

یہاں تک کہ آپ ﷺ منور ہو کر اپنے والدین سے ظاہر ہوئے اور یہ حالت تھی کہ آپ ﷺ کے نور سے شمس وقمر بھی صاحب جمال ہوگئے۔ (نشر الطیب ص۱۷)

پھر ص:۲۹ پر لکھتے ہیں:

شاباش آں صدف کہ چناں پرورد گہر
آباء ازو مکرم و ابنا عزیز تر

اچھی ہے وہ سیپی کہ جس نے (نبی پاک ﷺ) جیسا موتی (اپنے اندر) پالا آپ ﷺ کے آباؤ اجداد بزرگی والے اور آپ ﷺ کی اولاد عزت والی ہے۔

اشرف علی تھانوی صاحب کی نشر الطیب سے جو باتیں حاصل ہوئیں۔

۱) آپ ﷺ کا نسب پاکیزہ اور بزرگی والا ہے۔
۲) آپ کے آباء میں جاہلیت والے عیب نہ تھے۔
۳) آپ کے نسب میں عظمت اور شان رکھنے والے اور خیر کی طرف سبقت کرنے والے بزرگ گزرے۔
۴) آپ ﷺ کے آباء بزرگی والے ہیں اور ان کی مثال صدف کی سی ہے اور حضور نور ہیں۔

استدلال:

اگر آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا والد مانا جائے تو اس میں مذکورہ اوصاف حمیدہ مانے جائیں گے لیکن کافر ومشرک ہونے کی وجہ سے آزر پاک، بزرگی وعظمت والا، عیب سے پاک اور خیر کی طرف سبقت کرنے والا نہیں ہوسکتا تو نتیجہ ظاہر ہے کہ:

''آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہوسکتا''۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی کا اسم گرامی حضرت تارخ تھا اور آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، والد نہیں اور مفسرین ومؤرخین نے بشمول تورات حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب یوں بیان کیا ہے:

''حضرت ابراہیم بن تارخ (۱) بن ناخور بن ساروغ (۲) بن رعوا (۳) بن فالغ (۴) بن عابر بن شالخ بن قینان بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام'' (طبری جلد نمبر۱)

تفسیر حقانی میں یوں ہے:

''ابراہیم بن تارخ بن ناخور بن ساروغ بن رعوا۔۔۔۔الی نوح'' (تفسیر حقانی)

پہلی سیرت کی کتاب نے بھی آپ علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ذکر کیا ہے:

''ابراہیم بن تارخ بن ناخور بن ساروح۔۔۔۔۔۔ نوح علیہ السلام'' (سیرت ابن اسحاق)

تفصیل قدرے یوں ہے:

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد (۱) یافث (۲) سقلاب (۳) سندر (۴) راشد (۵) نخیف (۶) جمام (۷) عمر (۸) حام پر مشتمل تھی، جناب سام کی اولاد اہور، ارم اکبر، عویلم، ذوالحاو یا ارفخشد اور راوز ہے اور حضرت ذوالحاو کی اولاد میں سے جناب عابر کی اولاد (بیٹے، بیٹیاں) درج ذیل ہیں:

ایاز، ورغ، ذرار، فالغ، مومنہ، مومرہ، قحطان

جناب فالغ یا فالخ کی اولاد میں سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، صاورہ، بالوثیسیہ، راعو، ملکان

جناب راعو کے بارہ بیٹے، بیٹیاں تھے جن میں سب سے چھوٹے بیٹے ساروغ تھے، جناب ساروغ کے چار بیٹے، بیٹیاں تھیں جن میں ایک بیٹے جناب ناخور تھے۔ ناخور کے آٹھ بیٹے تھے، عوض، بیقال، باعور، سیول، قہویل، ہاران، تارخ، آزر، جناب تارخ کے تین بیٹے تھے، ناخور، ابراہیم علیہ السلام، ہاران

بیقال کی اولاد سے لقمان حکیم (جن کا ذکر قرآن میں ہے) ہوئے، حضرت سیدہ سارہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ) ہاران بن ناخور کی بیٹی ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام ہاران بن تارخ کے بیٹے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔

(ریاض الانساب، نسب رسول، خاندان نبوت، تذکرۃ الحسین)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی تارخ تھے اور آزر آپ علیہ السلام کا چچا تھا۔

آزر کے ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہونے پر مشہور اعتراض وارد ہوتا ہے کہ سورۂ انعام آیت نمبر۷۴ میں ہے:

واذ قال ابراھیم لا بیہ آزر اتتخذ اصنا ما الھة ....الآیة

''اور جب فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ''اب'' آزر سے کہ کیا تو نے بتوں کو خدا بنالیا ہے''۔

معلوم ہوا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا ''اب'' ہے اور اب باپ کو کہتے ہیں لہٰذا ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر ہے نہ کہ تارخ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بھی دادا، چچا اور والد سب پر لفظ اب (باپ) کا اطلاق کیا گیا ہے۔

سورۂ بقرہ آیت ۱۳۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الھک والہ ابائک ابراھیم واسماعیل واسحاق ....الآیة؟

''کیا تم موجود تھے اس وقت جب یعقوب (علیہ السلام) پر موت کا وقت آیا، تب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو بیٹے بولے کہ ہم تمہارے معبود اور تمہارے آباء ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق بن ابراہیم کے بیٹے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے چچا (تایا) اور ابراہیم علیہ السلام آپ کے دادا تھے، ان سب یعنی باپ چچا، دادا پر لفظ ''اب'' کا اطلاق ہوا۔

۲) محمد بن کعب قرظی نے اس آیت کو بطور دلیل پیش کیا اور کہا:

الخال والد والعم والد''

''ماموں باپ ہے اور چچا بھی باپ ہے''۔

۳) ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے:

"عم الرجل صنو ابیه"

"آدمی کا چچا اس کے باپ کی جگہ ہوتا ہے"۔

۴) نبی اکرم ﷺ نے حضرت عباس جو کہ آپ ﷺ کے چچا تھے کو "ابی" میرا باپ کہہ کر پکارا اور فرمایا:

ردوا علی ابی العباس

"میرے باپ (چچا) عباس کو مجھ پر پیش کرو"۔

اس تفصیل کے بعد معلوم ہوا کہ لفظ "اب" کا اطلاق والد کے علاوہ چچا، دادا پر بھی ہوتا ہے، لہٰذا آیت مذکورہ میں لفظ "اب" کا معنی باپ یعنی چچا ہے نہ کہ والد۔

آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔

حوالہ جات

حوالہ نمبر ۱:

امام ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح روایت فرماتے ہیں:

ان ابا ابراهیم لم یکن اسمه آزر وانما کان اسمه تارخ

"بے شک ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی کا نام آزر نہ تھا بلکہ آپ کے والد کا نام تارخ تھا"۔

(الحاوی للفتاوی، روح المعانی)

حوالہ نمبر ۲:

اخرج ابن ابی شیبه وابن المنذر وابن ابی حاتم عن طرق بعضها صحیح عن مجاهد قال لیس آزر ابا ابراهیم

امام حضرت ابن ابی شیبہ، ابن منذر، ابن ابی حاتم بعض صحیح طرق کے ساتھ حضرت مجاہد ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا والد آزر نہیں تھا۔

(بحوالہ مسالک الحنفاء للسیوطی)

حوالہ نمبر ۳:

امام ابن المنذر صحیح سند کے ساتھ حضرت جریج ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ:

لیس آزر با بیه انما هو ابراهیم بن تارخ

"ابراہیم علیہ السلام کا والد آزر نہیں ہے بلکہ آپ علیہ السلام کے والد تارخ ہیں"۔ (بحوالہ تفسیر درمنثور للسیوطی)

حوالہ نمبر ۴:

امام ابن ابی حاتم سند صحیح کے ساتھ حضرت سدی سے روایت فرماتے ہیں:

انه قیل له اسم ابی ابراهیم آزر فقال بل اسمه تارخ

"ان سے کہا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا؟ آپ نے فوراً جواب فرمایا نہیں بلکہ ان کا نام تارخ تھا"۔

وقد وجه من حیث اللغة بان العرب یطلق لفظ الاب علی العم اطلاقا شائعا مجازا۔

(بحوالہ الحاوی للفتاوی)

"آپ کی توجیہہ لغت کے اعتبار سے تھی کیونکہ عرب والے عام طور پر لفظ "اب" کا اطلاق مجازاً چچا کے لئے بھی کرتے ہیں"۔

۔۔۔۔تو معلوم ہوا کہ آزر آپ علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ چچا تھا۔

روئے زمین پر ہر زمانے میں کم از کم سات مسلمان (ضرور) رہے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل زمین میں سب ہلاک ہوجاتے

حوالہ نمبر ۵:

امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ سلیمان بن صرد سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور آگ آپ علیہ السلام پر گلزار ہوگئی۔

"فقال عمه من اجلی دفع عنه"

تو آپ کا چچا (آزر) کہنے لگا کہ یہ آگ میری وجہ سے ہی ابراہیم علیہ السلام سے مندفع ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آگ کی اک چنگاری کو اس کی طرف بھیجا جو اس کے قدموں پر گری اور اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ (الحاوی للفتاوی)

اس روایت میں واضح طور پر "فقال عمه" (پس کہا ان کے چچا نے) کے الفاظ موجود ہیں جس سے واضح ہو رہا ہے کہ آزر آپ علیہ السلام کا چچا تھا۔

حوالہ نمبر ۶:

"وهذا القول اعنی آزر لیس ابا ابراهیم ورد عن جماعة من السلف" (مسالک الحنفاء للسیوطی)

(کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہونے کا اقرار کچھ لوگوں نے کیا بلکہ فرماتے ہیں کہ) اسلاف کی پوری جماعت سے یہی منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا والد آزر نہ تھا۔

حوالہ نمبر ۷:

"وقال الزرقانی فی شرح المواهب ان دلیل کون آزر عما ابراهیم علیه السلام ماقد صرح به الشهاب الهیتمی بان اهل الکتابین والتاریخ اجمعو ان آزر عم لابراهیم"۔

(مظہری جلد ۳، مواہب اللدنیہ)

"امام زرقانی مواہب اللدنیہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ آزر کے ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جس کی صراحت شہاب ہیتمی نے کی ہے کہ تمام اہل کتاب اور اہل تاریخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا"۔

حوالہ نمبر ۸:

تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے:

"انه کان عمه واسم ابیه تارخ"

کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور آپ علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے۔ (جلد ۳ صفحہ ۲۴۶)

حوالہ نمبر ۹:

امام فخرالدین رازی اسرار التنزیل (جو کہ علامہ کی زندگی کی آخری تفسیر کبیر کے بعد کی تصنیف ہے) میں لکھتے ہیں:

"واکثر هولاء علی ان آزر اسم لعم ابراهیم علیه السلام"

اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔

حوالہ نمبر ۱۰:

تفسیر روح المعانی میں علامہ محمد آلوسی فرماتے ہیں:

"والذی عول علیه الجم الغفیر من اهل السنة ان آزر لم یکن والد ابراهیم علیه السلام وادعوا انه لیس فی آباء النبی کافر اصلا لقوله علیه السلام لم ازل انتقل من اصلاب الطاهر الی ارحام الطاهرات"

یعنی اہل سنت کے کثیر اہل علم کا اسی پر اعتماد ہے کہ بے شک آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا، اہل سنت کے جم غفیر کی دلیل یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے آباء واجداد میں کوئی شخص ہرگز کافر نہیں ہوسکتا، کیونکہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے "میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا"۔

یہاں پر ایک شبہ وارد ہوتا تھا کہ سرکار کے ارشاد "طاہر" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے آباء واجداد بدکاری سے پاک تھے۔ امام آلوسی اس تخصیص کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وتخصیص الطهارة بالطهارة من السفاح لا

"دليل عليه والعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب"

یعنی طہارت کو زنا سے پاک ہونے کے ساتھ خاص کرنا دعویٰ بغیر دلیل کے ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے جو قابل اعتماد ہو، لحاظ عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ اسباب کی خصوصیت کا۔

الفاظ کی عمومیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ مراد مطلق ہر طرح کی پاکیزگی ہے، کفر اور بدکاری ہر طرح سے مبرا پاک پشتوں اور پاک رحموں میں ہی حضور ﷺ منتقل ہوتے رہے۔

حوالہ نمبر ۱۱:

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

"وكان آزر علي الصحيح عما لا ابراهيم والعرب يطلقون الاب علي العلم" (مظہری جلد:۳ صفحہ:۲۷۳)

یعنی صحیح ترین تحقیق یہی ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور اہل عرب لفظ "اب" کا اطلاق چچا پر بھی کرتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"ای آزر سماء الله ابا لكونه عما ومربيا له"

(تفسیر مظہری جلد ۲)

یعنی آزر کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا "اب" قرار دیا کیونکہ وہ آپ کا چچا تھا اور اسی نے آپ کی پرورش کی تھی۔

حوالہ نمبر ۱۲:

تفسیر المنیر ا ن میں ہے:

"ان اباء النبي كانوا جميعا موحدين غير مشركين"

کہ بے شک نبی اکرم ﷺ کے تمام آباء موحد تھے مشرک نہ تھے تو یقیناً پھر آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ چچا ہے۔

حوالہ نمبر ۱۳:

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ الباری تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:

"ان والد ابراهيم كان تارخ وآزر كان عما له والعم قد يطلق عليه اسم الاب"

(تفسیر کبیر جلد نمبر ۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی تارخ تھے اور آزر آپ کا چچا تھا اور کبھی کبھی چچا پر بھی لفظ "اب" کا اطلاق ہوتا ہے۔

حوالہ نمبر ۱۴:

دیوبندی حضرات کے مفتی پاکستان اشرف علی تھانوی صاحب کے شاگرد مفتی محمد شفیع صاحب ان تفاسیر کی توثیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

امام رازی اور علماء سلف میں سے ایک (پوری) جماعت کا کہنا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ اور چچا کا نام آزر ہے۔ ان کا چچا آزر نمرود کی وزارت (ملنے) کے بعد شرک میں مبتلا ہو گیا اور چچا کو باپ کہنا عربی محاورات میں عام ہے اسی محاورہ کے تحت آیت میں آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ فرمایا گیا ہے اور زرقانی نے شرح مواہب میں اس کے کئی شواہد بھی نقل کئے ہیں۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی جلد نمبر ۳ ص ۷۹)

آزر کے ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہونے پر شاندار دلیل:

محمد بن کعب، قتادہ، مجاہد اور حسن (تابعین) وغیرہم سے مروی ہے کہ:

"قالوا كان يدعوه في حياته فلما مات علي شركه تبراء منه"

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کے لئے اس کی زندگی میں دعا کرتے رہے جب وہ حالت شرک میں مر گیا اور آپ پر واضح ہو گیا کہ یہ مشرک مرا ہے آپ نے اس سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی حکایت سورۂ توبہ میں کی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"وما كان استغفار ابراهيم لا بيه الا عن موعدة وعدها اياه فلما تبين له انه عدو الله تبراء منه"

(سورہ توبہ آیت ۱۱۴)

اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ، (چچا) کی بخشش چاہنا ایک وعدے کی بناء پر تھا کہ جو انہوں نے اس سے کیا تھا پھر جب ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہو گیا کہ وہ (آزر) اللہ کا دشمن ہے تو اس سے تعلق توڑ دیا۔

آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا اور حضرت ابراہیم نے آزر سے وعدہ کر لیا کہ میں اپنے رب سے تیرے لئے بخشش چاہوں گا۔ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا اور آگ آپ پر گلزار ہو گئی تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ میری وجہ سے یہ آگ تجھ سے مندفع ہوئی تو اچانک آگ کی ایک چنگاری آ گئی اور اس (آزر) کو جلا کر راکھ کر ڈالا۔

"ثم هاجر ابراهيم عقب واقع النار الي الشام"

"آگ کے واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت فرمائی"۔

ابن سعد نے طبقات میں کلبی سے روایت کیا ہے کہ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو **"وهو يومئذ ابن سبع وثلاثين سنة"** کہ جب آپ علیہ السلام نے ہجرت فرمائی اور آگ کا واقعہ پیش آیا تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر پاک ۳۷ برس تھی۔ آپ وہاں سے اردن گئے، پھر مصر آئے، پھر شام آئے اور ایلیاء اور فلسطین کے درمیان ٹھہرے۔ پھر رملہ تشریف لے گئے اور وہاں پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی، پھر وہاں سے آپ کو حکم ہوا کہ مکے جاؤ۔ ابن سعد نے واقدی سے روایت کیا ہے کہ:

"ولد لا براهيم اسماعيل وهو ابن تسعين سنة"

"کہ جب حضرت اسماعیل کی ولادت ہوئی تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر نوے برس تھی"۔

قاضی سلیمان منصور پوری "رحمۃ للعالمین" جلد ۳ میں لکھتے ہیں کہ:

اس وقت آپ کی عمر اسی (۸۰) برس تھی۔

ان دو روایتوں سے معلوم ہوا کہ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت آپ کی عمر پاک ۳۷ برس تھی اور اسی وقت آزر حالت شرک میں مر گیا اور اس وقت قرآن کے مطابق آپ نے اس سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور اس کے لئے بخشش کی دعا کرنا ترک فرما دیا، پھر ۵۷ یا ۴۷ سال کے بعد اللہ نے آپ کو ایک پیارا سا بیٹا اسماعیل علیہ السلام دیا، آپ اللہ کے حکم کے مطابق اپنے بیٹے کو مکہ لے کر گئے اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو وہاں پر چھوڑا اور وہاں ۹۰ برس کی عمر میں کچھ دعائیں کہیں ان میں ایک دعا یہ بھی تھی:

"رب اجعلني مقيم الصلوة ومن ذريتي ربنا وتقبل دعا ربنا اغفرلي ولوالدي وللمومنين يوم يقوم الحساب" (سورہ ابراہیم، آیت ۴۰)

"اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دے اور میری دعا کو قبول فرما اے ہمارے رب مجھے اور میرے والدین اور دیگر ایمان والوں کو قیامت کے دن بخشنا"۔

سورۂ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"ربنا اغفرلي ولوالدي"

آزر کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کرنا ترک کر دیا تھا، پھر ۵۷ برس کے بعد "ولوالدي" کہہ کر کس کے لئے دعا فرما رہے ہیں؟ آیت کا لفظ "ولوالدي" (اور میرے والدین کے لئے) بتا رہا ہے کہ یہ دعا "اب" چچا کے لئے نہیں والد کے لئے ہے اور بخشش کی دعا تب ہی کی کہ وہ مومن ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے والد نہیں ہے آپ کے والد مومن تھے اور آپ کی والدہ بھی مومنہ تھیں۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں ”انہا کانت مومنة“ کہ آپ کی والدہ مومنہ تھیں اور آگے فرماتے ہیں۔

”**فامھات الانبیاء الذین من بنی اسرائیل کلھن مومنات**“ (تفسیر مظہری جلد۳ صفحہ ۲۷۰)

پس بنی اسرائیل کے انبیاء کی مائیں بھی سب مومنہ تھیں۔

اس تحقیق کے بعد بھی اگر کوئی شخص نہ مانے تو اتنا ہی عرض ہے ”**وما علینا الا البلغ**“

سوال:

اگر آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا والد مانا جائے تو کیا خرابی ہے اس طرح قرآن کے قول ”لابیہ“ کے حقیقی معنی پر عمل ہو جائے گا؟

جواب: آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا والد کہنے کی صورت میں مذکورہ اور علاوہ ازیں ان تمام روایات کا انکار لازم آئے گا جن میں نبی اکرم ﷺ کے نسب پاک کی طہارت ثابت ہے اور قرآن مجید کی آیت ”**وتقلبک فی السٰجدین**“ سے بھی تعارض لازم آئے گا اور تیسرا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کافر کا بیٹا ماننا پڑے گا اور یوں ان گستاخوں کے لئے بھی راستہ کھلتا ہے کہ جو نبی اکرم ﷺ کے والدین کو معاذ اللہ کافر کہتے ہیں اور ان کے پاس بھی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ اگر اولو العزم پیغمبر جناب ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر کافر ہو سکتا ہے تو عبد اللہ کیوں نہیں، لہٰذا جب احادیث کثیرہ اور دلائل باہرہ اس پر موجود ہیں کہ آزر ابراہیم کا چچا ہے تو قرآن مجید کے حقیقی معنی سے مجازی معنی کی طرف لوٹیں گے تا کہ احادیث وقرآن دونوں پر عمل ہو اور تطبیق دیتے ہوئے کہیں گے۔

قرآن میں ”**لابیہ آزر**“ میں ”اب“ سے مراد چچا ہے اور آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے اور کافر و مشرک ہے اور تارخ جناب ابراہیم علیہ السلام کے والد ہیں جو کہ موحد و مومن تھے، آزر کو چچا مان کر مذکورہ سہولیات حاصل ہو سکتی ہیں آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا والد کہہ کر کیا حاصل ہوتا ہے؟

اس مسئلہ پر اٹک سے علماء دیوبند کے ”خادم“ عاصم شاہ صاحب نے ۱۷ صفحات پر مشتمل ایک تحریر فقیر کی طرف بھیجی ہے جس کو پڑھ کے جناب کی تہی دامانی پر ترس آتا ہے۔ دراصل یہ تمام تحریر فقیر کی ایک آڈیو بیان پر تھی جس میں اگر چہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کا بیان مقصود تھا ساتھ ہی ضمناً یہ بھی بیان ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہیں تارخ ہے اور اس پر میں نے تفسیر حقانی اور جلالین کا حوالہ دیا کہ جس کے حاشیے پر یہ تصریح موجود ہے کہ جلالین میں صاحب کتاب فرماتے ہیں ”**ھو لقبہ واسمہ تارخ**“ کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد کا لقب ہے اور اس کا نام تارخ ہے اس پر ”بندہ ناچیز عاصم شاہ صاحب“ نے میری طرف لکھا ہے کہ حوالہ غلط ہے اور جلالین کے حاشیہ نمبر ۱۳ کا ترجمہ کر کے اور عبارت نقل کر کے بزعم خود کمال دکھاتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد ہے حالانکہ انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ حاشیہ نمبر ۱۴ میں محشی یہ عبارت بھی نقل کر رہا ہے:

”**وفیہ ایضا آزر اسم عم ابراھیم واسم ابیہ تارخ انتھی وھذا ھو الذی ذکرہ الشیخ والمفسر فی بعض رسائلہ المعنی لہ فی اثبات ایمان اباء النبی ﷺ**“

”یعنی اس میں یہ قول بھی ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے اور آپ کے والد گرامی کا نام تارخ ہے،

حضور اکرم ﷺ کے پورے نسب میں عہد جاہلیت کی خرابی اور زناکاری کا سلسلہ کبھی نہیں ہوا

اس قول کی نسبت محشی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ قول شیخ مفسر امام سیوطی کا ہے کہ جنہوں نے سرکار کے آباء واجداد کے مومن ہونے کو ثابت کرنے میں کچھ رسائل بھی لکھے ہیں“۔

معترض صاحب نے آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا والد ثابت کرنے کے لئے جلالین کا حوالہ نقل کیا اور حاشیہ نے ہی بتا دیا کہ امام سیوطی آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا چچا کہتے ہیں تو ایک ہی شخص کے لئے دو قول ”**ھو لقبہ واسمہ تارخ وان آزر عم ابراھیم**“ کا اثبات ہوا یعنی امام سیوطی ایک طرف تو آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا چچا کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف کہہ رہے ہیں کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد کا لقب ہے تو آپ کے دو اقوال میں تعارض آیا اور ہر دو کا احتمال تو ”**اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**“ جب احتمال آئے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے لہٰذا معترض کا استدلال باطل ہوا لیکن ہم اس کی یہ تاویل کرتے ہیں۔

کہ تفسیر جلالین امام سیوطی کی ابتدائی تصنیف ہے جو کہ آدھی آپ نے لکھی ہے اور آدھی امام جلال الدین محلی نے اور اس کے بعد آپ کی تصنیف درمنثور ہے اور آخری عمر کی تصنیف مسالک الحنفاء ہے کہ جس میں آپ نے بہت سے دلائل سے ثابت کیا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے لہٰذا آپ کا اس سے رجوع ثابت ہوا۔

اعتراض نمبر ۱:

اس بات کا حوالہ دیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بچوں کی بنسبت جلدی بڑھتے تھے اور بچے جتنا ایک سال میں بڑھتے حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ماہ میں بڑھتے تھے۔

جواب: یہ بات تفسیر ”روح البیان“ سورۂ انعام زیر آیت :۷۳ میں موجود ہے اعتراض ناقل پر نہیں ہو سکتا۔

اعتراض نمبر ۲:

نمرود کی عدالت میں جو جاتا پہلے اس کو سجدہ کرتا اگر آپ علیہ السلام کا والد سجدہ نہ کرتا تو نمرود اسے تکلیف دیتا۔

جواب:

یہ ضروری نہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہونے تک فرعون کے دربار میں رہے تو کیا آپ فرعون کو سجدہ کرتے رہے؟ اگر آپ ۲۰ برس تک فرعون کے دربار میں رہتے ہوئے محفوظ رہ سکتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی محفوظ رہ سکتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۳:

آپ (حنیف قریشی) نے کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب سات برس کے ہوئے تو ماں سے پوچھا کہ میرا مربی کون ہے تو ماں نے جواب دیا کہ میں ہوں پھر پوچھا کہ تیرا مربی کون ہے تو کہا تیرا باپ ہے پھر پوچھا میرے باپ کا مربی کون ہے تو کہا کہ اس کو پالنے والا نمرود تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کافر تھے کیونکہ اگر مسلمان ہوتے کہتے تیرا میرا سب کا مربی اللہ ہے۔

جواب: مربی پالنے والے کو کہتے ہیں اور حقیقی رب اللہ تعالیٰ ہے اور مجازی ہر وہ شخص کہ جو روزی وغیرہ کا ذریعہ ہوتا ہے آپ کی والدہ کا کلام بطریق مجاز تھا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جب زلیخا نے دروازے بند کئے اور جناب یوسف کو دعوت گناہ دی تو:

”**قال معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای**“

(یوسف:۲۳)

حضرت یوسف بولے اللہ کی پناہ وہ عزیز مصر تو میرا رب ”پالنے والا“ ہے اور اس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔

تو اب کیا خیال ہے بندہ ناچیز صاحب خادم دیوبند کا حضرت یوسف کے متعلق؟ کیا یہ کہہ کر کہیں وہ بھی توحید سے ہاتھ نہیں دھو بیٹھے۔

افسوس کہ کسی ادب سکھانے والے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے ہوتے تو اپنی جہالت کا مظاہرہ نہ

فرماتے۔ اپنی تشفی کے لئے محمود الحسن کے مرثیہ کو ہی پڑھیئے، آپ کے جد اعلیٰ رشید احمد گنگوہی کو شیخ الہند خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"خدا ان (رشید احمد گنگوہی) کا مربی ہے وہ مربی تھے خلائق کے" (مرثیہ محمود الحسن)

کیا یہ کہہ کر محمود الحسن دیوبندی مشرک نہ ہوئے کہ جو رشید احمد گنگوہی کو رب کہہ رہے ہیں؟ اگر یہ مشرک نہیں تو جناب ابراہیم علیہ السلام کے والدین بھی مشرک نہیں۔

اعتراض نمبر۴:

جو حدیث پیش کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے نسب میں کوئی ناپاک نہیں گزرا اس کا حوالہ دو۔

جواب:

گذشتہ صفحات میں یہ روایت مع حوالہ جات گزر چکی ہے۔

اعتراض نمبر۵:

فتنہ بریلویت 1856ء کے بعد کی پیدائش ہے اس سے پہلے جتنے علماء دین گزرے ہیں یہ سب ہمارے آدمی تھے ان کا جو عقیدہ تھا وہی علماء دیوبند کا عقیدہ ہے بزرگوں میں شیخ عبدالقادر جیلانی، داتا علی ہجویری، سلطان باہو، پیر مہر علی شاہ یہ سب ہمارے بزرگ ہیں۔

جواب:

کاش کہ آپ کا عقیدہ ان بزرگوں والا ہوتا اگر علماء دیوبند کا عقیدہ ان بزرگوں والا ہوتا تو پھر اختلاف کس بات کا، شیخ عبدالقادر جیلانی، علی ہجویری، سلطان باہو، پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہم اللہ تعالیٰ یہ تمام اولیاء تو نبی ﷺ کو حاضر و ناظر ماننے والے تھے، یارسول اللہ کہنے والے تھے، ولیوں کے تصرفات کے قائل تھے، نبی ﷺ کے عطائی علم غیب کلی کے قائل تھے، نبی پاک ﷺ کو مختار مانتے تھے، امام حسین کو امام برحق اور یزید کو پلید جانتے تھے۔ یہ حضرات محرم میں امام پاک کی محبت میں محافل منعقد کرتے، میلاد النبی ﷺ پر خوشیاں مناتے، پیر مہر علی شاہ اور سلطان باہو گیارہویں کی محافل منعقد کرتے تھے۔ کیا آپ کے عقائد اور معمولات بھی ان جیسے ہیں؟ ذرا اپنے اکابرین دیوبند کے عقائد اور معمولات پر نظر ڈالئے:

۱) نبی کو حاضر و ناظر کہنے والا کافر ہے۔
(فتاویٰ رشیدیہ، مصنفہ رشید احمد گنگوہی دیوبندی)

۲) نبی کو مختار، متصرف ماننے والا ابوجہل سے برا ہے۔
(تقویۃ الایمان مصنفہ شاہ اسماعیل دہلوی، جواہر القرآن، فتاویٰ رشیدیہ)

۳) یارسول اللہ کہنے والا کافر ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۶۲)

۴) جو شخص یہ کہے کہ نبی غیب جانتا ہے وہ مشرک و کافر ہے۔
(فتاویٰ رشیدیہ)

۵) یزید خلیفہ برحق تھا اور امام حسین نے اس کے خلاف بغاوت کی۔

۶) امیر المومنین یزید رحمہ اللہ
(خلافت معاویہ و یزید جس پر 50 سے زائد دیوبندی اکابرین کی تصدیقات ہیں۔ "عرب کا شجاع" مصنفہ فاضل دارالعلوم بنوری ٹاؤن کراچی)

۷) گیارہویں کی روٹی، حلوہ، چاول خنزیر سے بھی برا ہے۔
(جواہر القرآن از غلام خان مماتی دیوبندی)

۸) محفل میلاد النبی ﷺ کا انعقاد بدعت ہے۔
(فتاویٰ رشیدیہ صفحہ:۱۱۵)

۹) حضور ﷺ کے والد کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔
(فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۰۴)

۱۰) رحمۃ اللعالمین نبی پاک ہی نہیں بلکہ دیگر انبیاء و اولیاء اور علماء ربانیین (علماء دیوبند) بھی رحمۃ اللعالمین ہیں۔
(فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۰۴)

۱۱) صحابہ کی بے ادبی کرنا گناہ ہے، کفر نہیں۔
(فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۰۹)

۱۲) حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ کبیرہ سرزد ہوا۔
(فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۵۰)

معترض صاحب "بغل میں چھری منہ میں رام رام، گدھے پر شیر کی کھال ڈالنے سے گدھا شیر نہیں بن جاتا" آیئے! دیوبند کی تاریخ دیکھئے، دارالعلوم دیوبند کو معرض وجود میں آئے ڈیڑھ صدی گزر رہی ہے۔

اسی لئے گذشتہ ایام میں ڈیڑھ سو سالہ جشن دارالعلوم دیوبند منایا گیا۔ وہ الگ بات ہے کہ جشن میلاد النبی ﷺ دیوبندیوں کے نزدیک بدعت ہے۔ کیا اب بھی آپ کو اپنی عمر کا اندازہ نہ ہوا؟ آپ کے بقول فتنہ بریلویت 1857ء کی پیدائش ہے تو اپنا کیا خیال ہے۔

بریلویت کسی نئے مذہب کا نام نہیں یہ تو ایک نسب ہے جو عاشق رسول امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دینی خدمات کے حوالے سے عاشقوں نے قائم کی ہے ورنہ ہمارا مذہب نیا نہیں ہم اہل سنت وجماعت ہیں۔ دیوبندی، وہابی، نجدی نہیں اور بریلوی کی نسبت اسی طرح ہے جس طرح چشتی، گولڑوی، اجمیری ورنہ ہر یارسول اللہ کہنے والا سنی ہے۔

آیئے اپنے نئے مذہب کے وہ گندے عقیدے دیکھئے جنہیں لکھتے ہوئے میرا قلم کانپ رہا ہے لیکن نقل کفر کفر نباشد۔

دیوبندی عقائد:

۱) نبی (پاک) مر کر مٹی میں مل گئے ہیں۔
(تقویۃ الایمان از شاہ اسماعیل دہلوی امام الوہابیہ صفحہ ۴۵)

۲) جیسا علم نبی پاک کا ہے ایسا تو جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ (حفظ الایمان، اشرف علی تھانوی صفحہ ۱۰،۱۱)

۳) نماز میں نبی کا خیال گدھے کے خیال سے برا ہے۔
(صراط مستقیم، از شاہ اسماعیل دہلوی صفحہ ۱۳۶)

۴) تمام انبیاء و اولیاء اس کے حضور ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔ (تقویۃ الایمان صفحہ ۴۲)

۵) ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان صفحہ ۱۱)

۶) جس کا نام محمد و علی ہے اسے کسی چیز کا اختیار نہیں۔
(تقویۃ الایمان)

۷) اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے۔
(فتاویٰ رشیدیہ، براہین قاطعہ از خلیل احمد انبیٹھوی صفحہ ۶)

۸) شیطان حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی صورت میں آسکتا ہے۔
(افاضات یومیہ، ج۶ صفحہ ۳۷ از اشرف علی تھانوی)

۹) ہم نے خواب میں دیکھا حضرت فاطمہ نے ہمیں سینے سے لگالیا۔
(افاضات یومیہ اشرف علی تھانوی جلد ۲ صفحہ ۳۷)

۱۰) حضور اکرم ﷺ نے اردو زبان دارالعلوم دیوبند میں سیکھی۔ (براہین قاطعہ صفحہ ۳۰)

۱۱) میں نے نبی پاک کو پل صراط سے گزرتے دیکھا تو انہیں گرنے سے بچالیا۔
(بلغۃ الحیران مصنفہ حسین علی واں بھچراں استاد غلام اللہ خان آف راولپنڈی)

۱۲) جب بندہ کوئی کام کر لیتا ہے اس کے بعد اللہ کو پتہ چلتا ہے کہ بندے نے کیا کیا ہے (بلغۃ الحیران)

۱۳) حضور اکرم ﷺ بحیثیت بشریت تمام بنی نوع انسان کے برابر ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

۱۴) نبی علیہ السلام کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے۔
(براہین قاطعہ صفحہ ۵۵)

یہ چند تحریریں بطور نمونہ ہیں ورنہ عقیدہ علماء دیوبند میں اتنی گندگی ہے کہ جس کے تعفن سے ہزاروں لوگوں کا دم گھٹ رہا ہے۔ کیا خادم علماء دیوبند میں جرأت ہے کہ ان عقائد کا اپنے علماء کی کتابوں میں موجودگی کا انکار کر سکیں؟

اعتراض:

"احمد رضا خان کی پیدائش 1856ء میں ہوئی اس

نے ساری زندگی انگریز کی غلامی میں گزاری۔

جواب: افسوس خادم صاحب آپ یہ لکھتے ہوئے کسی کتاب کا حوالہ تو دے دیتے لیکن یہ آپ کا قصور نہیں جن کے آپ خادم ہیں ان کی پرانی ریت ہے اور فاروقی صاحب کی کیسٹ کے علاوہ آپ کو کہیں اور یہ حوالہ نہ ملے گا آیئے! میں ثابت کرتا ہوں کہ انگریز کے غلام تو علماء دیوبند ہیں۔

تذکرۃ الرشید ص:۷۴ پر انگریز دوستی کا نمونہ اپنے ہی امام کے سوانح نگار سے سنئے:

''ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی رشید احمد گنگوہی اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہو گیا یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار کے باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹا رہا اور سرکار پر جان نثاری کے لئے تیار ہو گیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے، چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب زیر ناف گولی کھا کر شہید ہوئے (صفحہ ۷۴، ۷۵)۔

ذرا غور کیجئے! کہ آپ کے رشید احمد گنگوہی، قاسم العلوم قاسم نانوتوی اور حاجی صاحب یہ تمام لوگ انگریز سرکار کے اتنے حمایتی تھے کہ تحریک آزادی کے مجاہدوں کے ساتھ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے اور اپنی انگریز سرکار پر جان نثار کر دی اور ضامن صاحب ''شہید انگریز ہو گئے''۔

سبحان اللہ (آپ کے اکابرین میں ایسے اور بھی کئی شہید ہیں) اب فیصلہ خود کریں کہ انگریز کا غلام کون تھا؟ علاوہ ازیں تذکرۃ الرشید کا ص ۷۳ بھی پڑھئے۔ سوانح نگار لکھتا ہے:

''1859ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی (رشید احمد گنگوہی) پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک ہونے کی تہمت باندھی گئی'' (صفحہ ۷۳)۔

یعنی امام رشید احمد گنگوہی صاحب انگریز کے پکے وفادار اور ایجنٹ تھے اور ان پر الزام لگا اور مجاہدوں کو مفسد قرار دیا اور بتا دیا کہ وہ ان مجاہدوں کے ساتھ شامل نہ تھے بلکہ انگریز کے وفادار تھے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے (ایسٹ انڈیا) کمپنی کے امن و عافیت کے زمانہ کو قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا، فوجیں باغی ہوئیں، حاکم کی نافرمان بنیں، قتل و قتال کا بند بازار کھولا اور جوانمردی کے غرہ میں اپنے پیروں پر خود کلہاڑیاں ماریں۔''

جناب خادم صاحب غور فرمایئے کہ رحم دل انگریز گورنمنٹ کا وفادار کون ہے اور ایسٹ انڈیا نے کسے عافیت بخشی؟ اور انگریزوں کے خلاف جہاد کو بغاوت کا نام کون

جب نبی پاک ﷺ نے اپنے نسب پر فخر کیا تو ماننا پڑے گا کہ آپ ﷺ کے پورے نسب میں کوئی بھی کافر و مشرک نہیں گزرا

دے رہا ہے؟ ایسا کیوں نہ ہو آخر علماء دیوبند تو انگریز کے تنخواہ دار ملازم رہے ہیں۔

مکالمۃ الصدرین مصنفہ مولوی شبیر احمد عثمانی ص ۹ پر ہے:

''تھانوی صاحب کو انگریز سرکار سے چھ روپیہ ماہانہ وظیفہ ملتا تھا''۔ (ایضا، افاضات یومیہ جلد ۶)

اور یہ آپ ہی کے علماء کی انگریز دوستی تھی کہ عطاء اللہ شاہ امیر شریعت آف دیوبند نے کہا:

''ہم پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں''۔

(خطبات احرار ص:۹۹)

جب مسلمانان برصغیر کانگریس کے مکر و فریب سے تنگ آ کر مسلم لیگ کا جھنڈا اٹھا رہے تھے تو دیوبند کے علماء کی طرف سے فتوے آ رہے تھے:

''جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے'' (چمنستان ظفر علی خان ص ۱۶۵)

اور پھر حامیان امیر شریعت علماء دیوبند کا یہ ارشاد بھی دیکھئے کہ جو قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کو کافر اعظم کہتے ہیں۔

یہ قائد اعظم ہے یا کافر اعظم (حیات محمد علی جناح صفحہ ۱۳۱)۔

یہی وہ ہے کہ آج تک کوئی دیوبندی عالم قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر چادر چڑھانے کے لئے نہیں گیا اور دوسری طرف اسماعیل دہلوی صاحب نے فرمایا انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں پہنچی اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں اپنے مذہب کی رو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں۔

(مذاہب الاسلام ص ۲۶۰)۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت سنی علماء انگریز کے خلاف جہاد میں شریک تھے۔ امام احمد رضا خان کے والد مولانا نقی علی خان کی مسجد مجاہدین کا مرکز تھا اور 1857ء کی جنگ آزادی میں مفتی عنایت احمد کاکوروی جنرل بخت خان کی فوج میں سالار کی حیثیت سے لڑے۔

(تذکرہ کاملان رام پور ص:۱۱۲)

اور اسی پاداش میں جزیرہ انڈمان میں قید کئے گئے۔ انہی کے قافلہ میں مولانا فیض احمد بدایونی، شہید حریت مفتی رسول بخش کاکوروی، مولانا وہاج الدین، مولانا معین الدین اجمیری جیسے لوگ انگریز کے خلاف جہاد کر رہے تھے اور دیوبند کا کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ قائد اعظم کو کافر اعظم کہنے والے کانگری ملایہ کہہ رہے تھے:

''دس ہزار محمد علی جناح نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔'' (چمنستان ظفر علی خان ص ۱۶۵)

اور پھر دیوبند کے اکابر تو ہندوؤں سے اس قدر قربت رکھتے تھے کہ مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگا کر ہندوؤں کی ارتھی کو کندھا تک دینے لگ گئے اور جئے کے نعرے اور پیشانی پر قشقہ تک لگانا شروع کر دیا (افاضات یومیہ ج ۶ ص ۲۵۵ جلد ۴ ص ۷۰۶)۔

اپنی کتاب کے صفحہ ۵۷۵ پر فتوی دیتے ہیں کہ ہندوؤں کی پوڑیاں، ہولی اور دیوالی کا حلوہ کھانا اور کھیلیں جو ہندو بطور تحفہ دیں وہ لینا اور کھانا درست ہے اور ص:۵۷۶ پر آپ سے سوال ہوتا ہے کہ ہندو جو پیاؤ (سبیل) پانی کو لگاتے ہیں سودی روپیہ صرف کر کے مسلمانوں کو اس کا پانی پینا درست ہے یا نہیں؟ اس کا جواب دیتے ہیں۔

''اس پیاؤ (سبیل) سے پانی پینا مضائقہ نہیں''۔

آپ کے علماء کی یہی ہند محبت تھی کہ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن کے موقع پر اندرا گاندھی منبر رسول پر ساڑھی پہنے ہوئے بیٹھی اور داڑھی والے علمائے دیوبند نیچے اس کے چرنوں میں بیٹھے رہے۔ ان گاندھی کے چیلوں کی محبت ہی تھی کہ دو قومی نظریئے کے خلاف جب ''ملت از وطن است'' کا نعرہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب نے لگایا تو علامہ اقبال نے خوبصورت پیرائے میں جواب دیا، ملاحظہ ہو دیوان اقبال کی رباعی ص:۴۹ پر ہے:

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر زمقام محمد عربی است
بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ است
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

یعنی عجم نے ابھی تک دین کے رموز نہیں جانے ورنہ دیو بند کے حسین احمد مدنی کی یہ کیا بے وقوفی ہے کہ منبر پر (ناچ) کر کہتا ہے کہ ملت وطن سے ہے یہ نبی پاک ﷺ کے مقام سے کتنا بے خبر ہے، اپنے آپ کو نبی پاک ﷺ تک پہنچا کہ دین دراصل یہی ہے اگر تو ان تک نہ پہنچا تو مکمل بولہبی ہے۔

جناب خادم صاحب اختصار پیش نظر ہے ورنہ کئی دفتر درکار ہیں آپ کے علمائے دیو بند کے سیاہ کارناموں سے پردہ اٹھانے کے لئے۔

اعتراض: احمد رضا خان بریلوی کا استاد مرزا کا بھائی تھا؟۔

جواب: تھوڑی سی زحمت فرما لیتے کسی مستند کتاب کا حوالہ دے دیتے تاکہ ہمیں بھی پتہ چلتا کہ آپ میں کتنا دم خم ہے لیکن کیا کریں سوائے فاروقی صاحب کی کیسٹ کے کہ جس میں انہوں نے علمائے اہل سنت کے خلاف زہر اگلا ہے آپ کے پاس کوئی حوالہ نہیں اور فاروقی صاحب بھی یہ حوالے پیٹ میں ہی لے کر اگلے جہان سدھار گئے۔

مرزا قادیانی کے بھائی کا نام مرزا غلام قادر ہے۔

(سیرت مہدی، حیات طیبہ)

آپ ہمت کر کے امام احمد رضا کے اساتذہ میں مرزا غلام قادر کا نام دکھا دیں، مرزا غلام قادر تو گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ تھا۔

(حیات طیبہ از مرزا عبد القادر)

پھر وہ آپ کا استاد کیسے ہو سکتا ہے، صرف ۱۸۵۶ء میں ولادت کی وجہ سے مرزا کا بھائی آپ کا استاد بن گیا؟ حالانکہ امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے تمام علوم مروجہ اپنے گھر میں اپنے والد گرامی سے پڑھے اور آپ کی ولادت بریلی شریف یوپی انڈیا میں ہوئی اور مرزا غلام قادر قادیان میں اور پھر گرداسپور میں رہا اور پوری زندگی اس کا بریلی میں جانا ثابت نہیں اور اس کا انتقال ۱۸۸۳ء میں قادیان میں ہوا۔ (حیات طیبہ صفحہ ۲۷)

اور امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کے اساتذہ میں حضرت شاہ آل رسول مارہروی، علامہ احمد بن زینی ہلال مفتی مکہ، علامہ عبد الرحمٰن مکی، علامہ حسین بن صالح علی اور حضرت مولانا شاہ ابو الحسین احمد نوری شامل ہیں۔

دوسرا مرزا غلام قادر کا انتقال صحیح عقیدہ پر ہوا تھا کیونکہ اس وقت تک مرزا قادیانی نے کوئی باطل دعویٰ نہ کیا تھا اس کا پہلا باطل دعویٰ مجددیت ۱۸۸۳ء میں ہوا اور اس کے بعد کہیں اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا قادیانی کے ابتدائی دور زندگی میں جب اس نے عباسیوں اور آریاؤں کے خلاف کام کیا تو بہت سارے اکابر دین نے اس کے کاموں کو سراہا لیکن جب اس نے شہرت پا کر بعد میں دعویٰ نبوت کیا، تو تب پہلا فتویٰ اس کے خلاف دینے والی شخصیت امام احمد رضا کی تھی، لیکن آیئے اپنے گھر کی خبر لیجئے کہ مرزا صاحب سے آپ کے بزرگ اس کے باطل دعویٰ کے بعد کس قدر پیار کرتے ہیں۔

اپنے بزرگوں کے مرزا قادیانی سے تعلقات کی داستان خود مرزا کے بیٹے سے سنیے۔ مرزا بشیر احمد، مرزا قادیانی کے حالات زندگی پر مشتمل کتاب سیرت مہدی میں اور حیات طیبہ صفحہ: ۳۶۹ پر مرزا عبد القادر لکھتا ہے۔ انہی دنوں جبکہ حضور (مرزا صاحب) خدام سمیت اپنے باغ میں قیام پذیر تھے، مولانا ابو الکلام آزاد کے بھائی ابو النصر صاحب قادیان میں تشریف لائے۔ وہ جو اثرات اپنے دل میں لے کر گئے ان کا ذکر انہوں نے اخبار "وکیل" امرتسر میں شائع کیا وہ لکھتے ہیں میں نے اور کیا دیکھا قادیان دیکھا، مرزا صاحب سے ملاقات کی، مہمان رہا۔ مرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہئے، میرے منہ میں حرارت کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے اور میں شور غذائیں کھا نہیں سکتا تھا مرزا صاحب نے (جبکہ دفعتاً گھر سے باہر تشریف لے آئے تھے) دودھ اور پاؤ تجویز فرمائی۔

آج کل مرزا صاحب قادیان سے باہر ایک وسیع اور مناسب باغ میں (جو خود انہیں کی ملکیت ہے) قیام پذیر ہیں۔ بزرگان ملت بھی وہیں ہیں، قادیان کی آبادی تقریباً تین ہزار آدمیوں کی ہے مگر رونق اور چہل پہل بہت ہے، بلند عمارت تمام بستی میں صرف ایک ہی عمارت ہے، رستے کچے اور ناہموار ہیں بالخصوص وہ سڑک جو بٹالہ سے قادیان تک آتی ہے اپنی نوعیت میں سب پر فوقیت لے گئی ہے، آتے ہوئے رستہ میں مجھے جس قدر تکلیف ہوئی تھی، نواب صاحب کے رتھ نے لوٹنے کے وقت اس میں نصف کی تخفیف کر دی اگر مرزا صاحب کی ملاقات کا اشتیاق میرے دل میں موجزن نہ ہوتا تو شاید آٹھ میل تو کیا آٹھ قدم بھی آگے نہ بڑھ سکتا۔ اکرام ضیف کی صفت خاص اشخاص تک محدود نہ تھی، چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر ایک نے بھائی کا سلوک کیا اور مولانا حاجی حکیم نور الدین صاحب جن کے اسم گرامی سے تمام انڈیا واقف ہے اور مولانا عبد الکریم جن کی تقریر کی پنجاب میں دھوم ہے۔ مولوی مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر "بدر" جن کی تحریروں سے کتنے انگریز یورپ میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ مرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا اثر بہت قوی ہوتا ہے، آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے اور باتوں میں ملائمت ہے، طبیعت منکسر مگر حکومت خیز، مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا، بردباری کی شان نے انکساری کی کیفیت میں اعتدال پیدا کر دیا ہے، گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا مبتسم ہیں، رنگ گورا ہے، بالوں کو حنا کا رنگ دیتے ہیں، جسم مضبوط اور محنتی ہے، سر پر پنجابی وضع کی سفید پگڑی باندھتے ہیں، پاؤں میں جراب اور دیسی جوتی ہوتی ہے، عمر تقریباً 66 (چھیاسٹھ) سال کی ہے۔ مرزا صاحب کے مریدوں میں میں نے بڑی عقیدت دیکھی اور انہیں خوش اعتقاد پایا۔ میری موجودگی میں بہت سے معزز مہمان آئے ہوئے تھے جن کی ارادت بڑے پایہ کی تھی اور بے حد عقیدت مند تھے۔ مرزا صاحب کی وسیع الاخلاقی کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ ہے کہ اثنائے قیام کی متواتر نوازشوں کے خاتمہ پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقع دیا کہ

ہم آپ کو اس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتے قیام کریں (اس وقت کا تبسم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے) میں جس شوق کو لے کر گیا تھا ساتھ لایا اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لے جائے۔

واقعی مجھے قادیان نے اس جملہ کو اچھی طرح سمجھایا ہے:

"وحسن خلقک ولو مع الکفار"۔

کیوں جناب خادم دیو بند صاحب آپ کے علماء مرزا کے دعویٰ نبوت کے بعد بھی اتنے مداح کیوں؟ نبی سے بیر اور گستاخ سے دوستی۔۔۔۔۔

"یا بے ایمانی، تیرا ہی آسرا"۔

اعتراض:

احمد رضا خان نے وصیت کی کہ میرے دین پر عمل کرنا یہ ہر فرض سے اہم فرض ہے تو اس سے پتا چلا کہ اس کا اپنا بنایا ہوا دین تھا۔

جواب: پہلا جواب الزامی ہے کہ اپنے گھر کی خبر لیجئے: مرثیہ ص: ۱۳ پر آپ کے شیخ الہند محمود الحسن صاحب نے لکھا ہے:

پھرے تھے کعبہ میں ڈھونڈتے گنگوہ کا راستہ

پھر صفحہ:۲۴ پر لکھتے ہیں:

اس کی آواز تھی یا بانگ خلیل الٰہی
کہہ کے لبیک چلے اہل عرب اہل عجم
(ص:۲۴)

خود بتایئے کہ آپ دیوبندیوں کا کعبہ تو گنگوہ میں ہے پھر آپ کے بانی مذہب خلیل احمد صاحب نے جو تحریر کی اس کے متعلق "المہند" ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں:

جس کو مولانا خلیل احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے واقعی اس قابل ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جاوے اور ان سب کو مذہب قرار دیا جاوے۔

اور یہ بھی پڑھتے جایئے، رشید احمد صاحب کیا کہتے ہیں:

"سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد (گنگوہی) کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میری اتباع پر"
(تذکرۃ الرشید ج۲ ص۱۷)

خادم صاحب کیا خیال ہے احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نیا دین لے کر آئے یا کہ آپ کے علماء دیوبند کہ جن کا کعبہ "گنگوہ" بھی نیا اور جن کا مقام یہ ہے کہ نجات ان کی اتباع پر موقوف ہے حالانکہ یہ مقام کسی مولوی کا نہیں، نبی اور رسول کا ہے۔

اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ فرشتے قبر میں سوال کریں گے "**ما دی نک**" کہ اے مردے تیرا دین کیا ہے تو اس وقت فرشتوں کے سوال پر مومن مردہ جواب دے گا **دینی الاسلام** کہ میرا دین اسلام ہے۔

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جواب دینے والا کامیاب ہوگا۔ تو کیا خیال ہے جناب کا فرشتوں کا سوال اور اس کا جواب غلط تو نہیں؟ جو کہے گا "میرا دین" تو جس طرح ادھر میرا کہنے سے اس مردے کا کوئی نیا دین نہیں اس طرح احمد رضا بریلوی کے کہنے سے کسی نئے دین کی بنیاد نہیں بنی۔

اعتراض:

بخاری شریف کی روایت ہے:

یلقی ابراھیم اباہ آزر یوم القیامۃ ...الخ

"قیامت کو اب ابراہیم کو آگ میں پھینکا جائے گا"۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ کا والد کافر ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر بھی "اب" سے مراد چچا ہے نہ کہ والد تفصیل گزر چکی ہے اور قرآن میں لفظ "اب" کا معنی مفسرین نے چچا لیا تو درست ہے تو ادھر بھی وہی تاویل کریں گے کہ ابراہیم کے چچا آزر کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔۔۔۔ الخ

سوال:

"اگر ابیہ سے مراد چچا ہے تو چچا کو جہنم میں پھینکنے سے ابراہیم علیہ السلام کو رسوائی نہیں ہوتی ہاں اگر والد ہے تو تب رسوائی ہوتی ہے۔۔۔ الخ"

جواب:

یہ کہاں سے قانون وقاعدہ اخذ کیا ہے؟ اگر نقلی ہے تو حوالہ دیجئے اور اگر عقلی ہے تو "**والسلام علی من اتبع الھدی**"۔

اعتراض: خادم علماء دیوبند ص:۵ پر محقق علماء کی رائے آزر کی تحقیق کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

چونکہ تاریخ اور توراۃ دونوں ابراہیم کے والد کا نام تارح

نافرمان شخص نبی کا بیٹا نہیں ہو سکتا تو ایک کافر ومشرک شخص آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد کیسے ہوسکتا ہے

بتاتے ہیں اور قرآن آزر کہتا ہے اس لئے علمائے مفسرین نے اس مسئلہ کی تحقیق میں دو راہیں اختیار کی ہیں"۔

۱) ایسی صورت کی جائے کہ دونوں ناموں کے درمیان مطابقت ہو جائے اور یہ اختلاف جاتا رہے۔

۲) تحقیق کر کے فیصلہ کن بات کہی جائے کہ ان دونوں میں کون صحیح ہے اور کون غلط یا دونوں صحیح ہیں مگر دو جدا جدا ہستیوں کے نام ہیں۔

جواب:

ماشاء اللہ! حضرت صاحب نے وہی بات کہی جس کے ہم متلاشی تھے، واقعی ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ پہلی صورت میں دونوں ناموں میں ہم نے تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا اور تارخ آپ کے والد گرامی ہیں اور لفظ "اب" کا مجازی معنی مراد لیا جائے گا، اس طرح تاریخ اور قرآن کا اختلاف جاتا رہے گا اور یہ تحقیق اجل علماء ومفسرین کے بھی مطابق ہوگی جنہوں نے صراحتاً ذکر کیا ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا (کما مر)۔

اور دوسری صورت میں ہم کہتے ہیں کہ قرآن وتاریخ دونوں صحیح ہیں اور آزر اور تارخ الگ الگ ہیں آزر جناب ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے اور تارخ آپ کے والد گرامی کا نام ہے۔

اب اگر دونوں (قرآن وتاریخ وتوراۃ) کو صحیح قرار دیا جائے تو آزر بت کا نام نہیں ہوسکتا وگرنہ اختلاف نہیں جائے گا۔ اختلاف اسی صورت ختم کیا جاسکتا ہے کہ جب آزر ابراہیم کے چچا کا نام اور تارخ آپ کے والد کا نام مانا جائے۔

خادم صاحب ص:۱ پر لکھتے ہیں کہ آزر اور تارخ ابراہیم کے والد کے دو نام ہیں مثل یعقوب واسرائیل کے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں ابیہ آزر سے مراد چچا تب لیتے کہ اگر پہلے قرآن میں عم آزر ہوتا کیونکہ مجازی معنی تو تب مراد لیتے ہیں کہ جب پہلے حقیقی معنی موجود ہوتا ہے پھر صفحہ:۵ پر تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت سے وابستہ ہیں تارخ علم (اسمی) ہے اور آزر علم وصفی (وصفی نام) ہے اور تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آزر اس بت کا نام ہے تارخ جس کا پجاری تھا۔

پھر آخر میں لکھتے ہیں قرآن وحدیث سے ثابت ہوا کہ ابراہیم کا والد کافر تھا۔ صفحہ:۱ پر لکھتے ہیں نسابین اور مورخین کے نزدیک نام تارخ ہے۔ یہ بات کہ ان کا نام تارح ہے ضعیف ہے۔ ایسی باتوں کا تعلق یہود ونصاریٰ کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے قرآن کی صراحت کے مقابلے میں ان باتوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

اقول: لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

آپ کے کہنے کے مطابق یعقوب واسرائیل دو نام ہیں شخصیت ایک ہے، کیا قرآن نے تارخ وآزر دو نام ذکر کئے ہیں؟ حالانکہ یعقوب واسرائیل دونوں کو ذکر کیا گیا ہے۔ کیا کہیں ہے کہ آزر جس کا علم وصفی ہے وہ تارخ ہے؟ پھر خود علماء کی تحقیق کو بیان کرتے ہیں کہ آزر بت کا نام ہے اور تارح ابراہیم کے والد کا اور کہیں کہتے ہیں کہ تارخ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہونا ضعیف ہے اور قرآن کے مقابلے میں ان باتوں کا اعتبار نہیں۔

تو پھر فوراً قرآن کی صراحت کے خلاف بت کا نام آزر کیسے مان لیا؟ اگر کہو کہ یہ مفسرین کی رائے ہے تو ان اجل مفسرین کی رائے اور محققین کی تحقیق اور ان روایات واحادیث کثیرہ کا کیا جواب دو گے کہ جن سے ثابت ہو چکا کہ آزر کسی صورت میں جناب ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں کیونکہ کوئی کافر شخص نبی کا والد نہیں ہوسکتا، لہٰذا یہی ماننا پڑے گا:

"آزر آپ علیہ السلام کے چچا کا نام ہے اور تارخ آپ کے والد گرامی کا نام ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ کامل مومن اور موحد تھے"۔

☆☆☆

فخر موجودات رسالت مآب ﷺ

کی پیش گوئیاں اور بشارتیں قرآن مبین کی روشنی میں

اہل کفر و باطل قرآن پاک کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے

تحقیق و تحریر: صاحبزادہ محمد سعید احمد بدر قادری

قرآن مبین کی سورہ حم سجدہ کی آیات نمبر 41،42 میں فرمان الٰہی ہے کہ:

وانه لکتاب عزیز. لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه. تنزیل من حکیم حمید.

''اور بے شک وہ عزت والی کتاب ہے باطل کو اس کی طرف راہ نہیں، نہ اس کے آگے سے، نہ اس کے پیچھے سے، اُتارا ہوا حکمت والے سب خوبیوں کے سراہے کا''۔

(کنزالایمان: امام احمد رضا خاں)

مولانا نعیم الدین مراد آبادی تشریح کرتے ہیں کہ اس کتاب میں بدیوں کی نیکیوں سے دفع کرنے کی خصلت موجود ہے اور کسی طرح اور کسی جہت سے باطل اس تک راہ نہیں پا سکتا۔ وہ تغیر و تبدل اور کمی و بیشی و زیادتی سے محفوظ ہے، شیطان اس میں تصرف کی قدرت نہیں رکھتا۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اس آیت میں عموم ہے لہٰذا دنیا بھر کے انسان اور جنات سب مل کر بھی قرآن حمید و حکیم میں کسی قسم کی تبدیلی یا تغیر یا کمی بیشی نہیں کر سکتے، چنانچہ روافض نے اس میں کچھ اجزا کو بڑھانا چاہا اور کچھ کو گھٹانا چاہا لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔

حضرت زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **یاتیه الباطل من بین یدیه** سے مراد اس میں کمی کرنا ہے، **یاتیه الباطل من خلفه** سے مراد اس میں اضافہ کرنا ہے، قرآن عظیم کمی اور بیشی دونوں سے محفوظ و مامون ہے۔

فلسفہ قدیم ''**باطل من بین یدیه**'' اور فلسفہ جدید (**باطل من خلفه**) نے بہت کوشش کی اور حیلے کئے لیکن قرآن حکیم کے مقابل نہ ٹھہر سکے، نہ فلسفہ قدیم نے اس میں کچھ کم کیا یا گھٹایا اور نہ فلسفہ جدید نے اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے باوجود اس میں کچھ اضافہ کیا۔ قرآن ایسی مکمل و اکمل کتاب ہے کہ اس میں کسی کو دخل کی اجازت ہی نہیں۔ فلسفہ قدیم کی بنیاد غور و فکر، تحقیق و تدقیق اور معمولات سے مجہولات تک رسائی تھی کیونکہ اس دور میں انسان عہد حاضرہ کے وسیع تجرباتی مشاہداتی وسائل سے محروم تھا۔ آلات کی جدید فوج ظہور پذیر نہ ہوئی تھی۔ اس لئے حکماء و فلاسفہ کا سب سے بڑا رہنما قیاس تھا اور ظاہر ہے کہ قیاسی نتائج میں قطعیت کا تصور پیدا نہیں ہوتا۔

فلسفہ جدید میں غور و فکر، تحقیق و تدقیق اور تنقید کے پہلو بہ پہلو تجربات و مشاہدات ہم عنان دکھائی دیتے ہیں بلکہ تجربات و مشاہدات کا میدان جس قدر وسیع تر ہوتا جاتا ہے، اسی قدر افکار و خیالات اور تھیوریز (Theories) میں کون و فسخ اور ردّ و قبول کا عمل سرعت کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ عناصر میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے، اس لئے فلسفہ جدید ہو یا قدیم وہ انسانی افکار و مشاہدات اور تجربات کا امتزاج ہے جس کے اصول و فروع ہر نئی تحقیق کے سامنے چراغ رہ گزر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

بقول حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

حضور نبی اکرم ﷺ کے معاملہ میں حریفوں کی ناکامی:

قرآن ایسی مکمل و اکمل کتاب ہے کہ اس میں کسی کو دخل کی اجازت ہی نہیں

قرآن عظیم و کریم کی سورہ الانفال کی آیہ نمبر 30 میں فرمایا گیا ہے کہ

واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر المکرین.

کنزالایمان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

''اور اے محبوب ﷺ یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے''۔

محترم نعیم الدیم مراد آبادی اس آیت مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اس آیت میں ایک واقعہ کا بیان ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا کہ کفار قریش دارالندوہ (کمیٹی گھر) میں رسول اللہ ﷺ کی نسبت مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے اور ابلیس لعین ایک بوڑھے کی صورت میں آیا اور کہنے لگا میں شیخ نجد ہوں، مجھے تمہارے اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو میں چلا آیا۔ مجھ سے کچھ نہ چھپانا، میں تمہارا رفیق ہوں''۔

چنانچہ سید عالم ﷺ کے متعلق رائے زنی شروع ہوئی۔ ابوالبختری نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد ﷺ کو پکڑ کر ایک مکان میں قید کر دو اور مضبوط بندشوں سے باندھ دو، صرف ایک سوراخ چھوڑ دو جس سے کبھی کھانا اور پانی دیا جائے اور وہیں وہ ہلاک ہو کر رہ جائیں، اس پر شیطان لعین

اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر برباد نہیں ہونے دیتا

جوتقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اسے دین ودنیا کے انعامات سے نوازتا ہے

جو شیخ بخدی بنا ہوا تھا، بہت ناخوش ہوا اور کہا نہایت ناقص رائے ہے۔ یہ خبر جب مشہور ہوگی تو ان کے اصحاب آئیں گے اور تم سے مقابلہ کریں گے اور ان کو چھڑا لیں گے، پھر ہشام بن عمرو کھڑا ہوا اس نے کہا کہ "میری رائے ہے کہ ان کو اونٹ پر سوار کر کے شہر سے نکال دو پھر وہ کچھ بھی کریں اس سے تم کو کچھ ضرر نہیں"۔ ابلیس نے اس رائے کو بھی ناپسند کیا اور کہا جس شخص نے تمہارے ہوش اڑا دیئے ہیں اور تمہارے دانش مندوں کو حیران بنا دیا ہے۔ اس کو تم دوسروں کی طرف بھیجتے ہو، تم سے اس کی شیریں کلامی، زبانی دلکشی نہیں دیکھی ہے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ دوسری قوم کے قلوب تسخیر کر کے ان لوگوں کے ساتھ تم پر چڑھائی کریں گے۔ اس مجمع میں سے کسی نے کہا کہ شیخ نجدی کی رائے ٹھیک ہے اس پر ابوجہل کھڑا ہوا۔ اس نے یہ رائے دی کہ "ہر ہر خاندان سے ایک ایک عالی نسب جوان منتخب کیا جائے اور ان کو تیز تلواریں دی جائیں، وہ سب یکبارگی حضرت پر حملہ آور ہو کر قتل کر دیں تو بنی ہاشم قریش کے تمام قبائل سے لڑ نہ سکیں گے۔ غایت یہ ہے کہ خون کا معاوضہ دینا پڑے گا، وہ دے دیا جائے گا، ابلیس لعین نے اس تجویز کو پسند کیا اور ابوجہل کی بہت تعریف کی اور اسی تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ گوش گزار کیا کہ حضور اپنی خواب گاہ میں شب کو نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اذن دیا ہے مدینہ طیبہ کا عزم فرمائیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علی مرتضےٰ ؓ کو شب میں اپنی خواب گاہ میں سونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہماری چادر شریف اوڑھو، تمہیں کوئی ناگوار بات پیش نہ آئے گی۔ حضور ﷺ دولت سرائے اقدس سے باہر تشریف لائے اور ایک مشت خاک دست مبارک میں لی اور آیت انا جعلنا فی اعنا قھم اغلالا ۔۔۔ پڑھ کر محاصرہ کرنے والوں پر ماری جو سب کی آنکھوں اور سروں تک پہنچی۔ سب اندھے ہو گئے اور حضور ﷺ کو نہ دیکھ سکے اور آپ مع ابوبکر صدیق ؓ کے غار ثور میں تشریف لے گئے۔ مشرکین رات بھر سید عالم کے گھر کا پہرا دیتے رہے صبح کو جب قتل کے ارادہ سے حملہ آور ہوئے تو دیکھا وہاں تو حضرت علی ؓ موجود ہیں ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں معلوم نہیں۔ تلاش کے لئے نکلے جب غار پر پہنچے تو لکڑی کے جالے کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر اس میں داخل ہوتے تو یہ جالے باقی نہ رہتے۔ حضور ﷺ اس غار میں تین روز ٹھہرے، پھر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

ایک اور محقق لکھتے ہیں کہ:

اس آیت میں پانچ پیش گوئیاں کی گئی ہیں۔

1 کفار کا خفیہ تدبیر کرنا
2 قید کرنے کا ارادہ کرنا
3 قتل کی سازش کرنا
4 شہر سے باہر نکالنے کا منصوبہ
5 خدائے تعالیٰ کا آپ کی حفاظت کے لئے مؤثر تدبیر کرنا

چنانچہ کفار کا اپنے ارادہ میں ناکام ہونا اور حضور ﷺ کا آخر تک قتل یا قید سے محفوظ و مامون رہنا، چشم عالم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ کفار کی ہر تدبیر کے باوجود محفوظ رہے۔ بہر حال یہ پانچوں پیش گوئیاں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں۔ کفار کی تمام تدابیر ناکام ٹھہریں۔ اللہ کی تدبیر کامیابی سے ہمکنار ہوئی جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ کفار نے اپنا اجلاس منعقد کیا جس میں مشہور سرداران قریش، ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن شیبہ، طعیمہ بن علای، نصر بن حارث، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن السور، نبیہ بن منبہ، انبا حجاج، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب، جبرین معطم، حکیم بن خرام، شریک اور شیخ بخدی پریذیڈنٹ تھا، لیکن کفار کی تمام تدبیریں کارگر نہ ہوئیں اور وہ خاسر دناکام ٹھہرے۔

تنگ دستی کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم غنی ہو جائیں گے:

سورہ التوبہ کی آیت نمبر 28 میں ارشاد ربانی ہے۔

وان خفتم عیلة فسوف یغنیکم الله من فضله ان شاء.

ترجمہ از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ:

"اور اگر تمہیں محتاجی کا ڈر ہے تو عنقریب اللہ تمہیں دولت مند کر دے گا، اپنے فضل سے اگر چاہے"۔

مولانا نعیم الدین مراد آبادی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عکرمہ نے کہا کہ ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے انہیں غنی کر دیا۔ بارشیں خوب ہوئیں، پیداوار کثرت سے ہوئی"۔

مقاتل نے کہا ہے کہ خطہ ہائے یمن کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے اہل مکہ پر کثیر دولتیں خرچ کیں۔ "اگر چاہے میں تعلیم دی گئی ہے۔ دراصل بندے کو چاہیئے کہ طلب خیر اور دفع آفات کے لئے اللہ کی طرف توجہ دے اور تمام امور کو اسی کی مشیت جانے"۔

سبھی جانتے ہیں کہ ملک عرب زرعی ملک نہیں، ریگستان پر مشتمل ہے، وہاں کے لوگوں کی آمدنی کا دارومدار تجارت پر ہے۔ نومسلموں کو یہ اندیشہ تھا کہ غیر مسلموں سے معاشی و تجارتی تعلقات منقطع ہو گئے تو کھائیں گے کہاں سے؟ اس آیت میں مسلمانوں کو اطمینان دلایا گیا ہے۔ دراصل یہ اطمینان اس دور کے مسلمانوں کے لئے بھی تھا کہ اس وقت مسلمانوں کی مالی حالت بہت پتلی تھی اور یہ فرمان آنے والے دور سے بھی متعلق تھا۔

چنانچہ وعدہ خداوندی پیشین گوئی کے عین مطابق پورا ہوا ان تاجروں کو اللہ تعالیٰ نے مسلمان کر دیا۔ سامان تجارت بکثرت آنے لگا۔ ادھر بارشیں خوب ہوئیں، پیداوار میں اضافہ ہوا، فتوحات کے دروازے کھل گئے اور مال غنیمت آنے لگا۔ اہل کتاب سے جزیہ کی رقم وصول ہونے لگی۔ غرض مشیت نے ہر طرح کے اسباب غنا جمع کر دئے۔

سَوۡف جب فعل مضارع پر آتا ہے تو مضارع کو حال کے معنیٰ سے نکال کر مستقبل بعید کے معنیٰ میں بدل دیتا ہے۔ چنانچہ یہ پیش گوئی انقراض عہد نبوت کے بعد پوری ہوئی۔ صحابہ کی دولت مندی اور غنا کا یہ حال تھا کہ ان کو اپنی دولت کا خود بھی ٹھیک سے اندازہ نہ تھا۔ عبدالرحمٰن قریشی الزہری کا جب انتقال ہوا تو ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں اور ایک سو گھوڑے موجود تھے۔ نقد اور مال واسباب اس کے علاوہ تھا، ان کی ایک عورت کو 3\8 کے حساب سے اسی ہزار روپیہ نقد رقم دی گئی۔ ابو محمد طلحہ بن عبداللہ کے لنگر میں ایک ہزار درق روزانہ کے مصارف تھے۔ حضرت زبیر بن العوام کے ایک ہزار غلام تھے لیکن ایک حبہ اپنے پاس نہ رہنے دیتے تھے۔ بعد کے مسلمان بھی بے حد امیر ہو گئے، ایران و شام، مصر و مراکش فتح ہوئے تو مسلمان مالا مال ہو گئے۔ وہ محتاجی جاتی رہی جس سے وہ پریشان تھے۔

مہاجرین کے لئے وسعت اور کشادگی:

قرآن عظیم کی سورہ النساء کی آیت نمبر 100 میں

صحیح مقاصد کے لئے کی گئی ہجرت وسعت وکشادگی کا باعث بنتی ہے

غزوہ بدر کے بعد ہر آنے والا دن کشادگی اور وسعت لایا

ارشاد ہوتا ہے کہ

ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مرغما کثیرا و سعة

اس کے ترجمہ میں امام احمد رضا خاں فرماتے ہیں:

''اور جو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے گا، وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش پائے گا''۔

مکہ کی فضا اہل ایمان کے لئے بہت تنگ تھی۔ ان پر بے دریغ ظلم و ستم کئے جا رہے تھے، عسرت اور افلاس نے انہیں گھیر رکھا تھا۔ غربت اور بے چارگی ان پر سایہ فگن تھی، ہر طرف مجبوریاں ہی مجبوریاں تھیں۔ ایسے حالات میں وسعت اور کشادگی کی بشارت دی گئی جو بہت بڑی بات تھی، جبکہ ظاہر اسباب ناپید تھے۔ کہیں دور دور تک بہتری کے آثار دکھائی نہ دے رہے تھے، کہیں سے امید بر آنے کی توقع نہ تھی۔

کنز الایمان میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اس آیت کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلی آیت جب نازل ہوئی تو جندع بن ضمرہ نے اس آیت کو سنا۔ جدع بہت بوڑھے تھے۔ کہنے لگے میں مستثنیٰ لوگوں میں تو ہوں نہیں کیونکہ میرے پاس اتنا مال ہے کہ میں مدینہ ہجرت کر کے پہنچ سکتا ہوں۔ خدا کی قسم! مکہ مکرمہ میں اب ایک رات نہ ٹھہروں گا۔ مجھے لے چلو۔ چنانچہ ان کو چارپائی پر لٹا کر لے کر چلے۔ مقام تنعیم میں پہنچ کر ان کا انتقال ہو گیا۔ آخر وقت میں انہوں نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور کہا ''یا رب! یہ ہاتھ تیرا تیرے رسول کا، میں اس پر بیعت کرتا ہوں، جس پر تیرے رسول نے بیعت کی۔ یہ خبر پا کر صحابہ کرام نے فرمایا اے کاش! وہ مدینہ پہنچ جاتے تو ان کا اجر کتنا بڑا ہوتا۔ مشرک اس پر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ جس مطلب کے لئے نکلے تھے وہ پورا نہ ہوا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

گویا اللہ تعالیٰ نے بشارت دے دی کہ خواہ وہ کوئی بھی ہو، جو ہجرت کے لئے نکلا وہ نجات پا گیا اور اس کے لئے روئے زمین پر کشادگی اور وسعت ہو گئی''۔

دنیا نے دیکھا کہ ہجرت جو بے چارگی اور بے بسی کا نقطۂ عروج تھا، وہ اہل ایمان کے لئے شاندار کامیابیوں کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا۔ ماہ و سال اور شب و روز گزر گئے اور کاروانِ اسلام نے بلندیوں اور افقوں کی جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ مکہ کے بے بس اور لاچار اب مدینہ میں خود مختار تھے اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مہاجرین و انصار میں باہمی اخوت اور بھائی چارے کا وہ عظیم الشان رشتہ قائم ہوا جس کی دنیا میں مثال ہی نہیں ملتی۔ جنگ بدر کی فتح نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کر دیئے۔ اس کے بعد ہر آنے والا دن کشادگی اور وسعت لایا۔ آخر صرف 8 سال بعد مکہ فتح ہو گیا اور تمام عرب میں اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ اس کے بعد شام و مصر اور ایران و عراق کے ممالک فتح ہوئے اور مسلمانوں کے خوش حالی کا دور آ گیا۔

اس طرح قرآن کی پیش گوئی حرف بحرف درست نکلی۔

مظلوم مہاجرین کے لئے دین و دنیا میں اچھے ٹھکانے:

سورۃ النحل کی آیت نمبر 41 میں ارشاد الٰہیہ ہے کہ

والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ماظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنة. ولاجر الآخرة اکبر لو کانو یعلمون ہ

''اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے مظلوم ہو کر، ضرور ہم ان کو دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور بے شک آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے۔ کسی طرح لوگ جانتے''۔

قتادہ نے کہا کہ یہ آیت اصحاب رسول ﷺ کے حق میں نازل ہوئی جن پر اہل مکہ نے بہت ظلم کئے اور انہیں دین کی خاطر وطن چھوڑنا پڑا۔ ان میں سے بعض حبشہ چلے گئے اور بعض مدینہ شریف کو ہجرت کر گئے۔ مدینہ طیبہ کو مسلمانوں کے لئے دار الہجرت بنایا گیا۔

اس آیت مبارکہ میں اہل ہجرت کے لئے دو وعدے کئے گئے۔ اول جیسا کہ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے بیان فرمایا ہے کہ ہم ان مہاجرین کو دنیا میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ ان کو اچھی جگہ دیں گے۔ چنانچہ مہاجرین کو مدینہ پہنچ کر اچھی جگہ مل گئی۔ عزت و وقار ملا، سکون اور اطمینان نصیب ہوا۔ نئی ریاست قائم ہوئی اور حکمرانی ملی۔ یہی ریاست آخر پھلی پھولی اور دور دراز تک پہنچ گئی۔

دوسرا اجر آخرت کا اجر ہے جو اجر کبیر ہے۔ ہجرت کے فوائد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ مثال دی ہے۔ ''جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے اللہ اسے دین و دنیا کے انعامات سے نوازتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر برباد نہیں ہونے دیتا۔ گویا دنیا میں جب بھی صحیح مقاصد کے لئے ہجرت کی گئی، وہ ہمیشہ خیر و برکت اور وسعت و کشادگی اور آرام و آسائش کا سبب ٹھہری۔ 947ء میں پاکستان بنا تو جو لٹے پٹے لاکھوں مسلمان پاکستان ہجرت کر کے آئے۔ آج خوش حال ہیں اور پر سکون زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں آباد مسلمانوں سے کہیں زیادہ بہتر حالت میں ہیں۔

☆☆☆

مسلمان حکمران اپنے دشمنوں کو قوم کا خون پلا رہے ہیں اور گوشت کھلا رہے ہیں۔ مذہب کو کمزور کرنے کے لئے مذہبی لبادے میں ہمفرے تلاش کئے جا رہے ہیں، وقت آ پہنچا ہے کہ زمین کا باطن زمین کے ظاہر سے اچھا ہو گیا ہے اور ظاہر ہے زمین میں رہنے والے زمین پر رہنے والوں سے اچھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمانے بھر کے وحشی مزاروں کی امن گاہوں میں بسنے والوں کے درپے ہو گئے۔ فوجی بھی اور غیر فوجی بھی، قلم در دست مفتی بھی اور بندوق بردوش مجاہد بھی۔ خدارا انہیں کوئی بتائے یہ تو تمہارے محسن ہیں اور ان کے مزار ادھیڑنے سے انہیں کیا ملے گا۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب:

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضےٰ **جرمنی**

مہاجرین و انصار میں رشتہ اخوت کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی

محقق عصر

مفتی محمد خان قادری

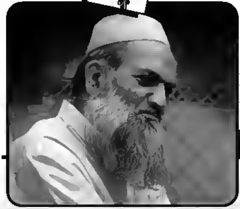

انٹرویو پینل: ڈاکٹر منظور حسین اختر، ابومحی الدین

اس ماہ جس شخصیت کا انٹرویو قارئین ''دلیل راہ'' کے لئے پیش کیا جارہا ہے وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔
علم وتحقیق کی دنیا میں آپ کا نام سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی زندگی کے شب و روز وادی علم کی خاک چھاننے میں گزرے ہیں۔ شعوری خطاب، شعوری گفتگو، شعوری تحریر ان کا خاصہ ہے بلکہ وہ تو سب انسانوں کے لئے شعوری زندگی کے متمنی ہیں۔ میری مراد سینکڑوں کتب کے مصنف اور مترجم محقق عصر مفتی محمد خان قادری ہیں۔ جب ہم نے آپ سے پوچھا کہ اپنی تصنیفات کی بجائے ترجموں پر زور کیوں؟ تو ان کا جواب دل میں رقم کرنے کے قابل ہے فرمایا: ''میری کیا حیثیت کہ لوگ مجھے پڑھیں، میں تو اپنی قوم کا تعلق پرانے بزرگوں سے جوڑنا چاہتا ہوں''۔ دراصل یہ تمنا ''خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم'' کے گلشن کی خوشہ چینی ہے اور اہل اللہ کی یہی خواہش رہی ہے۔ جبھی تو شاہ جی نے بھی ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ لوگو! پرانے ہو جاؤ، اتنے پرانے کہ دور رسول کی یاد تازہ ہو جائے''۔

دین رسول ﷺ کا پرچم بلند کرنے کے لئے کوئی تحریک ہو یا مذہبی پروگرام، تقریر کا میدان ہو یا تحریر کی خلوت گاہ، ہم ہر جگہ مفتی صاحب کو صف اول میں کھڑا دیکھتے ہیں۔ تحریک نظام مصطفےٰ سے لے کر تادم تحریر، ہر تحریک میں امتیازی حیثیت سے شمولیت کی۔ آپ کے علمی تبحر کو مخالفین نے بھی تسلیم کیا۔ جبھی تو آپ کے دلائل سے اہل حدیث مکتب فکر کے ڈاکٹر اسرار احمد اور اہل دیوبند کے مناظر مولانا سرفراز گکھڑوی جیسے لوگوں کو اپنا نقطہ نظر تبدیل کرنا پڑا۔

یہی وہ علماء ہیں جن کے قلموں کی سیاہی بروز قیامت شہیدوں کے لہو سے زیادہ اجر آور ہوگی، جن کے لئے آسمانوں میں فرشتے، فضاؤں میں پرندے، سمندروں میں مچھلیاں اور زمین پر چیونٹیاں بھی دعائیں کرتی ہیں، جن کے ایک مرتبہ قبرستان سے گزرنے پر قبر والوں کا عذاب ختم ہو جاتا ہے، جن کی کوششوں سے دینِ اسلام کی تعلیمات نکھر کر سامنے آجاتی ہیں۔ مسلک حق اہل سنت وجماعت کو چند خطباء اور چند موضوعات کی گرفت سے نکالنا انہی علماء حق کا کام ہے، ورنہ کئی لوگ شکوک وشبہات کا شکار ہو کر اس سچے اور سُچے مسلک کو چھوڑ بیٹھتے۔

مفتی صاحب قبلہ کی زندگی نشیب و فراز، تحرک، محنت، تجربہ سے بھری ہے۔ آپ نے زندگی میں محبت بھی دیکھی اور محبت والوں کی بے وفائی بھی دیکھی، دینِ اسلام کے نام پر دنیا کمانے والوں کو بھی دیکھا اور دین کے نام پر جاں لٹانے والوں کو بھی دیکھا۔۔۔ تو آیئے!!! کیوں نہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان کے کلام سے مستفید ہوں۔۔۔۔ (ادارہ)

☆ تاریخ پیدائش اور مقام پیدائش

❁ اصل تاریخ پیدائش تو یاد نہیں کیونکہ تاریخوں کا اتنا رواج نہ تھا، بہرحال بزرگ کہتے ہیں کہ پاکستان بننے کے دو سال بعد پیدائش ہوئی یعنی 1949 میں ضلع نارووال کے ایک سرحدی علاقے بیریاں کلاں میں پیدا ہوا۔

☆ والدین کے متعلق

❁ والد صاحب کسان تھے۔ پاکستان بننے کے بعد جموں کے علاقہ سے ہجرت کی۔ ہمیں اکثر ہجرت کے واقعات سناتے۔ بھارتی فوجیوں کی قتل و غارت گری کے واقعات سنا کر افسردہ ہو جاتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بھارتی فوجیوں نے اس قدر لوٹ مار کی کہ علاقہ کے درخت تک کاٹ ڈالے۔ ہمارے رشتہ کی ایک خالہ جب بھی کسی جہاز یا پٹاخہ کی آواز سنتیں تو دہشت زدہ ہو جاتیں اور کہتیں کہ بھارتی فوجیوں کے ظلم و ستم کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ والد صاحب ہجرت کے بعد اپنے علاقہ کو یاد کرتے اور کہتے کہ ہمیں یہاں سب کچھ مل گیا ہے لیکن وہاں کی غیرت نہیں ملی۔

☆ ابتدائی تعلیم اور تعلیم کے مختلف مراحل؟

❁ عصری تعلیم کے حوالے سے صرف مڈل تک پڑھ سکا۔ اس وقت ہمارے علاقے میں دور دراز تک کوئی سکول

مجھے نماز کے لئے اٹھا دیا کرو ورنہ میرے شیخ کو جگانے کے لئے آنا پڑتا ہے

نہ تھا۔ 6,5 میل پیدل چل کر سکول جاتا اس طرح مڈل تک پڑھا۔ میرے ماموں ایک مسجد کے امام تھے اور دینی تعلیم کا شوق رکھتے تھے۔ معاشرہ میں ان کی خاصی عزت تھی۔ انہوں نے دینی تعلیم کے لئے میرے والد کا اور میرا ذہن بنایا۔ اس وقت ہمارے ہاں یہی تاثر پایا جاتا تھا کہ دینی مدارس میں یتیم بچے ہی پڑھتے ہیں۔ بہرحال ماموں نے بصد اصرار مجھے جامعہ حنفیہ دو دروازہ سیالکوٹ میں داخل کروا دیا۔ جب مدرسہ میں صرف ونحو کے رٹے لگوائے گئے اور مجھے کچھ سمجھ نہ آیا تو میں گھر واپس آگیا، لیکن ماموں کے سمجھانے اور اصرار کرنے پر دوبارہ پڑھنے کیلئے آمادہ ہو گیا۔ چونکہ میں پورے گاؤں میں اکیلا تھا جو درس نظامی کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ایک عالم دین مولانا محمد صدیق نے بھکھی شریف جانے کا مشورہ دیا۔ وہاں پہنچا تو رجب شریف کا مہینہ تھا اور بھکھی شریف میں رجب کے مہینہ میں چھٹیاں ہوتیں تھیں، چنانچہ وہاں کے ایک متعلم مولانا غلام محمد چشتی چکوال میں چوا سیدن شاہ کے علاقے سلوئی شریف میں حافظ غلام احمد چشتی (جو کہ پیر سید مہر علی

افسوس کہ آج نام ہیں لیکن ادارے موجود نہیں

میرے خیال میں تنظیم المدارس کا نصاب بدلنا چاہیئے

شاہ علیہ الرحمہ کے مرید تھے) کے مدرسہ میں لے آئے تاکہ چھٹیوں میں میرا وقت ضائع نہ ہو۔ مولانا حافظ غلام احمد قبلہ باواجی فارسی کے ماہر تھے اور عجب بات کہ ان کے ادارے کا نام بھی کچھ نہ تھا۔ افسوس کہ آج نام ہیں لیکن ادارے موجود نہیں۔ اس وقت نام کی پرواہ کئے بغیر کام پر توجہ ہوتی تھی۔ حافظ غلام احمد کے مدرسہ میں تیس سے زائد طلبا زیر تعلیم رہتے۔ جن میں نابینا طلبا بھی تھے، لیکن 93 سال کی عمر میں بھی حافظ صاحب اکیلے سب بچوں کو سبق پڑھاتے۔ نظم ونسق کا یہ عالم تھا کہ تہجد کی نماز کے وقت تک سب بچوں کا سبق سن چکے ہوتے۔ عید کے روز بھی پڑھانے سے چھٹی نہ کرتے۔ شفقت ایسی کہ کبھی کسی بچے کو تھپڑ بھی نہ مارا۔ روٹی اور پیاز سے کھانا کھاتے۔ اپنے شیخ یعنی حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ سے اتنا گہرا رابطہ تھا کہ لوگوں سے کہتے کہ مجھے نماز عصر کے لئے اٹھا دیا کرو ورنہ میرے شیخ کو جگانے کے لئے آنا پڑتا ہے اور انہیں اس طرح تکلیف ہوتی ہے۔ حافظ صاحب مکمل طور پر درسیات نہیں پڑھے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مرزائی مبلغ گاؤں (سلوئی شریف) میں آ گیا اور اس نے حافظ صاحب کو مناظرے کا چیلنج کر دیا۔ حافظ صاحب نے حضرت پیر گولڑوی کو یاد کیا۔ فرماتے ہیں کہ کانوں میں اعلیٰ حضرت گولڑوی کی آواز آئی کہ اسے کہو کہ مرزا کی نبوت پر کوئی قرآنی آیت سناؤ۔ اس مرزائی مبلغ نے آیت کریمہ **اولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین.... (الآیہ)** پڑھی۔ پیر صاحب گولڑوی کی آواز پھر آئی کہ اسے کہو کہ اس آیت کی شان نزول کیا ہے؟ اس پر مرزائی مبلغ گھبرا گیا۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں پس میں جان گیا کہ شان نزول میں ہی کوئی ایسا راز ہے جس نے مرزائی مبلغ کو پریشان کر دیا ہے، چنانچہ گھر میں تفسیر حسینی کا ایک نسخہ تھا وہ منگوایا اور مندرجہ بالا آیت کا شان نزول پڑھا۔

حافظ صاحب کو اپنے شیخ سے جتنی محبت تھی اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رات کے وقت ایک مجذوب آیا اور کہنے لگا کہ مجھ سے سودا کرو۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگا کہ "جنت لے لو اور پیر مہر علی شاہ دے دو"۔ میں نے انکار کیا تو وہ مجذوب تین راتیں مسلسل آتا رہا اور کہتا رہا کہ جنت لے لو اور مہر علی شاہ دے دو اور میں مسلسل انکار کرتا رہا۔

نماز، روزہ دیگر عبادات کے علاوہ حافظ صاحب سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ عصر کی نماز کے بعد بچوں کو ساتھ لے کر لوگوں کی گزرگاہوں کو درست کرتے کیونکہ وہ پہاڑی علاقہ تھا اس لئے راستوں سے پتھر ہٹاتے اور لوگوں کے لئے راستہ صاف کرتے۔ چواسیدن شاہ سے سلوئی تک آپ نے سڑک بنوائی۔ گاؤں میں واقع پرائمری سکول کو ہائی سکول بنوایا۔ آپ کا مزار چواسیدن شاہ میں ہیں۔

بہر حال حافظ صاحب سے فارسی پڑھنے کے بعد تقریباً ایک سال تین ماہ میں قرآن پاک حفظ کیا اور پھر بھکھی شریف میں شرح جامی تک پڑھا۔ علی پور شریف میں پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے پوتے پیر سید اختر حسین شاہ سے پڑھا۔ اس کے بعد 1972-73 میں جامعہ غوثیہ لالہ موسیٰ آ گیا۔ اس جامعہ میں سکول، حفظ و قرأت، درسیات وغیرہ بہت سے شعبہ جات تھے لیکن افسوس کہ چند بے وقوفوں کی وجہ سے سارا جامعہ تباہ ہو گیا۔ ان دنوں اس جامعہ سے متصل جامع مسجد میں مولانا محمد عمر اچھروی بھی جمعہ پڑھاتے رہے، یہی پر حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے لاہور آنے کا کہا، چنانچہ جامعہ نظامیہ میں داخلہ لیا۔ شرف صاحب درسیات کے ماہر تھے۔ جامعہ نظامیہ لاہور میں ہی مولانا محمد اشرف سیالوی اور مفتی عبدالقیوم ہزاروی سے حدیث شریف پڑھی۔

☆ فن خطابت کی طرف کیسے آئے؟

❁ دوران تدریس لالہ موسیٰ کے جامعہ غوثیہ میں جمعہ پڑھاتا رہا۔ جامعہ نظامیہ میں تعلیم کے دوران بھی لالہ موسیٰ جا کر جمعہ پڑھاتا، پھر 1979-80 میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور مفتی عبدالقیوم ہزاروی نے شادمان مسجد کی خطابت کے لئے مجھے چنا۔ یہ جیل کی کچی مسجد تھی، پھر یہاں پر ہم نے کام شروع کیا۔ پہلے مفتی غلام سرور قادری کا درس شروع کروایا، پھر مسجد کے قریب ہی ڈاکٹر محمد علی کے گھر ڈاکٹر طاہر القادری کا درس قرآن شروع کروایا۔ ڈاکٹر طاہر القادری کے 13 درس ڈاکٹر محمد علی کے گھر ہوئے جبکہ 14 واں درس مسجد میں کروایا۔ اس کے بعد ادارہ منہاج القرآن بنایا۔ منہاج القرآن نام میرا ہی رکھا ہوا ہے۔ منہاج القرآن کی تشکیل کے وقت ممبر بننے کی شرائط پر مفتی عبدالقیوم ہزاروی نے فرمایا کہ منہاج القرآن کا ممبر صرف سنی ہی بنے گا جبکہ دیگر احباب کا خیال تھا کہ سب ہی ممبر بن سکتے ہیں، اس بات پر مفتی عبدالقیوم ہزاروی نے ادارہ منہاج القرآن کا ساتھ چھوڑ دیا۔ منہاج القرآن کا اس دور کا پورا ریکارڈ میرے پاس موجود ہے۔

☆ بیعت کب اور کس سے ہوئے؟

❁ 1983 میں سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوا۔

☆ مرشد منتخب کرنے کی وجہ؟

❁ پیر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کے علوم عطا فرمائے تھے۔ آپ ہر ملنے والے سے اس کی استطاعت اور دلچسپی کے مطابق گفتگو فرماتے۔ ایک مرتبہ لاہور میں پرانی ٹکٹوں کی نمائش تھی۔ علم ہوا کہ اس نمائش کا افتتاح پیر صاحب کریں گے۔ میں سمجھا کہ منتظمین نمائش پیر صاحب کے مریدین یا عقیدت مند ہوں گے، اس لئے حصول

شفقت ایسی کہ کبھی کسی بچے کو تھپڑ بھی نہ مارا

برکت کے لئے ان سے افتتاح کروار ہے ہوں گے لیکن پوچھنے پر منتظمین نے بتایا کہ ہماری ساری نمائش کی ٹکٹوں سے زیادہ پیر صاحب کے پاس ٹکٹیں موجود ہیں اور اصولی طور پر جس کے پاس زیادہ ٹکٹیں ہوں وہی نمائش کا افتتاح کر سکتا ہے۔اسی طرح جب حکیم سعید کے ساتھ آپ کی ملاقات ہوئی تو آپ ادویات پر سیر حاصل گفتگو فرماتے۔ ہاکی کے معروف کھلاڑی اختر رسول سے ملاقات کے دوران ہاکی کے کھیل اور کھلاڑیوں کے متعلق گفتگو فرماتے۔اکثر اوقات ہر سوال کے جواب میں قرآنی آیت تلاوت فرماتے، گویا وقت کی نبض پر ہاتھ تھا اور ہمیشہ شعوری گفتگو فرماتے۔آپ حنفی المذہب تھے امام اعظم ابوحنیفہ کے فقہ پر عمل فرماتے۔

☆ تنظیم المدارس کے نصاب میں عصری علوم داخل کرنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

❁ عصری علوم نہایت ضروری ہیں۔ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم پڑھے ہوئے علماء دین کی خدمت زیادہ اور بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔ دینی مدارس میں عصری علوم پڑھائے جانے کا زبردست حامی ہوں اور میرے خیال میں اس وقت تک دینی مدارس کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک وہ وقت کی آواز کو نہ سمجھیں۔ ہمارے ادارہ ''جامعہ اسلامیہ لاہور'' میں دینی اور عصری علوم کی بیک وقت تعلیم دی جاتی ہے اور ہمارے ایک طالب علم نے پنجاب یونیورسٹی کا 125 سالہ ریکارڈ توڑا ہے۔

☆ دینی کارکن کو پیش آمدہ رکاوٹوں کے موقع پر کیا کرنا چاہیے اور دینی مخلص کارکن کے لئے کوئی سبق؟

❁ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب تک صحیح شعور نہ آئے کسی مذہبی سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ اسلام توازن کا نام ہے، جب تک شعور بالغ نہ ہو کسی جماعت سے وابستگی بعض اوقات جمود وتباہی کا باعث بن جاتا ہے۔بہر حال دینی و سیاسی لیڈروں کو مندرجہ ذیل انسانی اقدار کا خیال رکھنا چاہیے:

1۔ انسانیت کو جوڑنا
2۔ بے روزگاری کا خاتمہ
3۔ دکھوں کو بانٹنا
4۔ ہمیشہ سچ بولنا
5۔ خیانت نہ کرنا
6۔ مظلوم کے ساتھ تعاون
7۔ مہمان نوازی
8۔ وعدہ پورا کرنا

ہمارے ہاں کچھ عبادات تو ہیں مگر یہ انسانی قدریں ختم ہو گئیں ہیں۔

☆ اتحاد بین المسلمین کا حقیقی تصور کیا ہے؟

❁ اتحاد بین المسلمین کا سختی سے قائل ہوں۔ میرے نزدیک فرقہ واریت کی وباء میں سب قصوروار ہیں اور اسے دور کرنے کے لئے عملی جدوجہد ابھی تک نہیں ہوئی۔ اکٹھے بیٹھ کر اس مسئلہ کا حل نکالا جا سکتا ہے مثلاً دیو بندیوں اور بریلویوں کے درمیان صرف 5 عبارات پر اختلاف ہے باہمی اتحاد کے لئے ان عبارات کو بدل دینا چاہیے، اسی طرح غیر مقلدین کو یہ باور کرایا جائے کہ ہم آئمہ کو خدا نہیں سمجھتے تم ان کا احترام کرو۔ بہر حال عملی پیش رفت و شنید اور اکٹھے بیٹھنے کی ضرورت ہے۔

☆ اتحاد بین اہل السنۃ

❁ اہل سنت و جماعت کا آپس میں اتحاد ضرور ہو گا دراصل ہمارے لوگ ناداں تو ہو سکتے ہیں لیکن ''عیار'' نہیں ہیں اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اہل سنت کسی کافر کی جھولی میں نہیں ہیں۔

☆ مختلف جہادی تنظیموں کے فلسفۂ جہاد سے اختلاف ہے یا اتفاق؟ کیا جہاد سٹیٹ کر سکتی ہے یا گروپ بھی کر سکتے ہیں؟

❁ سب سے بڑا دہشت گرد امریکہ اور اس کے اتحادی ہیں۔ پوری دنیا میں مسلمانوں نے ایک بالشت زمین پر بھی قبضہ نہیں کیا، بہر حال جہاد کے لئے شرائط ہیں۔ ایسا نہیں کہ جہاں چاہو کھڑے ہو جاؤ مثلاً افغانستان، عراق، فلسطین اور کشمیر میں جہاد جائز ہے لیکن پاکستان میں جائز نہیں، پروفیسر طاہر القادری کے فتویٰ سے برأت کا اظہار کرتا ہوں، انہوں نے صرف پاکستان کے حالات سامنے رکھیں ہیں کفار کا ظلم و ستم ان سے مخفی رہا۔

☆ کیا آپ نے عملی طور پر سیاست میں حصہ لیا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا سیاست کے میدان میں علماء اور مذہبی طبقہ کو آنا چاہیے؟

❁ سیاست عبادت ہے۔ جو اسے نباہ سکتا ہو وہ ضرور سیاست میں آئے تاکہ بدمعاشوں کے لئے راستے کھلے نہ رہیں۔

☆ تقریر کے لئے مطالعہ کرنے کو کیسا سمجھتے ہیں؟

❁ میں تو تقریر کے علاوہ عام بات چیت کے لئے بھی مطالعہ ضروری تصور کرتا ہوں۔

☆ ایک اچھے خطیب کی خصوصیات کیا ہیں۔ آپ کو اپنی ہی خطابت اچھی لگتی ہے یا کسی اور سے بھی متاثر ہیں؟

❁ صاحب علم وتقویٰ ہو' کم علم لوگوں کو چپ کرا دو فرقہ داریت ختم ہو جائے گی''۔ میں یہاں یہ پیغام ضرور دینا چاہوں گا کہ ہم لوگ مساجد کے میناروں پر جو رقم خرچ کرتے ہیں ہمیں چاہیے کہ علماء کی خدمت کریں تاکہ علماء یکسو ہو کر دین کی خدمت کر سکیں۔ اصل میں مسجد میناروں کی بجائے خطیب و امام نے آباد کرنی ہوتی ہے۔

☆ زندگی میں کون کون سی یادگار تحریکیں دیکھیں اور کن کن میں حصہ لیا؟

❁ تحریک نظام مصطفٰے سے ہر تحریک میں حصہ لیا۔

☆ ازدواجی زندگی

❁ شادی 1974 میں ہوئی۔ 3 بیٹے اور 2 بیٹیاں ہیں۔ بڑا بیٹا میرے ساتھ مدرسے میں پڑھاتا ہے، جبکہ باقی ابھی حصول علم کے مدارج میں ہیں۔

شریعت کی تعبیر متفقہ طور پر حکومت کو پیش کرنا چاہیے

نصاب میں تبدیلی فرمائیں یا مجھے نیا ادارہ بنانے کی اجازت فرمائیں

☆ علماء کے بچے دین کی طرف کیوں نہیں آتے؟

❀ یہی تو المیہ ہے۔ علماء کے راستے میں جو مصائب اور دشواریاں آتی ہیں ان کو دیکھ کر ان کے بچے اس راستے سے بھاگ جاتے ہیں۔ اسی لئے تو بارہا کہتا ہوں کہ علماء کی خدمت کریں، تاکہ وہ یکسو ہو کر دین کی خدمت کرسکیں۔ جب عالم کا بیٹا اپنے باپ پر معاشرتی ناانصافی ہوتے ہوئے دیکھے تو پھر کیسے عالم بنے گا۔

☆ زندگی کا خوبصورت ترین دن؟

❀ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ ابر رحمت چھا گیا، دل میں ایک کیفیت پیدا ہوئی، وہ لمحہ زندگی کا خوبصورت ترین لمحہ تھا۔

☆ زندگی میں کبھی کسی ناکامی کا بھی سامنا کرنا پڑا؟

❀ جب تک دین کو سمجھا نہیں ناکامی ہی ناکامی ہے اور جب سمجھ لیا تو کامیابی ہی کامیابی ہے، دین کو سمجھ کر ناکامی نہیں ہوتی۔

☆ پاکستان کو مضبوط کس طرح بنا سکتے ہیں؟

❀ فیصلوں والے اپنی اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں، خصوصاً مذہبی لوگ اپنی کوتاہیوں پر غور کریں۔ اپنے فرائض کیوں نہیں نبھا رہے؟ اپنی فیلڈ میں رہتے ہوئے اپنے ملک وملت اور دین اسلام کی خدمت ہو سکتی ہے۔

☆ بیرون ممالک کہاں کہاں تشریف لے گئے ہیں؟

❀ حرمین شریفین کے علاوہ بیرون ملک نہیں جاتا۔

☆ کیا کوئی شخص آپ کے ہاتھوں مسلمان بھی ہوا؟

❀ کئی لوگ مسلمان ہوئے لیکن تعداد یاد نہیں کرتا، نہ ہی کوئی ریکارڈ رکھتا ہوں۔

☆ جامعہ اسلامیہ لاہور کی تعمیر کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں؟

❀ منہاج القرآن چھوڑنے کے بعد پریشان تھا۔ وہ میرا مایوسی کا دور تھا، پھر اسلام کو مزید پڑھنے کا خیال آیا اور میری شعوری زندگی شروع ہوئی۔ سلطان نیاز الحسن قادری اور اہل شادمان کے تعاون سے فصیح روڈ نیو مزنگ کے پاس ایک کرایہ کی بلڈنگ میں جامعہ اسلامیہ کی کلاسز کا اجراء کیا پھر ایک دوست الحاج عبدالرشید فاروقی نے ٹھوکر نیاز بیگ میں 13۔کنال جگہ دے دی۔ شادمان کے ساتھیوں سے بات کی انہوں نے فوری طور پر تعمیر کا انتظام کر دیا اور اس طرح تقریباً چھ ماہ میں عالی شان عمارت تعمیر ہو گئی۔ کام کرنے والا کوئی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وسائل کی کمی نہیں ہوتی۔

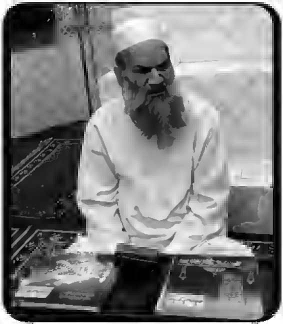

☆ آپ کے مدرسے میں تنظیم المدارس کا نصاب نہیں، آپ کا نصاب کیسا ہے؟

❀ منہاج القرآن چھوڑنے کے بعد مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ نے مجھے بلایا اور جامعہ نظامیہ میں پڑھانے کو کہا میں نے نصاب میں تبدیلی کے متعلق عرض کی

منہاج القرآن نام میرا ہی رکھا ہوا ہے

اور کہا کہ یا تو نصاب میں تبدیلی فرمائیں یا مجھے نیا ادارہ بنانے کی اجازت فرمائیں، چنانچہ انہوں نے نیا ادارہ بنانے کی اجازت دی اور اس طرح ''جامعہ اسلامیہ'' کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ رمضان المبارک میں مفتی عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ نے نصاب کے حوالے سے ایک میٹنگ بلائی۔ اس میں جامعہ اسلامیہ کے نصاب کو پیش کیا گیا تو مفتی عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مجھے جامعہ اسلامیہ لاہور کا نصاب سب سے اچھا لگا ہے، بہر حال میرے خیال میں تنظیم المدارس کا نصاب بدلنا چاہیئے۔

☆ سنا ہے کہ آپ کا سرفراز گکھڑوی سے تحریری مناظرہ ہوا تھا اس کی روداد بیان فرما دیں؟

❀ سرفراز گکھڑوی سے علم غیب پر تحریری گفتگو ہوئی، ازالۃ الریب کے بارے میں۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ اس نے دلائل سے بات کی ہو گی لیکن جب متعلقہ حوالہ جات کا مطالعہ کیا تو علم ہوا کہ اس نے بددیانتی کی ہے اور کانٹ چھانٹ کر عبارات نقل کی ہیں۔ خط لکھا جواب موصول نہ ہوا، تو ان کے گھر چلے گئے۔ خط کا جواب مانگا۔ کہنے لگے کہ بیمار ہوں میرے بیٹے سے مل لیں، چنانچہ گوجرانوالہ میں ان کے بیٹے حافظ عبدالقدوس سے ملے وہ جواب دینے پر رضامند ہو گئے۔ متشابہات کے موضوع پر تحریری گفتگو ہوئی آٹھ مسائل چھیڑے تھے۔ بہر حال وہ مان گئے اور تسلیم کر لیا۔

☆ آپ کا پسندیدہ شاعر اور پسندیدہ شعر؟

❀ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ

☆ تفسیر کبیر کا ترجمہ کہاں تک پہنچا ہے؟

❀ کل اس کے 32۔اجزاء ہیں ان میں تیرہویں کا ترجمہ شروع ہے۔

☆ محبت اور عشق کیا چیز ہے؟

❀ دل وجان کے ساتھ کسی کو چاہنا اور محبوب پر جان نثاری۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے والذین آمنوا اشد حبا للہ ۔۔۔عشق اگلا درجہ ہے۔

☆ زندگی کا وہ حصہ جسے آواز دینے کو جی چاہے؟

❀ مدینہ شریف کی حاضری کے مذکورہ لمحات۔

☆ زندگی میں کسی چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں؟

❀ اب نہیں۔ جب سے دین رسول کی سمجھ آئی ہے کسی شے کی کمی محسوس نہیں کرتا اور یہ بھی عرض کروں کہ امام فخر الدین رازی کو پڑھ کر دین کی سمجھ آئی۔

☆ پسندیدہ موسم؟

❀ ہر موسم ہماری بہتری کے لئے ہی ہے، اس لئے ہر موسم اچھا لگتا ہے البتہ موسم سرما کی طویل راتیں کام کے لئے بہتر ہوتی ہے۔

☆ قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں کون سا دور

وقت کے مطابق تیز ترین سواری پر سوار ہونا حضور ﷺ کی ہی سنت ہے

حکومت اچھا تھا؟

❁ کوئی خاص اچھائی نظر نہیں آئی بہرحال نواز شریف کا دور کچھ بہتر تھا۔

☆ آج کل واپڈا نے قوم کو تنگ کر رکھا ہے بجلی نہ ہوتے ہوئے عملی کام آپ کس طرح نبھاتے ہیں؟

❁ صرف دعا کر سکتا ہوں اور کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کے مسائل حل کرے۔

☆ دیہات اچھے لگتے ہیں یا شہر؟

❁ اللہ جہاں رکھے۔

☆ کامیابی کے لئے کس بات پر یقین رکھتے ہیں؟

❁ شریعت کے مطابق عمل نبھالیں کامیابی ہی کامیابی ہے۔

☆ قبولیتِ دعا کا وقت ہو تو اللہ سے کیا مانگیں گے؟

❁ اللہ سے اللہ ہی کو مانگیں گے۔

☆ آپ کا پسندیدہ لباس؟

❁ جو مل جائے۔

☆ پسندیدہ رنگ؟

❁ سفید

☆ پسندیدہ خوشبو؟

❁ جو لگا دیں۔

☆ پسندیدہ پھول؟

❁ سارے پسند ہیں۔

☆ پسندیدہ جانور؟

❁ گھر میں بلیاں آجائیں تو ان کی خدمت کر دیتا ہوں۔

☆ پسندیدہ پرندہ؟

❁ سب

☆ پسندیدہ پھل؟

❁ جو مل جائے۔

☆ پسندیدہ لیڈر؟

❁ سیرت پڑھ کر کوئی جچتا نہیں۔

☆ پسندیدہ کھیل؟

❁ کھیل صحت کے لئے اچھے ہوتے ہیں، خود حضور ﷺ نے کھیلوں کی سرپرستی فرمائی ہے۔ رکانہ پہلوان سے کشتی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ویسے بھی تیراکی، تیراندازی، گھڑسواری میں حضور ﷺ مشاق تھے۔

☆ پسندیدہ مشروب؟

❁ سب

☆ پسندیدہ سواری؟

❁ جو منزل پر پہنچا دے۔ ایک مرتبہ سیالکوٹ گیا تو دیکھا کہ کچھ لوگ محفل میں گدھوں پر سوار ہو کر آئے، پوچھا تو کہنے لگے کہ گدھے پر سواری حضور ﷺ کی سنت ہے۔ میں نے کہا کہ تمہیں گدھے کی سنت تو یاد آ گئی لیکن یہ نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ اس زمانے کی بلکہ قیامت تک کے زمانے کی تیز ترین سواری یعنی براق اور اس سے بھی بڑھ کر رف رف پر سوار ہوئے ہیں، چنانچہ وقت کے مطابق تیز ترین سواری

پر سوار ہونا حضور ﷺ کی ہی سنت ہے۔ وقت کی نبض پر ہر مسلمان کا ہاتھ ہونا چاہئے۔

☆ پسندیدہ کالم نویس؟

❁ ارشاد احمد حقانی

☆ پسندیدہ اخبار؟

عصر کی نماز کے بعد بچوں کو ساتھ لے کر لوگوں کی گزرگاہوں کو درست کرتے

❁ نوائے وقت کا قاری ہوں۔

☆ زندگی میں کبھی عشق بھی کیا؟

❁ جب شعور نہیں تھا۔

☆ تنہائی اچھی لگتی ہے یا محفل؟

❁ اب تنہائی اچھی لگتی ہے۔

☆ سورج طلوع ہونے کا منظر اچھا لگتا ہے یا غروب ہونے کا؟

❁ کبھی دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔

☆ انسانی زندگی کے بارے میں آپ کا تجزیہ کیا ہے؟ اس میں انسانی ارادہ اور اختیار کی کیا اہمیت ہے؟

❁ انسانی زندگی بڑی قیمتی ہے، بلکہ عمل کے لحاظ سے آخرت کے اربوں سال بھی اس کے برابر نہیں، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اپنے اپنے شعبوں میں ترقی کریں اور محنت سے اپنے فرائض کی بجا آوری کریں۔

☆ پاکستان میں نظام مصطفےٰ نافذ کرنے کے لئے دینی طبقہ کو کس طرح فعال کردار ادا کرنا چاہئے؟

❁ سب سے پہلے تو منزل کا تعین کریں۔ علماء اور دینی طبقہ نے جب منزل کا تعین کر کے عملی جدوجہد کی تو بھٹو جیسے شخص سے قادیانیوں کو اقلیت قرار دلوایا۔ جمعہ کی چھٹی منظور کروائی، شراب کو حرام قرار دلوایا، چنانچہ عملی نظام کو اپنانا چاہئے۔ حکمران ہم سے شریعت کی صحیح تعبیر مانگتے ہیں اس حوالے سے ہم مجرم ہیں۔ ہمیں نظام دینا چاہئے کہ غربت کیسے ختم ہو گی، بجلی کیسے بڑھے گی، دورِ حاضر کے مسائل پر علماء باہم بیٹھیں اور شریعت مطہرہ کے حوالے سے مسائل کا حل پیش کریں۔ حکومت کو بتائیں کہ نظام مصطفےٰ کیا ہے اور اس کی کیا خوبیاں ہیں؟ اس سے ہمارے مسائل کیسے ختم ہو سکتے ہیں۔ شریعت کی تعبیر متفقہ طور پر حکومت کو پیش کرنا چاہئے۔

☆ کوئی ایسی بات جو آپ ہمارے سوال کے بغیر کہنا چاہیں؟

❁ علم و تحقیق کا دامن نہ چھوڑیں۔ اپنے اپنے کردار پر نظرثانی کریں۔ عقیدے کی باتیں دلائل سے کریں۔ دلائل کی زبان بولیں۔ ہمارے مذہب میں دلائل کی کمی نہیں الحمدللہ دلائل صف در صف کھڑے ہیں۔ عملی طور پر یکجہتی کی پیش رفت کریں۔

☆ کوئی سو سال بعد یہ انٹرویو پڑھے تو اسے آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

❁ یہی کہنا چاہوں گا کہ اسلام کو سمجھا جائے کہ اسلام ہے کیا؟ یہ جوش و خروش کا مسئلہ نہیں ہے۔ جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے تو میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام انسانی قدروں سے شروع ہوتا ہے، جن کا ذکر اوپر کیا ہے، اس کے بعد دیگر احکامات کی باری آتی ہے۔ ☆☆☆

جنت لے لو اور پیر مہر علی شاہ دے دو

انوارِ مسرور کیفی اور نعتیہ ادب کی زندہ تحریک

مصطفیٰ جانِ رحمت وشمع بزم ہدایت ﷺ کی خوشہ چینوں اور مدحت گزاروں کے نعت قبیلے میں حضرت مسرور کیفی بھی منفرد انداز سے پہچانے جاتے تھے۔ صالح محمد، مسرور کیفی 28۔فروری 1928 کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ مسرور کیفی کا تعلق کچھی میمن برادری سے تھا۔ 1976ء میں روضہ رسول کے پہلے بلاوے نے زندگی میں نیا انقلاب برپا کردیا۔ وہ ہر سال ایک نیا نعتیہ مجموعہ کلام بارگاہ رسول میں پیش کرنے لگے جتنے مجموعہ ہائے کلام شائع ہوئے اتنی ہی بار انہیں بارگاہ رسالت میں حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا۔ کراچی ہی میں بروز جمعرات بوقت سہ پہر چار بجے جنوری 2003ء کو وفات پائی۔ انہیں کچھی میمن قبرستان عثمان آباد کراچی میں سپرد خاک کیا گیا۔ اولاً ان کے کثیر نعتیہ مجموعہ ہائے کلام شعبہ نعت میں اہمیت کے حامل ہیں۔ ثانیاً ان کی تخلیق کردہ طویل نعتیہ نظم ''نعت نگار'' جس میں نعتیہ خدمات انجام دینے والوں کے لئے ایک ایک شعر کہا ہے۔ ثانیاً ''اردو نعتیہ ادب کی زندہ تحریک'' مرحوم نعت گو شعرائے کرام کے مجموعہ ہائے کلام کی مسلسل اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا جس کے تحت مرحوم شعراء کے مجموعہ ہائے کلام زیور طباعت سے آراستہ ہوئے۔

شہزاد احمد
ریسرچ سکالر شعبہ علوم اسلامی جامعہ کراچی

1۔ چراغِ حرا:

مسرور کیفی کا سب سے پہلا نعتیہ مجموعہ کلام ''چراغ حرا'' (مطبوعہ عروج ادب کراچی، جنوری 1978ء) شائع ہوا۔ مسرور کیفی نے ''چراغ حرا'' کے استعارے سے حرا کے مسند نشیں کے حضور نعتوں کے نذرانے پیش کیے۔ چراغِ حرا اور حقیقت حرا کا چاند ہے اور حرا کا چاند دراصل دنیا کا نہ غروب ہونے والا چاند ہے۔ جس نے ساری کائنات کو روشن ومنور کردیا۔

2۔ ملجاد مادا:

مسرور کیفی کا دوسرا نعتیہ مجموعہ کلام ''ملجا وماوا'' (مطبوعہ ادارہ فروغ ادب کراچی، اپریل 1980ء) کے نام سے شائع ہوا۔ ملجاد مادا کی جائے پناہ میں نعتیں کہی گئی ہیں۔ مسرور کیفی نے بارگاہ بے کس پناہ میں اپنی عقیدت ومحبت کے نذرانے سادہ اور عام فہم انداز میں پیش کیے ہیں۔

3۔ جمال حرم:

مسرور کیفی کا تیسرا نعتیہ مجموعہ کلام '' جمالِ حرم'' (مطبوعہ ادارہ فروغ ادب کراچی، جون 1981ء) کے نام سے طبع شدہ ہے۔ ''جمالِ حرم'' کا خوبصورت اور حسین استعارہ اللہ کے رسول کے جمال دل افروز کی جانب لطیف اشارا ہے۔ جمال حرم، جمال طیبہ ﷺ درحقیقت جمال الٰہی جل جلالہ کا مظہر اتم ہیں۔

4۔ مولائے کُل:

مسرور کیفی کا چوتھا نعتیہ مجموعہ کلام ''مولائے کُل'' (مطبوعہ ادارہ فروغِ ادب کراچی، اپریل 1982ء) ہے۔ ''مولائے کُل'' ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے لئے رحمۃ اللعالمین بنا کر مبعوث فرمایا۔ دنیا وآخرت کی بھرپور کامیابی درحقیقت مولائے کُل ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے۔

5۔ نورِ یزداں:

مسرور کیفی کا پانچواں نعتیہ مجموعہ کلام ''نورِ یزداں'' (مطبوعہ ادارہ فروغِ ادب کراچی، اپریل 1983ء) کے نام سے طبع ہوا۔ ''نورِ یزداں'' ﷺ نورِ سبحاں جل جلالہ یعنی نورِ جمال الٰہی کا مصدر ہیں۔ نورِ یزداں سے کامل محبت ہی دراصل نورِ ایماں اور طہارت ایمان میں گری کا سبب ہے۔

6۔ میزابِ رحمت:

مسرور کیفی کا چھٹا نعتیہ مجموعہ کلام '' میزابِ رحمت'' (مطبوعہ ادارہ فروغ ادب کراچی، مارچ 1984ء) میں شائع ہوا۔ ''میزاب رحمت'' سے بظاہر بیت اللہ شریف میں بہنے والا پرنالہ مراد ہے۔ جس سے صرف بارش ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت اللہ کی رحمت بھی برستی ہے۔ باطن میں میزابِ رحمت ﷺ کی رحمت صرف پرنالہ بہنے پر موقوف نہیں بلکہ آپ کی بارگاہ بے کس پناہ میں رحمتوں کا سمندر موجزن ہے۔

7۔ سید الکونین:

مسرور کیفی کا ساتواں نعتیہ مجموعہ کلام ''سید الکونین'' (مطبوعہ ادارہ فروغ ادب کراچی، مارچ 1986ء) میں اشاعت پذیر ہوا۔ ''سید الکونین'' ﷺ کائنات کے سردار ہیں۔ آپ کی شرافت، نجابت، سیادت، صداقت، دیانت، امانت، انسانیت کے لئے نمونہ کامل ہے۔

8۔ سجدۂ حرف:

مسرور کیفی کا آٹھواں نعتیہ مجموعہ کلام ''سجدہ حرف'' (مطبوعہ ادارہ فروغ ادب کراچی، مارچ 1988ء) کے نام سے شائع ہوا۔ ''سجدہ حرف'' بارگاہ رسالت ﷺ میں درحقیقت لفظوں اور حرفوں کا سجدۂ نیاز ہے۔ مسرور کیفی کی مکمل نعتیہ شاعری بارگاہ خیر الانام میں سجدۂ حرف کے مصداق ہیں۔

9۔ حرفِ عطا:

مسرور کیفی کا نواں نعتیہ مجموعہ کلام ''حرفِ عطا'' (مطبوعہ ادارہ فروغِ ادب کراچی، جنوری 1992ء) ہے۔ حرف گویائی کو تاب وتوانائی ان کی عطا سے حاصل ہوتی ہے۔ جس میں آورد کا دخل نہ ہو وہ لفظ ''حرف عطا'' کہلاتے ہیں۔

10۔ آئینۂ انوار:

مسرور کیفی کا دسواں نعتیہ مجموعہ کلام ''آئینۂ انوار'' (مطبوعہ ادارہ فروغ ادب کراچی، جنوری 1993ء) میں اشاعت سے ہم کنار ہوا۔ ''آئینۂ انوار'' مرکز انوار وتجلیات ﷺ سے فیض پاتے ہوئے انوار کا آئینہ بن گیا۔

11۔ نقشِ جمال:

مسرور کیفی کا گیارھواں نعتیہ مجموعہ کلام ''نقشِ جمال'' (مطبوعہ ادارہ فروغ ادب کراچی، 1996ء) میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ نعت کی ریاضت جب برسوں پر محیط ہو تو بلاشبہ ان کا ''نقشِ جمال'' ہی منتشر اوراقِ ہستی کو

مسرور کیفی کا پندرہواں اور ان کی زندگی کا آخری نعتیہ مجموعہ کلام ''دیارِ نور'' ہے

اپنے حصار میں رکھتا ہے۔

12۔عکس تمنا:

مسرور کیفی کا بارہواں نعتیہ مجموعہ کلام ''عکس تمنا'' (مطبوعہ ادارہ فروغ ادب کراچی، اکتوبر 1997ء) میں شائع ہوا۔ان کی یاد جب دل نشیں ہوتو انسان ''عکس تمنا'' کی تصویر بن جاتا ہے۔اس کے روز وشب ان کی تمناؤں کے عکس سے روشن رہتے ہیں۔

13۔نعت نگار (حصہ اول)

مسرور کیفی کا تیرھواں نعتیہ مجموعہ کلام ''نعت نگار حصہ اول'' (مطبوعہ ادارہ فروغ ادب کراچی، اکتوبر 1999ء) میں جلوہ گر ہوا۔ان کے کرم سے جب قلب وسعت پاجاتا ہے تو ایسی ہی یادگار پانچ سو اشعار پر مشتمل نظم قلم زد ہوتی ہے۔شاعر دربارِ رسول ﷺ حسان بن ثابت سے عصر حاضر تک کے اہم اور قابل ذکر شعرا و شخصیات کے بارے میں ایک ایک شعر موجود ہے۔جس میں نعت سے نسبت رکھنے والوں کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

14۔کرم در کرم:

مسرور کیفی کا چودھواں نعتیہ مجموعہ کلام ''کرم در کرم'' (مطبوعہ ادارہ فروغ ادب کراچی، مئی 2000ء) میں اشاعت پذیر ہوا۔ جب کرم مسلسل کے ساتھ بارش برسانے لگیں تو ''کرم در کرم'' کے در کھلتے ہیں۔

15۔ دیارِ نور:

مسرور کیفی کا پندرہواں اور ان کی زندگی کا آخری نعتیہ مجموعہ کلام ''دیار نور'' (مطبوعہ ادارہ فروغ ادب کراچی، جولائی 2002ء) میں منصۂ شہود پر آیا۔حرف عطا اور کرم در کرم کے بعد یعنی اوراق ہستی کے بکھرنے سے پہلے ''دیار نور'' میں پہنچ جاتا ہے۔دیار نور کی وادی اس کا توشۂ آخرت ہے جو اسے نعت کی مسلسل ریاضت کے سبب عطا ہوا۔

16۔ رنگِ ثنا:

مسرور کیفی کا از خود ترتیب دیا ہوا سولہواں نعتیہ مجموعہ کلام ''رنگِ ثنا'' (مطبوعہ کلام ادارہ فروغ ادب کراچی، 2003ء) میں ان کے انتقال کے بعد شائع ہوا۔''نورِ یزداں'' ﷺ نے ''دیار نور'' کے تحفہ کے بعد ''رنگ ثنا'' یعنی ثنا کے رنگوں کو بھی گہرا کر دیا ہے۔

''دیار نور'' اور ''رنگ ثنا'' کے علاوہ یہ تمام حاضریاں ہیں۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں حضرت مسرور کیفی اپنی ہر حاضری پر ایک عدد نعتیہ مجموعہ کلام بارگاہ خیر الانام میں ضرور پیش کرتے تھے۔اگر ایک مجموعہ کلام کا اہتمام نہ ہو سکے تو وہ نعتیہ کتابچہ ہی لے کر بارگاہ قدسیاں میں پیش ہو جاتے تھے۔ان کی بارگاہ رسالت ﷺ میں مزید حاضریاں بھی ملاحظہ کیجئے۔

پہلا کتابچہ ''ہالۂ نور'' مارچ 1985ء، دوسرا کتابچہ ''سلام ان پر'' جون 1998ء ہے۔اس کے علاوہ ممتاز ماہر تعلیم پروفیسر ڈاکٹر سید ابو الخیر کشفی کا مرتب کردہ انتخاب نعت ''سفینۂ نعت'' (مسرور کیفی کے آٹھ نعتیہ مجموعہ ہائے کلام کا منفرد انتخاب) جنوری 1990ء میں بھی مسرور کیفی کی حاضری میں شامل ہے۔

معروف نعت خواں محمد ابرار حسین (شاہ فیصل کالونی کراچی) نے بھی مسرور کیفی کی مقبول نعتوں کا انتخاب ''محمد عربی'' کے نام سے جنوری 2003ء میں ان کے انتقال سے 3 دن پہلے شائع کیا تھا۔مسرور کیفی کے چھوٹے پوتے ارسلان کیفی نے بھی ایک پاکٹ سائز انتخاب نعت ''شافعِ محشر'' کے نام سے مارچ 2003ء میں ان کے چالیسویں کے فاتحہ کے موقع پر پیش کیا تھا۔

راقم شہزاد احمد کا مرتب کردہ ''ارمغان مسرور کیفی'' ابھی تک تشنۂ طبع ہے۔جس میں ان کی زندگی کا تفصیلی احوال اور ان کی شعبہ نعت میں گرانقدر خدمات کے ذکر کے ساتھ ان کے تمام مجموعوں سے انتخاب نعت پیش کیا گیا ہے۔واضح رہے کہ اس میں مسرور کیفی کی تمام مقبول عام نعتیں بھی شامل ہیں۔''مسرور کیفی کی نعتیہ خدمات اور نعتیہ ادب کی زندہ تحریک'' کے عنوان سے راقم الحروف شہزاد احمد کا تفصیلی مضمون ''دنیائے نعت'' کراچی (نعت نمبر) کے سلسلہ نمبر 3۔مارچ 2004ء (مرتب: عزیز الدین خاکی) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

نعتیہ ادب کی زندہ تحریک.

نعتیہ ادب کی زندہ تحریک کے بانی بھی ممتاز و محترم نعت گو شاعر حضرت مسرور کیفی تھے۔مسرور کیفی نے مرحوم نعت گو شعرا کے لئے جو خصوصی کاوشیں کیں۔ان کے صرف نام آپ کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں۔ایثار و خلوص کے ضمن میں اس نوعیت اور اس قبیل کی کوئی دوسری کوشش آپ اردو کے نعتیہ ادب میں مثال کے طور پر بھی پیش نہیں کر سکتے۔مرحوم نعت گو شعرا کی تمام کتب بلا معاوضہ پیش کی جاتی تھیں۔

بزمِ حمد و نعت کراچی کے زیر اہتمام شائع ہونے والی مرحوم نعت گو شعراء کی کتب:

١۔ مرحوم شعیب آبرو فیض آبادی کا نعتیہ مجموعہ کلام ''نظر نظر طیبہ''۔(مطبوعہ بزم حمد و نعت کراچی، ستمبر 1993ء)

٢۔ حضرت محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب نعت ''چراغِ تجلّی''۔

(مطبوعہ بزم حمد و نعت کراچی، اگست 1994ء)

٣۔ مولانا اقبال احمد خان سہیل اعظم گڑھی کا نعتیہ مجموعہ کلام ''موجِ کوثر''۔

(مطبوعہ بزم حمد و نعت کراچی، اگست 1994ء)

حسن خیر اور خلوص و محبت کا یہ سلسلہ تین کتب کی اشاعت کے بعد بند ہو گیا تھا۔

نعت نما۔۔۔۔کے نام سے مسرور کیفی نے پھر دوسرا ادارہ قائم کیا اس کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتب:

١۔ ہادیٔ برحق اسرار عارفی جنوری 1997ء

٢۔ نعتِ نیر نیر حامدی ضیائی اکتوبر 1997ء

٣۔ رنگ نکہت روشنی حکیم عبدالرشید پریمی اجمیری مئی 1998ء

٤۔ دیدۂ نم مولوی حامد بخش بدایونی ستمبر 1999ء

٥۔ حرفِ تمنا عنایت اللہ عنایت فروری 2000ء

٦۔ قندِ مکرر ساجد اسدی (شائع نہ ہو سکی)

جہانِ نعت۔۔۔۔''جہانِ نعت'' کے نام سے مسرور کیفی مرحوم کے چھوٹے بھائی حاجی محمد رمضان میمن نے 2003ء میں ایک ادارہ قائم کیا تھا جس کے تحت انہوں نے مسرور کیفی کی کئی کتب مختصر انداز میں انہی ناموں سے دوبارہ شائع کی ہیں۔وہ ہر سال اپنے بھائی کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔زیر نظر کتاب ''آبشار نور'' بھی اسی سلسلے کی دلنشیں کڑی ہے۔

نعتیہ ادب کی زندہ تحریک کے بانی ممتاز و محترم نعت گو شاعر حضرت مسرور کیفی تھے

''آبشارنور'' (نعتیہ قطعات) جنوری 2010ء

''آبشار نور'' مسرور کیفی کے نعتیہ قطعات پر مشتمل ہے۔ مسرور کیفی نے ساری زندگی سہل ممتنع میں سیدھی سادی شاعری کی۔ ہمیشہ غزل کی ہیئت میں نعتیں کہتے تھے۔ کسی دوسری ہیئت کو نہیں اپنایا۔ البتہ جولائی 2002ء میں جب ان کا پندرھواں نعتیہ مجموعہ کلام ''دیارِ نور'' شائع ہوا تو اس میں پہلی مرتبہ صفحہ 107 سے 112 تک مسرور کیفی کے 18 نعتیہ قطعات بھی اس میں شامل تھے۔ قطعات کی یہ روایت بالکل نئی تھی۔ اس سے پہلے شائع شدہ تمام کتب میں کوئی قطعہ موجود نہیں۔

''آبشار نور'' کا ہر نعتیہ نئی کیفیات کا آئینہ دار ہے۔ یہ تمام قطعات سادگی کا بہترین نمونہ ہیں۔ ''نعت کیا ہے'' کے الفاظ قاری کو اپنے حصار میں لے لیتے ہیں۔ مسرور کیفی نے کائنات کی ہر آس، امید اور ہر بھلائی کو نعتیہ قطعات میں سمو دیا ہے۔ کائنات میں نیکی و بھلائی اور خیر و فلاح کے جتنے بھی رنگ موجود ہو سکتے ہیں وہ تمام کے تمام نعتیہ قطعات میں شامل ہیں۔ ''آبشار نور'' میں کل پچھتر (۷۵) نعتیہ قطعات شامل ہیں۔ نعت کی ازلی برکات سے حضرت مسرور کیفی کی لحد روشن رہے۔

☆☆☆

آلِ رسول ﷺ کے سلسلہ حسینیہ کاظمیہ میں پڑھے جانے والے درود شریف

(۱) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(۲) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

(۳) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

(۴) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَہٗ

(۵) مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

(۶) صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

(۷) اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہِ النُّجَبَا

(۸) اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ وَتَرَحَّمْ وَتَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

(۹) اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ وَرُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَقَبْرِ مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ

(۱۰) اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ بِقَدْرِ حُسْنِہٖ وَ جَمَالِہٖ وَ اٰلِہٖ

(۱۱) اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعِتْرَتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

منجانب: **بھائی جان سویٹس اینڈ بیکرز**
بیرون لوہاری گیٹ، لاہور۔ فون: 37661766

اعمالِ صالحہ کا جمالیاتی معیار

عن امیر المؤمنین عمر ابن الخطاب ﷜ قال قال رسول اللہ ﷺ انما الاعمال بالنیات و انما لامری مانویٰ فمن کانت ھجرتہ الیٰ اللہ و رسولہ فھجرتہ الیٰ اللہ و رسولہٖ و من کانت ھجرتہ الیٰ دنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الیٰ ما ھاجر الیہ۔
(رواہ بخاری ومسلم)

سید ریاض حسین شاہ

حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق ﷜ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر شخص کے لئے وہی ہے جو نیت کرے، پس ایسا شخص جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی طرف ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا عورت سے شادی کی غرض سے ہو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہوگی جس کی طرف وہ مہاجر ہوا''۔

رسالت مآب ﷺ کا یہ مبارک قول علوم اور معارف کا ایک بے مثل خزینہ ہے۔ علی بن مدینی محدث فرماتے ہیں کہ اس کی صحیح ترین سند وہ ہے جسے امام بخاری نے یحیٰ بن سعید انصاری کے واسطہ سے رسالت مآب ﷺ تک پہنچایا ہے۔ حضور ﷺ کی اس نور آفرین حدیث شریف کو جہاں یحیٰ ابن سعید سے سات سو راویوں نے نقل کیا وہاں امام مالک، امام اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، لیث بن سعد، حماد بن زید، شعبہ، امام احمد اور ابن عیینہ جیسے اخیار اور کبار علماء نے روایت کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ محدثین کے ہاں حضور ﷺ کی یہ کیف پرور حدیث، حدیث عمر کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

اس حدیث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیائے علم کے درخشندہ ستارے امام بخاری نے اپنی ''الصحیح'' کا آغاز اسی سے کیا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن مہدی فرمایا کرتے تھے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی جس کتاب کا بھی آغاز کروں اسے حضور ﷺ کے اس قول برکت افزاء سے شروع کروں۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ علم کا تیسرا حصہ پیغمبر اسلام ﷺ کے اس قول رحمت فروغ میں پنہاں ہے۔ امام احمد بن حنبل کا اس حدیث شریف کے بارے میں خیال یہ تھا کہ اسلام کا مدار جن تین احادیث پر ہے ان میں سے ایک انما الاعمال بالنیات ہے۔ اسحاق بن راھویہ نے ایک مرتبہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ چار احادیث اصول دین سے ہیں: ایک ''انما الاعمال بالنیات'' دوسری ''الحلال بین والحرام بین'' تیسری ''ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما'' اور چوتھی ''من صنع فی امرنا شیاء مالیس فیہ فھو رد''۔ حضرت عثمان بن سعید بن عبید کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آخرت کے تمام علوم ''من احدث فی امرنا'' والی حدیث میں اور دنیا کے تمام علوم انما الاعمال بالنیات میں پوشیدہ رکھے ہیں۔ ابو داؤد نے فرمایا کہ میں نے مسند امام احمد میں چار ہزار احادیث پڑھیں اور جب سوچا کہ ان کا خلاصہ کیا ہوسکتا ہے تو میری نظر حدیث عمر پر جا پڑی۔ انہی کا ایک قول یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پانچ لاکھ حدیثیں نقل کیں اور ان کا جب خلاصہ لکھا تو وہ تقریباً چار ہزار کے لگ بھگ تھا اور پھر جب اس ذخیرہ کو بھی ملخص کرنا چاہا تو میری نظر انما الاعمال بالنیات پر جا کر ٹھہری۔ اسی طرح امام قاضی عیاض نے بھی اس حدیث کو دین کا تہائی حصہ قرار دیا۔

حضور ﷺ کی یہ حدیث پوری طرح سمجھنے کے لئے طبرانی کی وہ روایت جان لینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا جس میں ان حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جن میں رسالت مآب ﷺ کو یہ مقدس الفاظ ادا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ مکہ شریف کا ماحول جب مشرکین کی معاندانہ کاروائیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے تنگ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اذن الٰہی سے تمام اہل ایمان کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرما دی تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، لیکن مشرکین کی یقین دہانی سے مسلمان مکہ شریف واپس ہو گئے۔ حضور ﷺ کی رحمت نوازیوں اور آپ کے صحابہ کے مسلسل برداشت کے باوجود کفار کے رویہ میں کوئی خاص تبدیلی نہ آئی بلکہ مسلمانوں کو تکلیف اور اذیت پہنچانے میں وہ پہلے سے زیادہ شہ زور ہو گئے۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو کوئی ایسی جگہ میسر آئے جہاں وہ سکون، اطمینان اور پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ کا نظام پوری طرح نافذ کر

علم کا تیسرا حصہ پیغمبر اسلام ﷺ کے اس قول رحمت فروغ میں پنہاں ہے

سکیں، چنانچہ بتائیدِ الٰہی حضور ﷺ نے اب ہجرت کے لئے مدینۃ المنورہ کا انتخاب فرمایا اور نہ صرف آپ کے صحابہ مکہ شریف چھوڑ کر مدینہ چلے گئے بلکہ آپ ﷺ بذاتِ خود بنفس نفیس مدینہ شریف تشریف فرما ہوگئے۔

حضور ﷺ جو ایک طرف کفار کے خلاف جانگسل اور فیصلہ کن جہاد فرما رہے تھے دوسری طرف اپنی جماعت کے تمام اراکین کی معاشرتی، اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے رات دن ایک کئے ہوئے تھے۔ آپ کو خبر لگی کہ ایک شخص نے ترکِ وطن اللہ کی رضا اور میری خوشنودی کے لئے نہیں کیا بلکہ وہ ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس عورت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اگر مدینہ آجائے تو شادی ہو سکتی ہے۔ اس سفلی مقصد کے لئے اس نے دوسرے لوگوں کے ساتھ ترکِ وطن کرلیا۔ صحابہ جو نیتوں کو صاف اور حسین رکھتے تھے۔ نہایت حساس واقع ہوئے تھے اس شخص کو مہاجر اُم قیس کے نام سے یاد کرتے تھے۔ یہ تھے وہ حالات جن میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہوتا ہے، ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔ ایک شخص جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کرتا ہے اس کی ہجرت اس کے رسول ہی کی طرف ہوتی ہے اور وہ شخص جو عورت کے لئے یا دنیا کے لئے ہجرت کرتا ہے اس کی ہجرت اپنی نیت کے مطابق ہی ہوتی ہے۔

ابن رجب حنبلی علیہ الرحمہ اور ابن حجر علیہ الرحمہ نے بعض علماء سے روایت کرتے ہوئے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے لیکن علمائے متاخرین نے پورے وثوق کے ساتھ اپنی کتابوں میں اسے نقل کیا ہے۔ ابن رجب کی جامع العلوم سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کے وجود سے منکر نہیں بلکہ اس کی نوعیت سے انہیں اختلاف ہے، تاہم ورود حدیث کے باب میں اس روایت کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مذکورہ صدر حدیث شریف کے تواتر میں علماء مضطرب ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حدیث میں کوئی فرق ہے۔ علماء کا حدیث کو متواتر نہ سمجھنا سند حدیث میں حضرت عمر ؓ سے لے کر یحییٰ بن سعید تک رواۃ کا تفرد ہے ورنہ تواتر بالمعنیٰ سے تو آج تک کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔

حدیث شریف کے عموم میں دو چیزیں داخل ہیں: ایک نیت اور دوسری ہجرت فی سبیل اللہ۔ پہلے ہم نیت اور اس سے اٹھنے والے مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔

نیت کا لغوی معنیٰ:

تاج کا مصنف لکھتا ہے کہ ''النیت'' سے مراد وہ سمت ہوتی ہے جس کی طرف سفر کیا جائے۔ اسی طرح ''النوی'' اس گڑھے کو بولتے ہیں جو خیموں کے گرداگرد اس لئے بنا دیا جاتا ہے تاکہ پانی خیموں کے اندر نہ آسکے۔ اس اعتبار سے نیت کا مفہوم ''متمیز کرنا'' سامنے آتا ہے۔

امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کسی بھی عمل کی طرف دل سے توجہ کرنا نیت کہلاتا ہے۔ ''نواۃ'' گٹھلی کو بھی کہتے ہیں۔ گٹھلی چونکہ پھل کھانے کے بعد پھینک دی جاتی ہے اس سے نیت کا معنیٰ الگ کرنا علیحدہ کرنا وغیرہ آتے ہیں ''ناد'' اس فربہ اور موٹے اونٹ کو کہتے ہیں جس کی طرف اکثر لوگ ''بار برداری'' کے لئے توجہ کرتے ہیں۔ ''منتھی الارب'' میں ہے کہ ''تنویۃ'' کسی کام کے جاری کرنے کو کہتے ہیں۔

صاحب محیط لکھتے ہیں کہ حصول منفعت اور دفع ضرر کے لئے دل کو کسی مناسب کام کے لئے آمادہ کرلینا نیت کہلاتا ہے۔

اس ساری بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ نیت کے لغوی مفہوم میں قصد کرنا، آمادگی رکھنا، علیحدہ ہونا، متمیز کرنا اور آرزومند ہونا ایسے تمام ہی مفہومات شامل ہیں۔

نیت کی اصطلاحی تعریف:

اس کے برعکس علماء نیت کو دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں: ایک تو عبادات میں تمیز پیدا کرنا ہے جیسا نماز ظہر کو نماز عصر سے متمیز کر دینا یا رمضان کے روزوں کو دوسرے روزوں سے الگ کرنا جیسے غسل جنابت اور غسل نظافت میں تمیز پیدا کرنا وغیرہ، فقہاء کے ہاں اکثر نیت سے مراد یہی ہوتی ہے۔

نیت کا دوسرا اصطلاحی مفہوم عمل میں مقصود کے اعتبار سے تمیز پیدا کرنا ہوتا ہے یعنی یہ دیکھنا ہے کہ کون سا عمل اللہ عزوجل کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہے اور کون سا عمل اس داعیہ سے محروم ہے۔ زہاد اور عارفین کے نزدیک اکثر نیت سے مراد یہی ہوتی ہے۔ احادیث میں رسول انور ﷺ نے اکثر اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے نیت اور ارادہ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ یہ بات اگرچہ اپنی جگہ بجا ہے کہ نیت اور ارادہ میں کوئی زیادہ فرق نہیں لیکن محدثین اور فقہاء نیت اور ارادہ میں تھوڑا سا فرق بھی کرتے ہیں۔

نیت اور ارادہ میں فرق:

نیت اور ارادہ کے مفہومات سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ نیت کی طرح ارادہ کا معنیٰ و مطلب بھی اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ تاج، محیط اور لسان العرب نے جو کچھ اس باب میں لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ارادہ درحقیقت ''رود'' سے ماخوذ ہے جس کا مطلب بار بار آمد و رفت کا ہوتا ہے۔ اسی سے ''الرائد'' چکی کے دستے کو کہتے ہیں اور ''رائد العین'' وہ کچرا ہوتا ہے جو آنکھ میں پڑ جانے کے بعد ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر حرکت کرتا رہتا ہے۔ منتھی الارب کے مصنف نے لکھا ''رود'' کسی کام کے لئے حرکت کرنے کو کہتے ہیں۔ ان مفاہیم کو سامنے رکھتے ہوئے ارادہ کا جو مطلب سامنے آتا ہے وہ کسی چیز کی طرف جھکنا یا کسی امر کی طرف رجحان کا پایا جانا ہوتا ہے۔

طلب اور ارادہ میں فرق:

کسی چیز کی طرف میلان کا پایا جانا دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا: یا تو وہ صرف دل میں پوشیدہ ہوتا ہے اور یا پھر عمل سے یا کسی دوسری کیفیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر تو خواہش عمل کا روپ دھار لے یا کیفیت سے ظاہر ہو جائے تو اسے طلب سے تعبیر کر دیتے ہیں اور اگر وہ دل ہی میں مضمر رہے تو اسے ارادہ سے معبر کر دیا جاتا ہے البتہ طلب اور ارادہ کبھی کبھار ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

رجوع الی المقصد:

ہماری گفتگو کا اصل موضوع نیت اور ارادہ میں فرق واضح کرنا تھا۔ ارادہ کے معنوی اور لغوی مصادر سے جو مفاہیم ہمارے سامنے آئے وہ کسی چیز کی طرف میلان اور رجحان وغیرہ رکھنا ہے۔ یاد رہے کہ ارادہ اور نیت میں نسبت عموم خصوص مطلق ہے۔ ہر نیت ارادہ کا مفہوم رکھتی ہے لیکن ہر ارادہ نیت نہیں ہوسکتا۔ علامہ زبیدی حنفی نے احیاء العلوم کی شرح میں لکھا کہ طبعی امور میں کسی چیز کی خواہش رکھنا یا طبعاً کسی امر کی طرف متوجہ ہونا یہ ارادہ ہوتا ہے لیکن تشریعی امور میں تعبداً کسی کام کو کرنا یا کسی کام سے

حضور ﷺ نے مسلمانوں کی معاشرتی، اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے رات دن ایک کر دیا

امام غزالی نے احیاء العلوم میں اعمال کی تین اقسام نقل کی ہیں: طاعات، معصیات اور مباحات

رک جانا جب کہ ارادہ بھی اس میں شامل ہو نیت کہلاتا ہے مثلاً کھانے سے رکنا کبھی ڈاکٹر کی تلقین پر ہوتا ہے اور کبھی خدا کی رضا کے لئے، روزہ رکھتے ہوئے کھانے سے باز رہا جاتا ہے۔ اول الذکر صورت میں میلان و رجحان ارادہ کہلائے گا اور ثانی الذکر صورت میں میلان کا نام نیت ہو گا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور ابن کثیر نے اس باب میں جو کچھ رقم فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نیت فقط وہ ہوتی ہے جس میں عبادت کو غیر عبادت سے، عادت کو عبادت سے اور عبادت کو عبادت سے متمیز کیا جاتا ہو نیت کی انہی معنوی باریکیوں کو امام غزالی علیہ الرحمہ نے خوب وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ ایک مثال دیتے ہوئے امام غزالی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہو جسے کوئی دھکا دے اور وہ اوندھے منہ جا گرے اور ایک دوسرا آدمی ہو جو خود بخود لیکن بغیر کسی ارادہ تعبدی کے پیشانی زمین پر رکھ دے اور ایک تیسرا شخص ہو جو اللہ کی رضا کے لئے تمام شروط و قیود کے ساتھ پیشانی زمین پر رکھے۔ ان میں نیت کا مفہوم صرف تیسری ہی صورت میں پورا ہو گا اور عارفین کے نزدیک تیسری صورت میں بھی نیت جبھی ہو گی جبکہ اخلاص کی تمام جہات اس کے اندر پائی جائیں گی۔

ارادہ اور عزم میں فرق:

لفظ ارادہ پر اس سے پہلے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ اب ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ عزم اور قصد پر تھوڑی سی گفتگو کر لیں۔

امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ نے المفردات میں لکھا:

العزم والعزیمة عقد القلب علی امضاء الامر

" کسی کام کے کر لینے پر دل کا پختہ ارادہ کر لینا"۔

ایفائے عہد کے معنوں میں بھی عزم کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح "اعتزام" کا معنیٰ کسی سیدھے راستہ پر بغیر ادھر ادھر مڑے چلتے رہنا ہوتا ہے۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ "عزم" کا مطلب کسی معاملہ کو قطعی اور حتمی طور پر کرنا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کے بعض مقامات بھی اسی مفہوم کے موید نظر آتے ہیں۔

مثلاً سورہ البقرہ میں اللہ رب العزة کا ارشاد ہے:

وَاِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ

"اور اگر انہوں نے طلاق کا ارادہ پکا کر لیا"۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

ولم نجد له عزماً

"اور ہم نے اس کا ارادہ پختہ نہ پایا"۔

ارادہ اور عزم میں فرق باعتبار وقوع نہیں بلکہ بلحاظ کیفیت ہے۔ ارادہ میں وہ پختگی نہیں ہوتی جو "عزم" میں پائی جاتی ہے یا اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ "عزم" ارادہ ہی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ ارادہ میں یک گونہ کیفیت گومگو کی ہوتی ہے اور "عزم" میں آدمی کسی معاملہ کو نبھانے میں متزلزل نہیں ہوتا۔

قصد کا مفہوم:

ارادہ، طلب اور نیت ہی کے مترادف ایک لفظ چونکہ قصد کا بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کا مفہوم و معنیٰ بھی دقت نظر سے دیکھ لیا جائے۔ "منتھی الارب" کے مصنف "قصد" کا معنیٰ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "شکستن چیزے کہ بصف رسد" کسی چیز کو اس طرح توڑنا کہ وہ دو برابر حصوں میں تقسیم ہو جائے۔ اسی سے لغت عرب میں "قصد" کا لفظ "اعتدال روی" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ارادہ کرنا اور اعتماد کرنا بھی قصد کے لغوی مفہومات ہیں۔ "قصد" پر جو کچھ علمائے لغت نے لکھا اس سارے مواد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا ارادہ جو کیفیت اور ثمر ہر اعتبار سے محمود ہو قصد کہلاتا ہے جبکہ ارادہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس سے نکلنے والا نتیجہ محمود ہی ہو۔

قصد، نیت اور طلب میں فرق:

اب تک کی بحث سے اگرچہ ان تینوں اصطلاحات کے مفہوم واضح ہو گئے ہیں لیکن محولہ اصطلاحوں میں فرق کا وہ اسلوب جسے علمائے قدیم اکثر اختیار کرتے ہیں ابھی تک بیان میں نہیں لایا گیا۔ شراح حدیث فرماتے ہیں کہ ایسا ارادہ جو فعل سے مقدم ہو "عزم" کہلاتا ہے۔ جیسے "حج کے لئے ہم کل روانہ ہوں گے" یہاں روانگی کا ارادہ حج پر جانے سے مقدم ہے اور ایسا ارادہ جو فعل سے متصل ہو وہ قصد کہلاتا ہے جیسے محولہ مثال میں حج کا وہ ارادہ جو عین احرام کے وقت پایا جائے۔ اسی طرح وہ ارادہ جو فعل سے متصل بھی ہو اور مقترن بھی اور ساتھ ہی اس فعل کے بارے میں یہ علم بھی حاصل ہو کہ وہ کیوں کیا جا رہا ہے نیت کہلاتا ہے مثلاً حج پر روانہ ہونے والے کے لئے ارادہ کا فعل کے ساتھ مقترن رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ جان لینا کہ حج اللہ کی طرف سے بندوں پر ایک ذمہ ہے جسے محض اس کی رضا کے لئے پورا کیا جا رہا ہے۔

"انما الاعمال بالنیات" کی معنوی توجیہات:

رسول اللہ ﷺ کی اس مبارک حدیث کے محولہ ٹکڑے کو سمجھنے کے دو انداز ہیں: ایک فقہا کا اور دوسرا عارفین کا۔ فقہا اور محدثین کا وہ طبقہ جو امام اعظم ابوحنیفہ کا مقلد ہے اس کا خیال ہے کہ "الاعمال" کے بعد "تثاب" مقدر ہے یعنی اصلِ عبارت یہ ہے "انما الاعمال تثاب بالنیات" یعنی اعمال کا ثواب موقوف ہوتا ہے نیتوں پر۔ شافعیہ کا کہنا ہے کہ "الاعمال تصح بالنیات" یعنی اعمال کا صحیح ہونا نیتوں پر موقوف ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک نیت کے بغیر کوئی عمل درست ہی نہیں ہوتا اور احناف کے نزدیک "منصوص علیہ" امور کے علاوہ اعمال نیت کے بغیر ٹھیک تو ہوتے ہیں لیکن ان پر ثواب نہیں ملتا۔ اسی بنیادی اصول کی بنا پر فقہا کے درمیان اختلاف رونما ہوا ہے لیکن اعمال کے لئے نیت کے محمود ہونے سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ عوام کے لئے اس میں یہی سبق ہے کہ وہ اعمال کے شروع میں نیت کر لیا کریں۔

اعمال کی اقسام نیت:

امام غزالی نے احیاء العلوم میں اعمال کی تین اقسام نقل کی ہیں: طاعات، معصیات اور مباحات۔

طاعات میں نیت مؤثر بھی ہوتی ہے اور نیت کرنی بھی چاہئے لیکن معصیات میں نیت مؤثر نہیں ہوتی بلکہ گناہ کے کام پر نیتِ حسن یا حسنِ نیت بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس میں عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو ارتکابِ معصیت بھی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو جاہل صوفی بھی تصور کرتے ہیں۔ حسنِ نیت سے کبھی بھی گناہ کا کام اچھا نہیں ہو سکتا۔ شبیر احمد عثمانی نے کیا ہی خوب کہا ہے کہ مسجد بنانے کی نیت سے چوری کرنا تھوڑا ہی چوری کو محمود بنا دیتا ہے، باقی رہے مباحات تو ان میں نیت مؤثر ہوتی ہے، جیسے نفلی عبادات جن میں بندہ کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اللہ کی رضا کی نیت سے اگر کی جائیں تو باعثِ اجر و ثواب بن جاتی ہیں۔

"عزم" میں آدمی کسی معاملہ کو نبھانے میں متزلزل نہیں ہوتا

انما الاعمال بالنیات کی دوسری توجیہہ:

ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں "الاعمال بالنیات" کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں کے اچھا یا فاسد ہونے پر ہوتا ہے یعنی عمل اچھے جب ہی ہوتے ہیں جبکہ نیتیں اچھی ہوں۔ نیات اچھی نہ ہوں تو اچھے عمل بھی اچھے نہیں رہتے۔ اس توجیہہ کے مطابق اعمال کے مقبول ہونے کے لئے حسنِ اخلاص ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کیا خوب فرمایا:

لا ینفع قول الا بعمل ولا ینفع قول ولا عمل الا بالنیة ولا ینفع قول ولا عمل ولا نیه الا بما وافق السنه

"کوئی قول نفع مند نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ عمل شامل نہ ہو اور کوئی قول اور کوئی عمل منفعت خیز نہیں ہوتا جب تک کہ ان کے ساتھ نیت شامل نہ ہو اور کوئی قول، عمل اور نیت نفع نہیں دے سکتی جب تک کہ سنت کے موافق نہ ہو"۔

حضور ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا کہ تو اپنی بیوی کے منہ میں لقمۂ طعام ڈالے تو بھی اللہ کی رضا کو مدنظر رکھ۔

یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے کہ نیتوں کو خوب جان لینا چاہئے اس لئے کہ سب سے بلیغ عمل وہی ہوتا ہے جس کے ساتھ اچھی نیت شامل ہو۔ حضرت زید شامی فرمایا کرتے تھے کہ میں "نیت" کو اتنا اہم سمجھتا ہوں کہ کھانے پینے تک کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی نیت کو پرکھ لیتا ہوں۔

حضرت داؤد طائی کا فرمان ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں نے اعمال میں کوئی عمل اتنا مشکل محسوس نہیں کیا جتنا کہ نیت کے اچھا رکھنے کو مشکل تصور کیا"۔

یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

"عمل کرنے والوں کے لئے محنت اور مشقت کرنے سے بھی زیادہ مشکل نیت کا خالص رکھنا ہوتا ہے"۔

مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"دل کا ٹھیک رہنا عمل کے ٹھیک رہنے پر موقوف ہے اور عمل کا ٹھیک رہنا نیت کے ٹھیک رہنے پر موقوف ہے"۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ

"یہ نیت ہی ہے کہ اس کی وجہ سے کبھی عمل چھوٹا ہوتا ہے اور اللہ اسے بڑا سمجھتے ہیں اور کبھی عمل بڑا ہوتا ہے اور اللہ اسے چھوٹا سمجھتے ہیں"۔

حسنِ نیت کا مفہومِ حقیقی:

بزرگوں نے نیت کے اچھا رکھنے اور اچھا کرنے پر اس قدر زور دیا ہے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیت کے اچھا ہونے سے مراد کیا ہے؟ اس حقیقت سے پردہ ہٹانے کے لئے ضروری ہے کہ اخلاصِ حقیقی کی راہ میں پڑنے والی رکاوٹوں کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ "حسنِ نیت" کا مفہوم خود بخود اجاگر ہو جائے۔ نیتوں کو خراب کرنے والی عموماً دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں: داخلی اور خارجی اور پھر ہر دو میں نفسانیت کا تعلق اس طرح ہوتا ہے جس طرح برقی تاروں میں بجلی کی لہریں دوڑتی ہیں۔ وہ پہلا محرک جس سے اخلاص معدوم اور نیت فاسد ہوتی ہے، اسلام سے ناآشنائی اور خدائی معرفت کا فقدان ہے۔ انسان جتنا مقصدِ زیست سے بعید ہوگا اتنا ہی اخلاص کی دولت سے محروم ہوگا۔ عقائد پر توحید اور رسالت کی گرفت جتنی مضبوط ہوگی اعمال میں اتنا ہی اخلاص کا نور رہے گا اور یہ احساس بھی نمایاں کہ کہیں نیت میں فتور نہ آجائے اور سرزد ہونے والے ہر عمل کے بارے میں یہ کھٹکا لگا رہے گا کہ آیا اس عمل میں خدا راضی ہے یا نہیں۔ نیتوں کی چھان بین اور پرکھ وید کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اعمال کے محرکات دیکھ لئے جائیں اور پھر ایک خاص معیار قائم کر کے انسانی ارادوں کو اسی کا پابند بنایا جائے۔ اعمال کا صدور بنیادی طور پر انسانی ضرورتوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کھانا، پینا، پہننا اور رہنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اس کی بھرپور تکمیل کے لئے حضرت انسان سرگرم عمل رہتا ہے۔

یاد رہے کہ مذکورہ صدر ضروریات جہاں انسانی فطرت کے تقاضے ہیں وہاں نظامِ فطرت اس بات کا متقاضی بھی ہے کہ انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جدوجہد کا ایک دائرہ کار یا دائرہ اخلاق متعین کرلیا جائے تاکہ انسانی کاوشوں میں تصادم اور فساد واقع نہ ہو اور زمین فتنہ وفساد کا شکار نہ ہو جائے۔ انسانوں کی یہ ضرورت دنیا میں رائج مختلف معاشی اور سیاسی قوانین پورا کرنے کی سعی میں رہتے ہیں لیکن ضعیف اور کمزور سوچ کا نتیجہ ہونے کے اعتبار سے یہ افکارِ انسانیت کو مسائل کی دلدل سے نکالنے میں سراسر ناکام رہتے ہیں اور اس کے برعکس فطرت انسان کے لئے جہاں مسائل پیدا کرتی ہے وہاں ان کا قابلِ عمل قسم کا حل بھی پیش کرتی ہے اور ظاہر ہے انسانوں کے لئے فطرت کا یہ عظیم عطیہ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں موجود ہے۔ اب اعمال کے اس بنیادی محرک جسے ہم نے انسانی ضرورتوں کے نام سے معنون کیا، کی تکمیل کے لئے حسن نیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ انسان اپنی ضرورتیں پوری کرنے میں اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ اس قانون کی تابع داری کرے جو اللہ رب العزت نے اسے عطا فرمایا ہے۔ جائز ناجائز، روا، ناروا اور حلال حرام کی تمیز برتی جائے۔

اعمال کے صدور میں دوسرا محرک انسانی جذبات ہیں۔ محبت ونفرت، حسد ورقابت، غم وغصہ، کینہ ورشک اور مودت ومروت، یہ ساری چیزیں جذبات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ جذبات میں نیت کا حسن قائم رکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دل سے اٹھنے والے جذبات کا جائزہ لیا جائے کہ ان میں تعمیر کا پہلو کتنا اور تخریب کا وجود کس قدر ہے گویا جذبات کے ساتھ "حسنِ نیت" کی قید لگانا یہ مطلب رکھے گا کہ جذبات کو بھی احساسات کا رنگ دیا جائے۔ علمائے نفسیات کے نزدیک یہ بات کتنی ہی مشکل کیوں نہ ہو بہر حال وہ اس کے محمود ہونے کے قائل ضرور ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ احساسات وجذبات کا یہ حسین امتزاج اسلام کے سوا کہیں اور دکھائی نہیں دیتا۔

ایک اور اہم نکتہ جس کی طرف ہم اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ضرورتوں کو پورا کرنے میں انسانی جدوجہد نظریہ ضرورت کی پابند نہیں۔ انسان اپنی خواہشات کے ہاتھوں جب مجبور ہو جاتا ہے تو وہ تمام ترقیود وحدود مٹا کر لامحدود فضا کا سیار بننا پسند کرتا ہے اور ظاہر ہے یہ خواہشات جہاں آدمی میں عمل کا سریع داعیہ پیدا کرتی ہیں وہاں بعض اوقات دوسرے انسانوں کی حقوق تلفی پر بھی جا کر منتج ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ انسان کو اللہ

یہ نیت ہی ہے کہ اس کی وجہ سے کبھی عمل چھوٹا ہوتا ہے لیکن اللہ اسے بڑا سمجھتا ہے

خدااس امت کی مدداس امت کے کمزورلوگوں اوران کی نمازاوراخلاص کی وجہ سے کرتا ہے

رب العزت نے شترِ بے مہار پیدانہیں فرمایا کہ جو سوچے وہی کرڈالے بلکہ اس کی خواہشات کو زیرِگرفت رکھنے کے لئے ایک ایسا ضابطہ عطا کیا جس کی ہر جہت خوبی وکمال کا نور رکھتی ہے اور وہ ضابطہ ''انسانِ مرتضیٰ'' بننے کا ہے۔ اسلام میں کسی ایسی خواہش کی اجازت نہیں دی جاسکتی جس کو بروئے عمل لانے کے بعد نفس بے چین اور انسان نقصان افروز ماحول میں جا پڑے، شاید یہی وجہ ہے کہ اسلام ایسی خواہشات کی سختی سے مذمت کرتا ہے جو فطرت کی مقرر کردہ حدود سے متجاوز ہو جائیں۔ یہ خواہشات و شہوات ہی ہوتی ہیں جو نفس پرستی، ذات خواہی، جاہ طلبی، ریا کاری، شہرت خواہی اور مادہ بندگی ایسے امراض پیدا کرتی ہیں ان موذی بیماریوں سے بچنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے کہ اعمال کا صدور جذبات کے ہاتھوں ہو یا ضروریات کی تکمیل کے لئے، خواہشات ان کا محرک ہوں یا شہوات، اللہ کی رضا کا پہلوان میں غالب رکھا جائے اور اس قانون اور ضابطہ کو کسی بھی صورت میں ترک نہ کیا جائے جو اللہ سبحانہٗ نے حضور ﷺ کے وسیلہ سے انسانوں کو عطا فرمایا۔

اخلاص کی اہمیت:

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من فارق الدنیا علی الاخلاص للہ تعالی واقام الصلوۃ واتی الزکوۃ فارقھا واللہ عنہ راض (رواہ ابن ماجہ والحاکم)

''جو شخص دنیا سے اس طرح اٹھا کہ اللہ کے لئے وہ مخلص تھا، نماز قائم کی تھی اور زکوۃ ادا کر رہا تھا تو یہ سمجھو کہ اس نے دنیا کو یوں چھوڑا کہ اللہ اس سے راضی تھا''۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایمان ہی کو اخلاص قرار دیا۔

حضرت ثوبان ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

طوبی للمخلصین اولئک مصابیح الھدیٰ تنجلی عنھم کل فتنہ ظلماء (رواہ البیہقی)

''مبارک ہو اخلاص رکھنے والوں کو یہ لوگ ہدایت کے تاباں چراغ ہوتے ہیں اور ان ہی کے دم قدم سے سیاہ فتنے دور ہوتے ہیں''۔

حضرت ابوذر ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اس شخص نے نجات حاصل کی جس نے اپنے دل کو ایمان کے لئے خالص کرتے ہوئے اسے محفوظ بنالیا۔ اسی طرح اپنی زبان کو سچا، نفس کو مطمئن، عبادات کو صحیح، کان کو سننے والا (خیر کا) اور آنکھ کو دیکھنے والا (آیات اللہ کو) بنا لیا، (اس نے بھی نجات حاصل کی)''۔

الترغیب والترتیب میں ہے کہ حضرت سعد ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو بعض صحابہ سے افضل سمجھا اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدا اس امت کی مدد اس امت کے کمزور لوگوں اور ان کی نماز اور اخلاص کی وجہ سے کرتا ہے۔

حضرت ابو درداء ؓ، حضور ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیھا الا ابتغی بہ وجہ اللہ تعالی (الترغیب)

دنیا اور جو کچھ اس میں ملعون ہے بجز اس چیز کے جس سے خدا کی رضا چاہی گئی ہو۔

حضرت ضحاک بن قیس سے روایت ہے کہ رسول انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگو اللہ وہ اعمال قبول نہیں فرماتا جن میں اخلاص نہ ہو۔

اسی طرح حضرت معاذ بن جبل ؓ کو حضور ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ دین میں اخلاص پیدا کرو تھوڑا عمل بھی تمہیں کفایت کرے گا۔

صاحب الترغیب نے حضرت ابو امامہ ؓ سے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! ایک آدمی جہاد کرتا ہے اور اجر اور شہرت ہر دو کا خواستگار ہوتا ہے اسے کیا ملے گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''لا شئی لہ'' اس کے لئے کچھ نہیں۔ سائل نے تین مرتبہ پوچھا اور آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا ''لا شئی لہ'' اس کے لئے کچھ نہیں پھر آپ ﷺ ارشاد فرمانے لگے:

ان اللہ لا یقبل من العمل الا ما کان لہ خالصا وابتغی بہ وجھہ۔ (رواہ ابوداؤد)

اللہ کوئی ایسا عمل قبول نہیں فرماتا جو خالص اسی کے لئے نہ ہو اور اس سے اس کی رضا نہ چاہی گئی ہو۔

اخلاص کا فقدان اور اس کا وبال:

اسے بدقسمتی سمجھئے کہ ہمارے معاشرے کا رجحان نیکی کی طرف نہ ہونے کے برابر ہے اور دین ومذہب کو فیشن (fashion) سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ یہاں تک کہ پنجگانہ ادا کرنا بھی بوجھ تصور کیا جاتا ہے اور پھر یہ کہ نیکی اگر کہیں دکھائی بھی دے تو اخلاص کی حد تک اس کا پہنچنا مشکل ہوتا ہے جبکہ مختلف امور کا خالص ہونا ہی معاشرے کی ضرورتوں کو حقیقتاً پورا کرتا ہے۔ بزرگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کسی عمل کے بجالانے میں اگر ایک نیت دین کی ہو اور ایک دنیا کی تو یہ بھی اخلاص کو ختم کرنے والی چیز ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے چلو نماز پڑھ لیتا ہوں اس سے ایک طرف فریضہ بھی ادا ہو جائے گا اور دوسری طرف بدنی مشق (Exercise) بھی ہو جائے گی۔ یا ایک دوسرا آدمی ہو جو داڑھی بڑھالے اور نیت یہ رکھے کہ ایک طرف سنت پر عمل حاصل ہو جائے گا اور دوسری طرف شیو وغیرہ کی زحمت سے بھی چھٹکارہ حاصل ہو جائے گا۔

رسالت مآب ﷺ کی اس حدیث شریفہ میں کتنی عبرتیں ہیں جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یجاء بالدنیا یوم القیامۃ فیقال میزوا ما کان منھا اللہ فیماز ویرمی سائرہ فی النار

''قیامت کے دن دنیا حاضر کی جائے گی اور کہا جائے گا جو کچھ اس میں اللہ کے لئے ہے اسے الگ کرو پس وہ اس سے الگ کردیا جائے گا اور باقی سب کچھ دوزخ میں پھینک دیا جائے گا''۔

''مخلصین فی النیۃ'' قرآن کی روشنی میں:

سورہ اعراف میں ''دین'' کے معاملہ میں اخلاص برتنے کا حکم صادر فرماتے ہوئے کہا:

وَّادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ

''اور اُسی کو پکارو دین میں اس کے لیے مخلص بن کر''۔

سورہ زمر میں ارشاد فرمایا:

فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ

''پس آپ عبادت کریں اللہ کی اس طرح کہ

بزرگوں نے نیت کے اچھا رکھنے اور اچھا کرنے پر بہت زیادہ زور دیا

اطاعت خالص اُسی کے لیے ہو جائے''۔

صدقات وزکوٰۃ کا وہ مال جو محض اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ادا کیا جائے اس کی برکات کی طرف قرآن مجید نے یوں ارشاد فرمایا:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(الروم:38)

''تو قرابت داروں کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کا، اللہ کی رضا چاہنے والوں کے لیے یہ بہت اچھا ہے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں''۔

سورہ روم ہی میں ایک دوسری جگہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (الروم:39)

''اور اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے جو تم زکوٰۃ ادا کرتے ہو تو وہی لوگ اپنے مال کو دوگنا چوگنا کرنے والے ہیں''۔

وہ لوگ جو ''انفاق فی سبیل اللہ'' میں خدا کی رضا ڈھونڈتے ہیں اللہ رب العزۃ انہیں جو رحمتیں اور برکتیں عطا فرماتا ہے ان کا نقشہ قرآن حکیم ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

(البقرۃ:265)

''اور مثال اُن لوگوں کی جو اپنے مالوں کو اللہ کی رضا ڈھونڈنے اور اپنی دل جمعی کے لئے خرچ کرتے رہتے ہیں ایک باغ کی سی مثال ہے جو اونچی جگہ ہو اور اسے خوب بارش پہنچے اور وہ دُونے پھل لائے اور اگر تیز بارش نہ بھی ہو تو اس کے ثمر بار ہونے کے لیے شبنم ہی کافی ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے''۔

جس طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ اچھی عادات رکھنے والے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے اچھی خصلتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ لوگ جو اپنی رضا اور مرضی خدا کی رضا اور مرضی میں گم کر لیتے ہیں انہی کی مجلس اس قابل ہوتی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس کا پابند بنائے۔

سورہ ''کہف'' میں رب قدوس نے ارشاد فرمایا:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا

(الکہف:28)

''اور آپ اپنے نفس کو روک لیں ان لوگوں کے ساتھ جو صبح اور شام اپنے ربّ کو پکارتے ہیں، چاہتے ہیں اُن کی توجہ کا مرکز صرف وہی رہے اور آپ اُن سے اپنی نگاہیں نہ ہٹائیے دنیا کی زندگی کو رونق بخشنے کے ارادے سے اور اس کا کہنا نہ مانیے جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور وہ خواہش کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے''۔

اس مبینہ حقیقت سے مزید پردہ ہٹاتے ہوئے خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

(الانعام:52)

''اور ان لوگوں کو دور نہ رکھیے جو صبح اور شام اپنے رب کو اسی کی رضا چاہتے ہوئے پکارتے ہیں''۔

اللہ کے ہاں صرف وہی عمل اور سعی مقبول ہوتی ہے جس میں ایمان وایقان کے ساتھ ساتھ ارادہ آخرت شامل ہو۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا

(بنی اسرائیل:19)

''اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لیے بھرپور کوشش کی اور مومن رہا تو ایسے لوگوں کی کوشش قابل قدر ہے''۔

وہ لوگ جو محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اللہ کی مخلوق کے حقوق ادا کرتے ہیں انہیں قرآن حکیم میں نجات وفلاح کی ضمانت ان الفاظ میں مہیا کی گئی۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الروم:38)

''تو قرابت داروں کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کا، اللہ کی رضا چاہنے والوں کے لیے یہ بہت اچھا ہے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں''۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کے صحابہ ؓ کی تعریف جس پیرایہ میں کی گئی ملاحظہ ہو۔ اس میں بھی ان کی ایک صفت خدا کی رضا چاہنا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (الفتح:29)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کی معیت میں ہیں کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل ہیں تو انہیں رکوع اور سجدے میں ہمیشہ دیکھے اور وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشی ڈھونڈیں''۔

وہ لوگ جو اپنی جانوں کو محض اللہ جل وعلا کی خوشنودی کے لئے قربان کر دیتے ہیں بلکہ یہاں تک کہ اپنی جانوں پر اپنا حق ہی نہیں سمجھتے۔ ایسے جاں باز لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ جل مجدہ نے ارشاد فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ

(البقرۃ:207)

''اور اہل محبت میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس نے اپنی جان ہی بیچ رکھی ہوتی ہے اس تلاش میں کہ اللہ راضی ہو جائے اور اللہ بندوں پر بے حد مہربان ہے''۔

سورہ ''اللیل'' میں جہاں دوزخ سے بچنے کے لئے بہت

بے شک اس شخص نے نجات حاصل کی جس نے اپنے دل کو ایمان کے لئے خالص کرتے ہوئے اسے محفوظ بنالیا

یہ ہجرت ہی تھی جس نے ماضی میں تاریخ انسانی کے دھاروں کو بدل کر رکھ دیا

سے امور کی نشاندہی کی گئی وہاں رضائے رب ملحوظِ خاطر رکھنے کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾

(الیل 19,20)

”اور کسی کا اُس پر احسان نہیں جس کی وہ جزا دے۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی رضا چاہتا ہے“۔

ریاکاری قرآنِ حکیم کی روشنی میں:

اخلاص کی ضد ”ریا“ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ”ریا“ نہ صرف ”محمود“ نہیں بلکہ اعمال کے لئے محبط بھی ہے۔ قرآن حکیم میں جابجا اس کی مذمت کی گئی ہے۔

وہ لوگ جو لوگوں کے دکھلاوے کے لئے عمل کرتے ہیں اور خدا کی رضا ان کا مقصود نہیں ہوتا خصوصاً نماز ادا کرتے ہوئے ”ذکر اللہ“ کا پہلوان کی عبادت پر حاوی نہیں بلکہ مقصد صرف لوگوں پر اپنی پارسائی کا رعب جمانا ہوتا ہے ان کی مذمت قرآن پاک نے ان الفاظ کے ساتھ کی۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿٥﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿٦﴾ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿٧﴾ (الماعون: 5,6,7)

”پس بربادی ہے نمازیوں کے لیے، وہ جو اپنی نماز سے بھولنے والے ہیں، وہ جو دکھاوا کرتے ہیں اور عام سی استعمال کی چیزوں سے منع کرتے ہیں“۔

اسی طرح جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں لیکن مقصد ریاکاری کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ (النساء: 142)

”دکھلاوا کرتے ہیں لوگوں کے لیے اور اللہ کا ذکر تھوڑا ہی کرتے ہیں“۔

ایسے لوگ جو اموال کو بظاہر خدا کے راستے میں لگانے اور کھپانے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حال یہ ہوتا ہے کہ وہ غریبوں اور ضرورت مندوں کو دے کر احسان جتلاتے ہیں اور اس طرح اپنی بڑائی اور دولت مندی کی ساکھ بڑھانا چاہتے ہیں۔ یہ انداز دراصل خدا پرستی کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ ریا ہی ریا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم اس حقیقت سے یوں نقاب سرکاتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرہ: 264)

”اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دُکھ دے کر ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھلاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور یوم آخرت پر وہ ایمان نہیں رکھتا“۔

ریاکاری اور رسالت مآب ﷺ کی احادیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تعوذوا بالله من جب الحزن قالو يا رسول الله وما جب الحزن؟ قال: وادٍ في جهنم نتعوذ منه جهنم كل يوم أربعمائة مرة. قيل يا رسول الله من يدخله؟ قال أعد للقراء المرائين باعمالهم وان من ابغض القراءِ الى الله عزوجل الذين يزورون الأمراء وفي بعض النسخ الأمراء الجورة ورواه الطبراني في الاوسط بنحوه الا انه قال يلقى فيه الغرارون قيل يا رسول الله: وما الغرارون؟ قال المراء ون بأعمالهم في الدنيا۔

”غم کے گڑھے سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ! ”غم کا گڑھا“ کیا ہوتا ہے فرمایا: یہ جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی بذاتِ خود ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ اس غم کے گڑھے میں کون لوگ داخل ہوں گے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان علماء کے لئے تیار کیا گیا ہے جو اپنے اعمال میں دکھلاوا کرتے ہیں اور اللہ کے نزدیک سب سے بُرے علماء وہ ہوتے ہیں جو حاکموں کی زیارت کرتے ہیں۔ بعض نسخوں میں امراء کے ساتھ ظالم کی قید بھی لگائی گئی ہے۔ طبرانی کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس وادی میں ”غرارون“ پھینکے جائیں گے۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ ”غرارون“ کون لوگ ہوتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جو لوگ دنیا میں اپنے اعمال میں دکھلاوا برتتے ہیں“۔ (الترغیب الترھیب)

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے، دیکھا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، رسول انور ﷺ کی قبر انور پر بیٹھے رو رہے تھے۔ امیر المومنین نے پوچھا ”معاذ! روتے کس لئے ہو“ آپ نے فرمایا ایک حدیث ہے جو میں نے رسول کریم ﷺ سے سنی ہے آپ ﷺ فرمایا کرتے کہ ”ریا“ تھوڑی سی بھی ہو شرک ہے۔

حضرت قاسم بن مخیمرہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يقبل الله عملا فيه مثقال حبة من خردل من ريا۔

”اللہ تعالیٰ کوئی ایسا عمل قبول نہیں فرماتے جس میں رائی برابر بھی ”دکھاوا“ شامل ہو۔“

حضرت شداد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور انور ﷺ کے زمانہ میں ”ریا“ کو شرک اصغر تصور کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے عمل کو مشہور کرے گا اللہ اس کو اپنی مجلسوں میں برائی کے ساتھ مشہور کر دے گا اور یہ بھی کہ اس کو ذلیل اور حقیر کر دے گا۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے معاملہ میں سب سے زیادہ خوف شرک اصغر کا ہے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ”دکھاوا“۔

حضرت ربیع بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے والد اور وہ اپنے جد سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور انور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور اس وقت ہم ”دجال“ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسا فتنہ نہ بتاؤں جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ہم سب نے مل کر کہا ”ہاں“ یا رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”الشرک الخفی یعنی چھپا ہوا شرک یہ کہ ایک

اچھی عادات رکھنے والے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے اچھی خصلتیں پیدا ہوتی ہیں

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو رحمت کا سزاوار قرار دیا گیا

شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا اور اسے خوب مزین کرے گا لیکن مقصد محض لوگوں کو دکھلانا ہوگا"۔

ایک مرتبہ حضرت شداد بن اوس ؓ خوب روئے آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ روتے کس لئے ہیں۔ آپ فرمانے لگے: ایک حدیث ہے جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنی ہے وہ مجھے رلا رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ خوف شرک اور چھپی ہوئی شہوت کا ہے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرنے لگے گی۔ آپ نے فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ وہ سورج اور چاند کو پوجنے لگ جائیں گے نہیں ایسے نہیں کریں گے لیکن "دکھلاوا" کرنے لگیں گے۔

انما الاعمال بالنیات کا ایک دلچسپ مفہوم:

محدثین نے مذکورہ صدر حدیث شریف کے محولہ ٹکڑے کی تشریح اس طرح بھی کی ہے کہ کسی عمل کے لئے نیت کرنے کے ساتھ ہی عند اللہ اجر ثابت ہو جاتا ہے مثلاً ایک حدیث شریف میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من خرج حاجاً فمات کتب له اجر الحاج الیٰ یوم القیامة و من خرج معتمرا فمات کتب له اجر المعتمر الیٰ یوم القیامة۔

"جو شخص حج کے لئے نکلا اور مر گیا اس کے لئے قیامت تک حاجی کا اجر ہے۔ اسی طرح جو شخص عمرہ کے لئے نکلا اور مر گیا اس کے لئے قیامت تک معتمر کا ثواب ہے"۔

یہاں صرف نیت کی وجہ سے حج اور عمرہ کا ثواب اللہ نے عطا فرما دیا۔

انما لامرئ ما نوای کا مطلب:

اس جملہ کا عام فہم مطلب تو یہی ہے کہ ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس کی نیت ہو گی۔ اس لحاظ سے یہ حصہ حدیث شریف کے پہلے حصہ کا مؤکد ہے۔ بعض محدثین نے یہ بھی کہا ہے کہ "الاعمال بالنیات" سے ہر عمل کے لئے نیت کا موجود ہونا مراد ہے اور مذکورہ حصہ سے اخلاص کے موجود ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وہ مفہوم ہے جسے قاضی بیضاوی اور طیبی اور ملا علی قاری وغیرہم بزرگوں نے اختیار کیا ہے۔

رجوع الی الحدیث:

اعمال کا حسن نیتوں کے اچھا ہونے کا مرہون منت ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس روشن اور بین اصول کو مزید واضح کرنے کے لئے بطور خاص ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے ثمرات ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوتی ہے اور جو دنیا یا عورت بھی چاہتا ہے اس کی جدوجہد کا ثمرہ باعتبار نیت دنیا یا عورت ہی ہوتی ہے۔

افصح الناس محمد ﷺ کی اس بہار بداماں حدیث میں ہجرت کا لفظ مفہوم کے لحاظ سے ازحد گہرائی اور وسعت رکھتا ہے۔

ہجرت کا لغوی معنیٰ:

امام راغب اصفہانی نے المفردات میں "ھجر" اور "ھجران" کا معنیٰ کسی ایک شخص کا دوسرے شخص سے مفارقت اختیار کرنا اور جدا ہونا لکھا ہے نیز امام نے یہ صراحت بھی کی کہ ہجرت کا لفظ قلبی، لسانی اور بدنی ہر قسم کی جدائی پر اطلاق پذیر ہوتا ہے۔ "منتھی الارب" کا مصنف لکھتا ہے کہ "ھجر" کا معنیٰ جدا ہونا یا دراز ہونا ہوتا ہے اور "ھِجر" اونٹ کو کہہ دیتے ہیں اور "ھُجر" سخت اور دل آزار قسم کی گفتگو کو کہتے ہیں۔ اسی سے نازیبا باتوں کو مہاجرات کہا جاتا ہے۔ صراح نے "تھجیر" کا معنیٰ زوال سے عصر تک کا درمیانہ وقت لکھا ہے۔ اسی سے نماز میں سبقت لے جانے کے عمل کو "تھجیر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

معجم البلدان نے "ھجر" یمن کے ایک شہر اور مدینۃ الرسول سے قریب ایک دیہات کا نام لکھا ہے۔ ابن فارس نے "ہجرت" کا معنیٰ جدا ہونے کے علاوہ کس کر باندھنے سے بھی کیا ہے۔ لغت کی مختلف کتب کی مدد سے ہجرت کا لغوی معنیٰ چھوڑ دینا، جدا ہو جانا، کاٹ دینا، قطع تعلقی کرنا وغیرہ ہوتا ہے۔

ہجرت کا شرعی اور اصطلاحی معنیٰ:

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے "فتح الباری" میں ہجرت کا معنیٰ جہاں ترک کرنا اور منتقل کرنا لکھا وہاں آپ نے یہ صراحت بھی فرمائی کہ ہجرت کا اطلاق شرعاً "**ترک ما نھی اللہ عنہ**" پر ہوتا ہے، یعنی ان چیزوں کو چھوڑ دینا جن سے اللہ نے منع فرمایا ہو۔

علامہ قسطلانی نے ہجرت کی دو عمومی صورتیں لکھیں: ایک دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت اور دوسری دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت۔ علامہ موصوف کے اس قول سے یہ مفہوم اخذ کرنا مشکل نہیں کہ شرعی ہجرت کا مفہوم صرف ترکِ وطن نہیں ہوتا بلکہ کسی مردِ مومن کا نظامِ خدا کی تنفیذی جدوجہد میں کسی ایک ماحول کو ناسازگار پا کر کسی ایسی جگہ چلا جانا جہاں خدا کے نظام کے لئے فضا سازگار ہو، ہجرت کہلاتی ہے۔

ہجرت کی اسی مقصدیت کی اولین اساس رسول کریم ﷺ کا مکی معاشرت ترک کر کے مدینہ چلے آنا ہے۔ تاریخ کے طالب علم کے ذہن میں ہجرت کا لفظ پڑھنے سے جو فوری تصور پیدا ہوتا ہے وہ آپ ﷺ کا یہی مدنی معیشت کا اختیار کرنا ہے۔

ہجرت قیام حق اور تربیت ملت کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ اس راہ میں جہاں تحریک حق کے اراکین کو خطرات پیش آتے ہیں وہاں روحانی اور مادی لحاظ سے منفعت کے بھی بہت سے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ انہی فرعومہ، منفی یا مثبت پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ہجرت میں حسن نیت کو ازحد اہم قرار دیا۔

یہ ہجرت ہی تھی جس نے ماضی میں تاریخ انسانی کے دھاروں کو بدل کر رکھ دیا اور سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی کامیابیوں کے وہ دروازے کھولے جو اس سے پہلے ناممکن دکھائی دے رہے تھے۔ ہجرت آج بھی یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ جفاکشی، جہاں وری اور ایثار کے ان مٹ نقوش مرتسم کرتے ہوئے قوموں کی تقدیریں بدل دے۔ ہجرت کو جہاں انبیاء اور مرسلین کی تاریخ میں ایک دقیع مقام حاصل ہے وہاں یہ تشکیل اجتماعیت اور تنظیم ملت کے لئے ایک مؤثر ہتھیار کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ وطنیت، نسل پرستی اور جاہلانہ عصبیت سے ہجرت ہی کی راہ پر چل کر نجات ممکن العمل ہو سکتی ہے۔ ہمارا شاندار ماضی کمال عدالت کے ساتھ اس امر پر گواہی مہیا کرتا ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہجرت کی اس معطی ذات نے اس جولانگاہ الفت میں ان کو تربیت کے وہ مواقع فراہم کئے کہ ان کی بہترین صلاحیتیں ارضی معاشرے کو عرشی معاشرت کا رنگ دینے میں کامیاب ہو گئیں۔ ہجرت کے یہی دوررس اثرات ہیں جن سے انسانیت کو جلا ملی، آدمیت کی اعلیٰ اقدار پروان چڑھیں اور عدالت اور مروت کا سر اونچا ہوا۔

رسالت مآب ﷺ کا محولہ ارشاد گرامی جہاں نیتوں کے حسن پر زور دیتا ہے وہاں اپنی جگہ ہجرت کی فضیلت پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ آپ ﷺ کی اپنی زندگی ہجرت الی اللہ کا کمال نمونہ

اللہ تعالیٰ کوئی ایسا عمل قبول نہیں فرماتا جس میں رائی برابر بھی "دکھاوا" شامل ہو

رکھتی تھی اور آپ کو پسند بھی یہی تھا کہ دنیا میں رہنے والا ایک ایک انسان یہ محسوس کرنے لگ جائے کہ اس کی اصل حیثیت مہاجر فی سبیل اللہ ہی کی ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انسانیت کا وہ کاروان جس کی منزل صرف اللہ اور محمد ﷺ کی رضا ہو۔ وہ ایک طرف مادی علائق سے اپنی پاک فطرت کے بل بوتے پر ہجرت اختیار کرتا ہے وہاں اس شہادت گاہ محبت میں کامیابیاں بھی اسی کے قدم چومتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہجرت کی اہمیت پر ایک مرتبہ اس طرح روشنی ڈالی، فرمایا:

"اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہجرت کرنے والے قیامت کے دن سورج کی طرح چمکنے والے نور کے ساتھ اٹھائے جائیں گے"۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہجرت اگر نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ایک فرد ہوتا"۔

فضیلت ہجرت اور قرآن حکیم:

وہ تابندہ بخت لوگ جنہوں نے رسول کریم ﷺ کی معیت میں ہجرت کی۔ اللہ سبحانہٗ نے قرآن مجید میں جا بجا ان کی فضیلت بیان فرمائی۔ اس طرح قرآنی احکام وفضائل کے عموی اثرات ہر زمانے میں ان لوگوں کے حق میں ظاہر ہو گئے۔ جنہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودی کے لئے ہجرت کو اختیار کرنے کی سعی کی۔

سورہ آل عمران میں اللہ سبحانہٗ نے ارشاد فرمایا:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران: 195)

"ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کا عمل کوئی مرد ہو یا عورت بعض تمہارے بعض سے ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں انہیں اذیت دی گئی اور قتال کیا انہوں نے یا شہید ہوئے میں ان کی برائیاں ضرور ان سے دور کروں گا اور یقیناً انہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی، دیکھئے زبردست صلہ اللہ کی طرف سے اور اچھا ثواب تو اللہ ہی کے پاس ہے"۔

ایک جگہ مہاجرین کی فضیلت یوں بیان فرمائی:

اَلَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ (التوبہ: 20)

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اللہ کے نزدیک اُن کا درجہ بہت بڑا ہے اور یہی لوگ کامیابی سے ہمکنار ہونے والے ہیں"۔

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں سے "رزق حسن" دینے کا وعدہ فرمایا:

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ (الحج: 58)

"اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر شہید کر دیے گئے یا اُن کا وصال ہو گیا اللہ انہیں رزق حسن سے نوازے گا اور بے شک اللہ ہی سب سے اچھی روزی دینے والا ہے"۔

سورہ الانفال نے ہجرت کو اسلام میں اخلاص کا معیار قرار دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (الانفال: 72)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور وہ لوگ جو پناہ بنے اور مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے حقیقتاً دوست اور قریبی ہیں"۔

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو رحمت کا سزاوار قرار دیا گیا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ (البقرہ: 218)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو ایسے ہی لوگ اُمید رکھ سکتے ہیں اللہ کی رحمت کی"۔

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے اگر راہ میں مر جائیں انہیں شہید قرار دیا گیا:

وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ (النساء: ۱۰۰)

"اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے تو وہ زمین میں بڑی ہی وسعت اور کشائش پائے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کے لیے مہاجر ہو کر اپنے گھر سے نکلے پھر اسے موت آئے تو اس کا اجر اللہ ضرور ہی عنایت فرماتا ہے"۔

ایسے مومن جو اللہ کی راہ میں ہجرت کریں ان سے بہتر ٹھکانہ دینے کا وعدہ کیا گیا ہے:

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ (النحل: 41)

"اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کی محبت میں ہجرت کی ہم انہیں دنیا میں انتہائی خوبصورت آماجگاہ بخشیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش انہیں معلوم ہوتا"۔

ہجرت کا عموی اطلاق اور رضائے خدا:

اسلامی تاریخ میں اگرچہ ہجرت سے حضور ﷺ کا ایک خاص مبارک سفر مراد ہے اور اس کا اطلاق اصطلاحاً ستفیذ حق کے لئے ترک وطن اور نقل مکانی پر ہوتا ہے لیکن لغت کے

ہجرت اگر نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ایک فرد ہوتا

نیت کی خرابی عموما دنیا طلبی ہی کی وجہ سے ہوتی ہے

اعتبار سے چھوڑنے، ترک کرنے، ناراض ہونے، نیند میں بڑبڑانے اور جذبات پر قابو رکھنے میں ہجرت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے رسول کریم ﷺ کی حدیث شریف کو کسی ایک معنیٰ کے ساتھ مقید اور محصور نہیں کیا جا سکتا جبکہ ان تمام مفاہیم ہی میں رضائے خدا اور خوشنودی مصطفیٰ کو غالب رکھنے کا معنیٰ حدیث رسول ﷺ کا مقصد قرار دیا جائے گا۔

ایک نکتہ:

رسالت مآب ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہوتی ہے اور جو شخص عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے پالیتا ہے اور دنیا کا طالب دنیا حاصل کر لیتا ہے۔ انسانی جدوجہد کے ایک سربستہ راز سے پردہ اٹھاتا ہے کہ انسان کو اتنا ہی ملتا ہے جتنا کہ وہ نیت کرتا ہے اور وہی ملتا ہے جس کی طرف وہ سعی کرتا ہے اور ویسے ہی ملتا ہے جیسے اخلاص سے وہ کوشش کرتا ہے۔ اس ضابطہ کے تحت جتنا کوئی مخلص فی العمل زیادہ ہوگا اسے مقصود کی باریابی جلدی ہوگی اور جتنا ارادوں میں وسعت ہوگی اتنا ہی مطلوب ہمہ گیر اثرات اور ثمرات عطا کرے گا اور جسے حاصل کرنے کی لگن ہوگی اسی دولت سے طالب بہرہ مند ہوگا۔

لاہجرۃ بعد الفتح کا مفہوم:

حضور ﷺ سے جہاں "فضیلت ہجرت" میں احادیث مروی ہیں وہاں کچھ روایات ایسی بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ "ہجرت" اب منقطع ہو چکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا هجرة بعد الفتح و لكن جهاد و نية

"فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے سوائے اس کے کہ جہاد اور نیت ہے"۔

مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مقدس پر "ہجرت" کی بیعت کرنا چاہی تو آپ نے فرمایا ہجرت تو ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔ بخاری ہی نے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا هجرة بعد رسول الله

"اللہ کے رسول کے بعد ہجرت نہیں"

رسالت مآب ﷺ کی ان روایات سے گرچہ محدثین نے یہی مفہوم اخذ کیا ہے کہ ہجرت کی اجازت میں جتنی احادیث ہیں ان سے مراد فرض ہجرت ہے اور محولہ روایات سے مراد مستحب ہجرت ہے اور فیوض الباری کے مصنف نے ابن اثیر کا جو قول نقل کیا اس کے مطابق "ہجرت رسول" کے بعد اب کوئی ایسی ہجرت نہیں جس پر جنت کا وعدہ یقینی ہو۔ اس نوعیت کی ہجرت اب منقطع ہو چکی ہے۔

مذکورہ صدر احادیث کی تطبیق میں میری ناقص رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "ہجرت کے ثمرات اور اثرات" واضح فرماتے ہوئے "**لاهجرة بعد الفتح**" ایسے اقوال ارشاد فرمائے جن کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد کوئی ایسی ہجرت کبھی نہیں ہو سکتی جس کے نتائج "ہجرت رسول" کی طرح ہوں۔ ظاہر ہے اس نوعیت کی ہجرت جائز تصور کرنے کا صاف مطلب رسول اللہ ﷺ کے انقلاب سے بڑا انقلاب لانا ہے جو چاروں جہت محال ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کسی اچھا پڑھنے والے کے لئے کہہ دیں کہ بھائی پڑھنا تو فلاں پر ختم ہے۔ اب "**لا هجرة بعد الرسول**" کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہجرت کی منفعت اپنے کمال کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر ختم ہے۔ میری اس توجیہہ کے مؤید بخاری کے یہ الفاظ بھی ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انقضت الهجرة اهلها

"ہجرت تو ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ختم ہوگئی"۔

دوسرا یہ بھی کہ رسالت مآب ﷺ ہجرت کی اجازت عام فرما دیتے تو کیا ایسا ممکن نہ تھا کہ جو بھی "مصائب اور کرائب" سے تنگ آجاتا تو دینی تحریک کو ادھورا چھوڑ کر چلتا بنتا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس نوعیت کے ارشادات صبر اور مصابرہ، استقامت اور حق پر ثبات کا درس دیتے ہیں۔ ایسے نہیں کہ جس پر تھوڑی مصیبت آئے وہی حق کا کام کاج چھوڑے اور کسی دوسری نگری میں کام شروع کرے اور پھر جب وہ صداقت کا پودا لگ جائے تو مشکل حالات میں وہاں ہجرت کا سہارا لے کر فرار کی راہ اختیار کرے۔ "**لا هجرة بعد الفتح**" کا واضح مطلب تحریک حق کے کارکنوں کو ثبات اور استقامت کی جنگ لڑنے کی تلقین ہے، البتہ حق کے پروان چڑھنے کے مواقع اگر ہجرت کی صورت میں زیادہ روشن ہوں تو ہجرت ممنوع بھی نہیں۔

حدیث میں دنیا اور عورت کا ذکر:

حضور ﷺ کے اس قول مبارک کا عمود چونکہ اصلاح نیت ہے اور نیت کی خرابی عموماً دنیا طلبی ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حب زر، طلب شہرت، اتباع خواہشات دنیا خواہی ہی کی مختلف صورتیں ہیں، البتہ حدیث میں "عورت" کے علیحدہ ذکر کرنے کے باب میں محدثین نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ حدیث کی شان ورود دیکھی جائے تو ایک عورت ہی کے واقعہ کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، دوسرا یہ ہے کہ دنیا جس طرح انسان کو جادہ حق سے پھیر دیتی ہے بعینہ عورت خواہی اور زن پرستی بھی انسان کی گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔ قوی قرینہ یہی ہے کہ جس کی بنا پر حضور ﷺ نے حدیث میں عورت کا ذکر فرمایا۔ میرے جدامجد بھی اس کی ایک توجیہہ یہی بیان فرماتے تھے کہ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ جس وقت صحابہ نے کمال قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہجرت فرمائی تو انصار نے دل کھول کر ان کی مدد فرمائی یہاں تک کہ جس کی دو عورتیں تھیں اس نے ایک عورت کو طلاق دے کر کسی مہاجر صحابی کے حوالے کرنا پسند کیا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے نیت کو پاکیزہ رکھنے اور فساد احوال سے بچنے کے لئے حدیث میں عورت کا ذکر فرمایا۔

☆☆☆

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خوبصورت قول

"وہ شخص جو دنیا میں عزت اور آخرت میں شرف کا ارادہ رکھتا ہو اسے تین کاموں سے اجتناب کرنا چاہیئے: ایک یہ کہ کسی سے اپنی ضرورت کی تکمیل نہ چاہے، دوسرا یہ کہ کسی بھی شخص کو برا نہ کہے اور تیسرا یہ کہ کسی کی دعوت طعام قبول نہ کرے"۔

منجانب:
حافظ محمد رضوان یوسف
خطیب جامع مسجد ابوبکر صدیق
قیوم بلاک، مصطفےٰ ٹاؤن، لاہور

ایسے مومن جو اللہ کی راہ میں ہجرت کریں ان سے بہتر ٹھکانہ دینے کا وعدہ کیا گیا ہے

دینی مسائل اور ان کا حل

محمد لیاقت علی مفتی

"مسائل دین و دنیا" کے عنوان کے تحت قارئین کرام کے ان سوالات کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں جو کارزارِ حیات میں مختلف اعمال وافعال کی بجا آوری کے دوران انسانی ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور پھر ذہنی وروحانی الجھنوں کا باعث بنتے ہیں۔ آپ کو بھی کوئی الجھن درپیش ہو یا ذہن کے نہاں خانے میں کوئی سوال پیدا ہو کر پریشان کررہا ہو تو فوراً لکھیے۔ آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ اس سوال کا شافی وکافی جواب دیا جائے گا۔

☆: آج کل بہت سے لوگ تصوف کے نام پر رقص و سرود کی ترغیب میں مشغول دکھائی دیتے ہیں۔ کیا شریعت یا طریقت میں اس فعل کی اجازت ہے؟

✿: سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ شریعت اور طریقت دو الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی چیز کے دو رخ یعنی ظاہر و باطن ہیں، جیسے خوشبو کو پھول سے جدا نہیں کیا جاسکتا ایسے ہی طریقت وشریعت بھی باہم جدا نہیں ہوسکتے، اگرچہ بعض جاہل اور نادان لوگوں نے تصوف کی عظیم تر حقیقت سے غلط فوائد کے حصول کے لئے گمراہ کن اور من گھڑت باتوں کو تصوف کا حصہ قرار دیا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان جہلا کی بات یا عمل دوسروں کے لئے لائق تقلید بھی ہو۔

شریعت وطریقت دراصل اس ورثے کا نام ہے جو رسول رحمت ﷺ نے امت کے نام چھوڑا۔ شریعت کے بغیر طریقت کا تصور حرام اور طریقت کے بغیر شریعت پر ایمان نامکمل ہوتا ہے۔ لمبے چوڑے دلائل سے قطع نظر اگر ہم لفظِ تصوف کے معانی پر غور کرلیں تو بھی تصوف کی حقیقت آفتاب روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ لفظ تصوف یا صوفی "صفا" سے مشتق ہے جس کا متضاد "کدر" ہوتا ہے۔ بطور حوالہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے رحمت عالم ﷺ کی حدیث بھی نقل کی ہے۔ آقا ﷺ فرماتے ہیں۔

ذھب صفوۃ الدنیا وبقی کدرھا

"یعنی دنیا کی صفائی چلی گئی اور میل باقی رہ گیا"۔

اشیاء میں بھی ان کے لطیف حصے کو صفا اور کثیف حصے کو کدر کہتے ہیں۔ نتیجہ نکالتے ہوئے حضرت داتا علی ہجویری فرماتے ہیں کہ اہل تصوف بھی کیونکہ اپنے اخلاق اور جملہ معاملات کو صاف رکھتے ہیں اور قلبی آفات سے پاک ومبرا ہوتے ہیں اسی بنا پر انہیں بھی صوفیاء یا اہل تصوف کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ عیاں ہوئی کہ تصوف نام ہی ظاہر و باطن کی صفائی کا ہے اور اس میں کسے شک ہوسکتا ہے کہ طہارت کی یہ عظیم منزل احکام شریعت کو اختیار کیے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتی۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

"قد افلح من تزکیٰ"

اور تزکیہ کا یہ عظیم مقام حاصل کیسے ہو، قرآن نے یہ عقدہ بھی کھولا اور ارشاد فرمایا:

"ویزکیھم"

نتیجہ یہی نکلا کہ تزکیہ باطن کے حصول کے لئے رحمت عالم ﷺ ہی کی نگاہ تطہیر سے خیرات حاصل کرنی ہوتی ہے۔

اصل مسئلے کے جواب سے قبل بطور تمہید ان باتوں کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ جو چیز از روئے شرع جائز ہوگی وہ از روئے تصوف بھی۔

جائز اور جو چیز شریعت مطہرہ میں حرام وناجائز ہوگی اہل طریقت بھی ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اب رہا سوال رقص وسرود کا اس مسئلے میں بھی سند الواصلین حضرت داتا گنج بخش ہی کے الفاظ مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رقص کی نہ تو شریعت مطہرہ میں کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی طریقت وتصوف میں کیونکہ ہر عقل مند اچھے رقص کو کھیل تماشا اور بے ہودہ رقص کو بے ہودگی وبے حیائی ہی تصور کرتا ہے۔ مشائخ اور اکابر صوفیاء میں سے کسی بھی بزرگ نے رقص کو پسند نہ کیا، لہذا ناچنا اور رقص کرنا شرعی اور عقلی ہر دو اعتبار سے قابل مذمت فعل ہے۔ آخر میں حضرت داتا گنج بخش نے بعض مجذوب حضرات کی جانب سے اضطرابی و اضطراری کیفیت میں خاص حرکات کے سرزد ہوجانے کا بھی ذکر کیا اور فرمایا کہ "وہ وقت تو اس کے لئے انتہائی جانگدازی کا وقت ہوتا ہے گویا اس حالت میں اس کی جان پر بنی ہوتی ہے اس اضطرابی کیفیت کو مروجہ رقص کا نام دینا کس قدر زیادتی ہوگی؟۔۔۔۔"

ان تفصیلات سے موجودہ دور میں پیدا ہونے والے ان تمام فتنہ گر عناصر کی بھی سرکوبی ہوجاتی جو موسیقی کی مختلف محفلوں میں رقص وسرود جیسی مکروہ ومردود چیز کی نسبت صوفیاء کرام کی طرف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب کو نورِ ہدایت سے نوازے۔

☆: ایک آدمی نے پانچ ماہ قبل نشے کی حالت میں اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں، بقول اس کے اس کی نیت ایسا کرنے کی کبھی نہ تھی۔ اسے پتہ ہی نہ چلا کہ کیا ہوا۔ اس صورت میں حکم طلاق کیا ہوگا؟ (آصف عزیز، مورگاہ)

✿: حالت نشہ کی طلاق کا حکم جاننے سے قبل یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ نشہ کی چند صورتیں ہیں:

1۔ یہ کہ مباح شے مثلاً اجوائن یا نشے کا باعث بننے والی کسی دوائی سے نشہ طاری ہوگیا۔

2۔ یہ کہ کسی نے جبراً گن پوائنٹ پر نشہ کرنے پر مجبور کیا۔

3۔ اپنی مرضی سے نشہ آور حرام شے استعمال کی۔

پہلی دونوں صورتوں میں نشہ کا حکم اغماء یعنی بے ہوشی والا ہوگا، لہذا ان صورتوں میں دی گئی طلاق معتبر نہ ہوگی جیسا کہ صاحب "المنار" نے تصریح کی:

"والسکر وھو ان کان من مباح کشرب الدواء المسکر او شرب المکرہ المضطرب فھو کا لا غماء"

"اور نشہ اگر کسی مباح اور جائز شے سے ہو جیسے ایسی دوائی پی لینا جو باعث نشہ ہو یا مجبوراً حالت اضطرار میں نشہ آور شے استعمال کرلی تو وہ بے ہوشی کی طرح ہے"۔

صاحب نور الانوار نے کالاغماء کی تشریح میں فرمایا:

"یعنی یجعل مانعاً فیمنع صحة الطلاق و العتاق و سائر التصرفات کا لا غماء"
''یعنی اسے مانع قرار دیا جائے گا۔سو یہ حالت طلاق وعتاق اور دیگر تمام تصرفات کو روک دے گی بے ہوشی کی طرح''۔

مذکورہ بالا صورتوں میں تیسری صورت میں طلاق کے واقع ہو جانے میں کوئی شک وشبہ یا تردد نہیں۔المنار ہی کی عبارت ملاحظہ ہو۔

" وان کان من محظور ای حصل من شرب شیء محرم کا لخمر و السکر و نحوہ فلا ینا فی الخطاب با الاجماع"
''یعنی اگر نشہ کسی ممنوع شے کے استعمال سے ہو یعنی کسی حرام چیز مثلاً شراب وغیرہ کا ستعمال باعث نشہ ہو تو وہ بالا جماع خطاب شرعی کے منافی نہیں''۔

اس کا حکم بیان کرتے ہوئے ملاجیونؒ نے فرمایا۔

"و تلزمہ احکام الشرع و تصح عباراتہ فی الطلاق و العتاق والبیع والشراء والا قاریر"
''اور لازم ہوں گے اس پر تمام شرعی احکام اور معتبر ہوں گے اس کی جانب سے طلاق وعتاق خرید و فروخت اور اقرار واعتراف سے متعلقہ تصرفات''۔

مذکورہ بالا عبارات سے بات بالکل واضح ہو گئی کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نشہ کرے اور اسی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ طلاق نافذ ہو جائے گی۔اس میں نیت یا عدم نیت کو کوئی دخل نہیں۔وقایہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"و یقع طلاق کل زوج عاقل بالغ حر او عبد ولو سکران "
''اور واقع ہو جاتی ہے طلاق ہر خاوند کی جو عاقل وبالغ ہو آزاد ہو یا غلام اور اگر چہ نشہ میں ہی کیوں نہ ہو''۔

سوال میں مذکورہ صورت چونکہ تیسری ہے اور اس آدمی نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں اور ان پر عدت بھی گزر چکی، لہذا اس کی بیوی بائن ہو چکی ہے۔اب اگر وہ دوبارہ اکٹھے رہنا چاہیں تو تجدید نکاح کے بغیر ایسا نہیں کر سکیں گے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

☆: اگر حج کا ارادہ کرنے والا کوئی آدمی عدم علم کی بنا پر میقات سے بغیر احرام آگے بڑھ جائے تو کیا کرے؟
(عبدالقیوم،رحیم یار خان)

✿: سرزمین حرم میں داخل ہونے کے لئے احرام ضروری ہے حج وعمرہ کا ارادہ رکھنے والا کوئی بھی شخص بغیر احرام میقات سے آگے نہیں جا سکتا اگر کسی نے ایسا کر دیا تو تین صورتیں ہیں اور تینوں کا حکم مختلف ہے۔

(1) میقات سے بغیر احرام آگے بڑھ گیا اور حرم میں داخل ہو کر مناسک حج میں سے بعض ادا بھی کر لیے۔اس صورت میں اس پر دم لازم ہو گا چاہے میقات کی طرف واپس لوٹے یا ایسا نہ کر سکے۔

(2) تجاوز میقات کے بعد جہاں سے یاد آیا وہیں سے احرام باندھ کر حرم میں داخل ہو گیا اور میقات کی طرف واپس نہ آیا۔اس صورت میں بھی دم لازم ہے۔

(3) تجاوز میقات کے بعد یاد آ جانے پر میقات کی طرف واپس لوٹ گیا اور وہاں سے ہی احرام باندھ کر دوبارہ سفر شروع کیا تو تجاوز میقات کے باعث لازم ہونے والا دم ساقط ہو جائے گا کیونکہ حق میقات ادا کر دیا گیا۔

واللہ اعلم بالصواب

☆: حج کا احرام باندھنے سے پہلے میرے والد صاحب نے خوشبو لگائی اس کے بعد احرام باندھ کے نیت کی وہاں موجود ایک صاحب کہنے لگے ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے آپ پہ کفارہ لازم ہے اور دوسرے بھی جب سونگھیں گے تو انہیں بھی نقصان ہوگا۔اس سلسلے میں صحیح شرعی حکم کیا ہے؟
(وقار صابر، بھارہ کہو، اسلام آباد)

✿: کوئی بھی آدمی جب احرام باندھ کے نیت کر لے تو اس کے بعد بلاشبہ اس کے لیے خوشبو کا استعمال ناجائز ہوتا ہے اور ایسا کرنے والے پر''دم''(جانور کا ذبح کرنا) لازم ہوتا ہے۔البتہ اگر کوئی احرام سے قبل خوشبو لگائے جیسا کہ آپ کے والد صاحب نے کیا تو اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں بلکہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ محدثین کے ہاں مشہور ہے۔آپ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام احرام سے قبل خوشبو لگاتے اور پھر کہا:

کانی انظر الی وبیص الطیب فی مفرق رسول اللہ ﷺ
''گویا میں اب بھی آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر اقدس کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبل از احرام خوشبو لگانے میں کوئی حرج نہیں۔رہا دوسرا مسئلہ کہ دوسروں کو خوشبو سونگھنے سے نقصان ہوگا یا نہیں؟ تو عرض یہ ہے کہ ممنوعات احرام میں خوشبو لگانے کا ذکر ہے خوشبو سونگھنے کا نہیں، گویا خوشبو کا سونگھنا حرام نہیں البتہ سونگھنے میں ارادہ و عدم ارادہ کی صورتوں کا حکم بھی مختلف ہوگا اگر بلا ارادہ خوشبو محسوس ہو گئی تو اس میں مطلقاً حرج نہیں اور اگر جان بوجھ کر خوشبو سونگھی تو اس سلسلے میں فقہاء کرام کی تصریح ہے۔

وان شم طیباً کرہ و لا شئ علیہ
''اگر جان بوجھ کر خوشبو سونگھی تو مکروہ (تنزیہی) ہو گی مگر اس پر کچھ لازم نہ ہوگا''۔

☆: قربانی کے ایک جانور میں چھ حصہ دار شامل ہوئے، ساتواں حصہ نہ ہونے کے باعث انہوں نے ایک ایسے شخص کو شامل کر لیا جس نے اپنے کسی عزیز کے ولیمے کی نیت سے حصول لحم کی خاطر اپنے پیسے شامل کر لیے۔ایسا کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟
(محمد شوکت، رحمت آباد راولپنڈی)

✿: قربانی کے جانور میں شرط یہ ہے کہ تمام حصہ داروں کی نیت قربت اور قربانی کی ہو۔اگر کسی ایک کی نیت بھی گوشت حاصل کرنے کی ہوگی تو قربانی کسی کی جانب سے نہ ہو گی۔سب کی قربانی رائیگاں چلی جائے گی۔کنز الدقائق کے الفاظ ہیں:۔

وان کان شریک الستة نصرانیا او مرتداًاو نوی اللحم لم یجز عن واحد منھم
''اور اگر چھ لوگوں کا (ساتواں) شریک عیسائی، مرتد یا گوشت کی نیت رکھنے والا ہو تو قربانی کسی ایک کی جانب سے بھی جائز نہ ہو گی''۔

☆: ہم پانچ بھائیوں نے مل کر ایک بیل خریدا۔ارادہ یہ ہے کہ ایک ایک حصہ پانچوں کا اور باقی دو حصے سب سے بڑے بھائی کے بیٹے کے عقیقے کے شامل ہوں گے اس طرح کل سات حصے بن جائیں گے۔کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ (عبدالحنان، مظفر آباد)

✿: عقیقے کے احکام قربانی ہی کی طرح ہیں لہذا اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

☆: ہم نے قربانی کے لئے گائے خریدی عارضی طور پر اسے اپنے گاؤں میں دیگر جانوروں کے ساتھ رکھا اتفاقاً اس کی دم چارہ کاٹنے والی مشین میں آ کے کٹ گئی کیا اس کی قربانی کی جاسکے گی؟ (محمد عبدالرحیم، گوجر خان)

✿: دیکھا جائے گا اگر تو دم زیادہ موجود ہے اور تھوڑی کٹی تو قربانی جائز ہے اور اگر دم کا اکثر حصہ کٹ گیا ہے تو قربانی جائز نہ ہوگی۔تفصیل کے لئے کتب فقہ ملاحظہ ہوں۔

☆☆☆

محبت اور پیار کا آبِ حیات

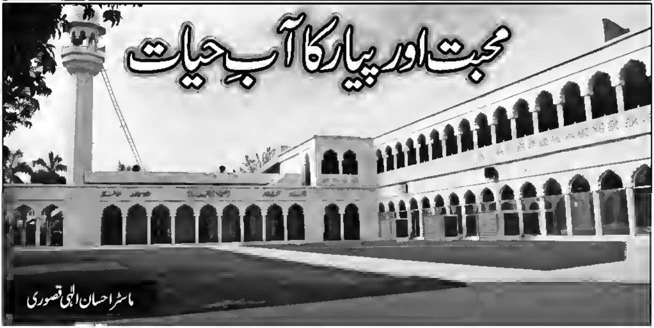

ماسٹر احسان الٰہی قصوری

ابومحی الدین محمد بہاؤ الدین ایک روز اتفاق مسجد میں بندہ ناچیز سے خوش طبعی فرماتے ہوئے کہنے لگے کافی عرصہ سے آپ کی کوئی تحریر ماہنامہ ''دلیل راہ'' کے لئے نہیں آئی تو میں خوش گوار حیرت اور مسرت کی ملی جلی کیفیت سے مسرور اور سرشار ہوگیا کہ میری بھی کوئی تحریر دلیل راہ کی زینت بن سکتی ہے کیونکہ میں نے آج تک کبھی کوئی تحریر کسی رسالہ، اخبار یا میگزین وغیرہ کے لئے نہیں لکھی۔ ایک دو تحریریں صرف دلی جذبات سے مغلوب ہوکر ''دلیل راہ'' کی نذر کیں جنہیں شرف قبولیت بخشا گیا۔ محمد بہاؤ الدین کی طرف سے حوصلہ افزائی اور ترغیب پر پھر چند الفاظ ٹاٹک ٹوئیوں سے جوڑنے اور توڑنے میں مگن ہوں اور یہ بے تکی سی تحریر ایک بار پھر قارئین کی بصارتوں سے گزارنے کی جسارت کر رہا ہوں، مگر حقیقت اور صورتحال یہ ہے کہ میں کوئی ادیب ہوں اور نہ لکھاری اور نہ ہی گرائمر کی ابجد سے شناسا، بلکہ میں تو بڑے بڑے اہل علم و دانش کے سامنے طفل مکتب بھی نہیں ہوں۔ میری ایم۔اے، ایم۔ایڈ وغیرہ کی ڈگریاں فقط ایک جز وقتی اعزاز، بھاگ بھرم شاید والدین کی دعاؤں کا ثمر ہیں، وگرنہ علمی اور تعلیمی لحاظ سے اگر کوئی میری ڈگریوں کے حوالے سے انٹرویو یا میرے نالج اور قابلیت کا امتحان لینا شروع کردے تو زبان گنگ اور قلم ساکت ہوجائے اور یہ قلعی کھل کر سامنے آجائے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

کیونکہ دوران حصول تعلیم لائق فائق اور قابل رشک طالب علموں میں شمار نہ ہوتا بلکہ ہمیشہ تعلیم اور سکول سے چھٹی اور فرار کی تدبیریں ڈھونڈا کرتا تھا۔ اب تو خدا نے کرم سے نوازدیا اور قسمت نے یاوری کی کہ مرشد کریم قبلہ شاہ جی کی نسبت اور غلامی نے اپنا پٹا ڈالنے کے لئے اس ناچیز کو اعزاز بخشا جس سے بے مقصد، بے معنیٰ اور بے کار زندگی با مقصد اور با معنی بن گئی۔ تحریر تو حافظ شیخ محمد قاسم لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ دلیل راہ کی باقاعدہ اور مسلسل تحریر ''یادیں بھی اور باتیں بھی'' ان کی عمدہ، نفیس اور شاہکار تالیف و کاوش ہے۔ یادوں، باتوں اور واقعات میں جان ڈال دیتے ہیں۔ حضرت شاہ جی کے روحانی لمحات اور شب و روز کے معمولات کی معلومات سے مستفید اور محفوظ فرماتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

محمد بہاؤ الدین اور حافظ محمد قاسم دونوں ہی ایسے نگینے ہیں کہ جیسے فطرت نے ازل ہی سے ان قابل ستائش حضرات کو شاہ جی کی خدمت اور وفا شعاری کے لئے چن رکھا تھا اور یہ نگینے ایک نہایت ہی خوبصورت، قیمتی، انمول، نفیس، دلکش، نایاب اور نادر المثال ہیرے پر ایسی نفاست سے سجے اور پھبن آمیز ہوئے جیسے سونے پہ سہاگہ۔ چشم بد دور!

محمد بہاؤ الدین اتفاق مسجد کے روح رواں، شاہ جی کے خادم خاص، خلیفہ مجاز اور پروگرام سیکرٹری کے حوالہ سے ایک مخلص، دیانت دار، بردبار، دور اندیش، تحمل مزاج اور ہنس مکھ شخصیت کے آئینہ دار ہیں۔ درویش منش، نیک سیرت اور شریف الطبع فطرت کے مالک ہیں، کم کھانا، کم سونا، کم بولنا ان کا معمول اور شیوہ ہے، انتھک اور محنتی ہیں، ہر وقت ہشاش بشاش اور چاق و چوبند رہتے ہیں۔ شاہ جی کی لاہور آمد کے شیڈول و مصروفیات، لوگوں کے جم غفیر اور ان کے سوال و جواب، ٹیلی فون کالز، خط و کتابت، اشاعت و طباعت و دیگر بے شمار امور سے عہدہ برآ ہونا اور ان سے سرخرو ہونا آپ ہی کا خاصہ ہے۔

اتفاق مسجد ماڈل ٹاؤن لاہور ایچ بلاک میں رہائش پذیر شریف برادران کے زیر انتظام لاہور اور گردونواح کے ہزاروں لوگوں کے لئے روحانی، اخلاقی، دینی، فکری تربیت کی ایک پرتاثیر آماجگاہ ہے۔ الحاج میاں محمد شریف مرحوم و مغفور جو کہ اتفاق انڈسٹریز کے بانی و چیئرمین ہیں۔ اپنے نام کی مانند شریف النفس، نیک سیرت، پابند صوم وصلوٰۃ و تہجد، متقی، پرہیزگار، اصول پسند اور درد دل رکھنے والے رحم دل شخصیت تھے۔

علامہ طاہر القادری کے بعد قبلہ شاہ جی کا انتخاب اور دریافت میاں محمد شریف کی بصیرت، دانائی اور فہم و فراست کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس سے زندہ دلان لاہور کی قسمت اور مقدر کا ستارہ چمک اور جگمگا اٹھا اور لاہور کے در و دیوار ایک ولی کامل، عالم باعمل، منبع علم و عرفان، فخر السادات اور مسند رشد و ہدایت کے علمبردار کے وجود سے شاداں اور فرحاں اور رقصاں و بے خود ہوگئے اور اپنے اذہان و قلوب کو اللہ پرستی، رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور درس حسینیت سے

میاں محمد شریف حضرت قبلہ شاہ جی سے بے حد عقیدت رکھتے تھے

آراستہ وپیراستہ ہونے کے سلیقے اور ڈھنگ سے روشناس ہوگئے۔ میاں محمد شریف کو اس کارخیر اور صدقہ جاریہ کا اجرو ثواب تا قیامت اور اس کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے اخروی زندگی کی کامیابی کی ضمانت وسند بنتا رہے گا۔ میاں محمد شریف حضرت قبلہ شاہ جی سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور شاہ جی کے ارشادات کو حرف آخر سمجھتے تھے اور اسی طرح شاہ جی بھی میاں صاحب کا دلی احترام کرتے تھے اور آپ سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ میاں صاحب کو کروٹ کروٹ آسودگی اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام ومرتبہ عطا فرمائے۔ میاں محمد شریف کی عدم موجودگی اور رحلت کے بعد دیگر شریف برادران بھی شاہ جی کی بے حد عزت وتکریم اور ان سے عقیدت کی حد تک محبت رکھتے ہیں اور مسجد کی تعمیر وترقی تزئین وآرائش، نمازیوں اور زائرین کی سہولت کے لئے اسی انداز بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے خانہ خدا کو آباد وشاد رکھنے کے لئے ہر وقت کمر بستہ اور کوشاں رہتے ہیں۔ اپنی دنیوی وفانی زندگی میں ابدی واخروی زندگی کی کامیابی اور سرخروئی کے لئے ثمرات مہیا کر رہے ہیں۔ اتفاق مسجد میں بارہ ربیع الاول، شب قدر، شب برأت، رمضان المبارک میں اعتکاف وشبیوں جیسے روح پرور اجتماعات کا خصوصی انعقاد اور انتظام کیا جاتا ہے۔ پوری مسجد کو چراغاں کرکے بقعۂ نور بنا دیا جاتا ہے اور شاہ جی کی معیت بابرکات میں محفل نعت، درود وسلام، خطاب، نوافل، ذکر، نماز تسبیح ودعا کے مناظر ایک عجیب کیف، سرور اور مسرت وانبساط کی روحانی خیرات بانٹ رہے ہوتے ہیں اور یہ تصور بہت فرحت بخش اور دل پذیر ہوتا ہے کہ ہم کتنے خوش نصیب اور بلند نجت ہیں کہ آلِ رسول ﷺ اور ایک سید زادے کی آغوش محبت اور دامانِ لجپالی میں آگئے ہیں۔ اسی طرح مسجد کے در وبام بھی پر بہار اور دلفریب نظر آتے ہیں جیسے وہ بھی بول رہے ہوں اور خوشی کا اظہار کر رہے ہوں کہ ہم بھی دوسرے عام پتھروں جیسے تھے لیکن خانہ خدا کو آباد کرنے کے ساتھ شاہ جی کی زیارت باتسکین کے شرف سے ہم جیسے پتھروں میں بھی جان آگئی ہے۔

اتفاق مسجد کی عمارت، فضا اور ماحول دیکھ کر ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے یہ عمارت، یہ در و دیوار، پنکھے، قمقمے وغیرہ بھی بے جان ہونے کے باوجود جان رکھتے ہیں۔ انسیت، احساسات اور جذبات رکھتے ہیں۔ ان میں بھی ایک نور ہے، ایک چمک ہے اور ہر آنے والے کو متاثر اور گرویدہ کرتے اور دعوت طہارت فکر ونظر پیش کرتے ہیں۔ یہ سارے رنگ شاہ جی کی اتفاق مسجد سے وابستگی کے مرہون منت ہیں۔

راولپنڈی سے لاہور ہر جمعۃ المبارک کو عرصہ چوبیس سال سے شاہ جی کی تشریف آوری بھی ایک زندہ وجاوید کرامت ہے۔ اتفاق مسجد میں چوبیس سال سے مفکر اسلام، مفسر قرآن شیخ الاسلام علامہ سید ریاض حسین شاہ کا خطاب جمعۃ المبارک، محققانہ درس حدیث وفقہ، ماہانہ محفل ذکر، شب برأت اور شب قدر جیسی روحانی نشستیں تشنگانِ طلب راہ حق کے لئے رحمتوں کی برسات، روحانی تشنگیوں کی تسکین، قلب وروح کی زنگ آلودگیوں کی صفائی اور عصر حاضر کی حشر بپا عشرت سامانیوں کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں روشنیوں کے مینار، شبنمی قطروں جیسی سکون اور طراوت اور بادنسیم کی مانند دلکش اور معطر ہلوں کا پیش خیمہ ثابت ہورہی ہیں۔ ہر محفل، ہر خطاب، ہر درس، ہر تحریر اور ہر دعا ایک نئی انقلاب انگیز اور فکر انگیز جہت کے ساتھ خدائے بزرگ وبرتر کی توحید، آقا علیہ السلام کی رسالت، قرآنی تعلیمات اور درس حسینیت کے پیغام کی صورت میں ناکام ونامراد، بکھری لٹی پٹی دہشت زدہ انسانیت کی دنیوی واخروی کامیابیوں وکامرانیوں کے لئے حوصلہ بخش نوید ہے، جو ذہنوں، قلبوں، روحوں، سماعتوں اور بصارتوں میں رچ بس کر زندگی میں ایک نئی امنگ، امید اور تحریک پیدا کرکے ضمیر میں حقیقی روح اجاگر کرتی چلی جاتی ہے۔ بڑے بڑے سکالرز، مشائخ عظام، علماء، خطباء، وکلاء، ڈاکٹرز، انجینئرز، طلباء، صحافی، مذہبی وسیاسی اکابرین سمیت ہر مکتبہ فکر کے لوگ شاہ جی کی زیارت اور علمی وروحانی سوغاتوں کا نذرانہ لینے کے لئے دور دراز سے کشاں کشاں، جوق در جوق امڈے چلے آتے ہیں اور اپنی پیاسی روحوں کو روحانی زمزموں سے سیراب کرکے سکون اور راحت حاصل کرتے ہیں اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ میری اپنی ولی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک جمعہ کی ادائیگی کے بعد دوسرے جمعہ کا انتظار بڑی خوشگوار بے قراری اور تڑپ کا موجب اور وصال لازوال کا باعث بنتا ہے، اگر کسی ناگریز وجہ سے کسی جمعہ یا ماہانہ محفلِ ذکر سے غیر حاضری ہو جائے تو دل اداس اور مغموم ہو جاتا ہے اور تادیر قلق کا احساسِ زیاں مہمیز کرتا ہے جیسے کوئی بہت ہی قیمتی متاع گم ہوگئی ہو اور ازالہ حاضری پر ہی ممکن الحصول ہوتا ہے۔ اتفاق مسجد سے انسیت اور شاہ جی کا قرب فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ بس چلے تو دن رات کا ہر لمحہ ہر ٹک ٹک اتفاق مسجد، مرشد کریم شاہ جی اور محمد بہاؤ الدین کی غلامی اور چاکری کے لئے وقف کر دوں۔

سید ریاض حسین شاہ کی قابل تقلید حیات پر تحقیقی مقالہ قلم کی نوک سے اوراق کی زینت بنایا جائے تو بندہ ورطۂ حیرت میں گم ہو کر رہ جائے کہ بظاہر ایک عکس لمعہ نور کا انسان کس طرح وقت کے ایک ایک لمحہ، ایک ایک ساعت، ایک ایک گھڑی اور سیکنڈ کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے عین مطابق حق اطاعت میں بسر کرتا ہے۔ یہ شاہ جی پر خدائے لم یزل کی خاص رحمت، رسالت مآب ﷺ کی خاص عنایت اور آفتاب نقشبندیت، مہتاب مجددیت محمد جمشید المعروف لالہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ اور شفقت کا فزوں تر ارزانی کا منطقی نتیجہ ہے۔ عبادت وریاضت، ذکر واذکار، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، میل ملاقات، ملکی وغیر ملکی تبلیغی دورہ جات ودیگر بے پناہ مصروفیات ومعمولات سے عادلانہ توجہات کے باوجود شاہ جی ہر دم، ہر آن خوش وخرم، مرنجاں مرنج اور تازہ دم نظر آتے ہیں۔ چہرے پر شکن کی سلوٹیں نہ تھکاوٹ کے آثار اور نہ بیماری کی ظاہری علامات۔ ہمہ وقت شگفتگی اور مسکراہٹوں کی تحریک اور سیلان رحمت ہیں کہ بندہ بار بار ملنے کی تمنا اور خواہش رکھے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ڈنکے چاردانگِ عالم بجانے اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور رحمۃ للعلمین کے چشموں سے خیر الناس من ینفع الناس کے جام پلانے کی جستجو میں مصروف کار رہتے ہیں۔ حضرت قبلہ شاہ جی کی فکر قرآن سے مزین ومرصع اور عشق رسول ﷺ سے معمور بہت سی تصانیف کے علاوہ اتفاق اسلامک سنٹر ماڈل ٹاؤن لاہور سے ماہنامہ ''دلیلِ راہ'' کا اجراء مدتوں سے گم گشتہ اور بھٹکی ہوئی انسانیت کے نام ''صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہ کہو'' کا مژدہ ہے۔ خاص طور پر دلیل راہ کی تحریر گفتنی ونا گفتنی کا لفظ لفظ،

ہم کتنے خوش نصیب اور بلند بخت ہیں کہ آلِ رسول ﷺ اور ایک سیدزادے کی آغوشِ محبت اور دامانِ لجپالی میں آ گئے ہیں

حرف حرف وقت کے فرعونوں، متکبر حکمرانوں اور شاہی ایوانوں کے لئے صحت منداور جرأت مندانہ للکار ہے۔ راہ حق کو چھوڑ کر ہندو و یہود کی باطل اور سرکش قوتوں سے ڈر ڈر، سہم سہم اور سرنگوں ہو کر زندگی گزارنے والے مردہ ضمیروں کے نام سبق آموز درس ہے کہ اپنا ناطہ محمد عربی ﷺ سے جوڑ لو اور اپنا بستر اس گلی میں لگا لو جس کوچے میں ہر گدا جلالِ سکندری اور تاج و تخت سلیمانی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔

تخت سکندری پہ وہ تھوکتے نہیں ہیں
بستر لگا ہوا ہے جن کا تیری گلی میں

کس چیز کی کمی ہے آقا تیری گلی میں
دنیا تیری گلی میں عقبیٰ تیری گلی میں

الغرض بھٹکی اور ٹھکرائی ہوئی انسانیت کے لئے امان اور سر اٹھا کے عزت و وقار سے جینے کی سلیقہ مندی کا راز صرف محسن انسانیت و کائنات تاجدار کون و مکاں کے در کا سچا غلام بننے اور امام عالی مقام کے عزم و استقامت اور قربانی کے جذبے کو اپنا مشن بنانے میں پنہاں ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا اور التجا ہے کہ وہ وجہِ تخلیق کائنات، فخر موجودات، تاجدار نبوت علیہ التحیۃ والثناء کے قدموں کی خیرات اور ان کے وسیلہ جمیلہ سے حضرت شاہ جی، اتفاق مسجد اور وابستگانِ اتفاق مسجد کا یہ نورانی، وجدانی، روحانی ماحول اسی طرح قائم و دائم رکھے اور اس میں مزید بے شمار رحمتوں، برکتوں، فضیلتوں کا نزول فرمائے۔ اس رنگ و نور کی فضا کو ہمیشہ کے لئے نظر بد سے محفوظ رکھے۔ تمام عالمِ اسلام اور اس میں بسنے والی امتِ مسلمہ کو اپنی پناہ اور حفظ و امان میں رکھے۔

آمین! ثم آمین! بجاہ سید المرسلین

☆☆☆

اکابر اُمت کی حکمت افروز، ایمان ساز اور حوصلہ پرور باتیں ملاحظہ کرنے کے بعد میں یاد کروانا چاہوں گا کہ ہم میں سے ہر ایک پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب موت دونوں آنکھوں کی سیاہی سے حیات نوچنا شروع کرے گی اور کہنیوں کو ہتھیلیوں سے جدا کر دے گی، بازوؤں کو کندھوں سے الگ کر دے گی، پنڈلیاں گھٹنوں سے اور گھٹنوں کو رانوں سے الگ کر دیا جائے گا، بڑے اور چھوٹے سب لوگ بکھیر دیئے جائیں گے۔ ایسا وقت آنے سے پہلے ہمیں دنیا سازوں، دھوکہ بازوں اور نفاق سے نجات کی کوئی تدبیر اپنا لینی چاہئے۔ مسلمانوں کے پاس اب بھی کچھ وقت ہے کہ کفر اور طاغوت کی غلامی سے نجات کا راستہ اپنا لیں اور پیغمبر ﷺ کی پیروی کی روحانی منزل کی طرف بڑھنا شروع کر دیں۔ کسی بڑی قوم اور اس کی قوت و سطوت سے ڈرنے کی روش خدارا اسے خیر آباد کہیں اور عقیدہ مضبوط رکھیں۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب

الائیڈ آٹومیٹک وولٹیج سٹیبلائیزر اینڈ یو-پی-ایس

E-393/16 مسلم پارک، قینچی امرسدھو، فیروز پور روڈ لاہور
فون: 5811922-23

- تعلیماتِ اسلامیہ سے اپنی زیست میں فہم ودانش کی بہار لانے کیلئے
- زندگی کو عشق رسالت مآب ﷺ کے نور سے منور کرنے کیلئے
- باطنی صفائی کے حصول اور تقویٰ و پرہیزگاری کی نعمتوں سے سرفراز ہونے کیلئے
- اخلاقی رزائل اور روحانی بیماریاں دور کرنے کیلئے

{ شاہ جی کی تحریروں کے ساتھ ساتھ آپ کا سلسلۂ گفتگو }

"محراب"

سماعت فرمایئے

- اخلاص کی برکات
- تدبر: اہمیت وفضیلت
- حج
- بلند نظری اور ایثار
- عیادت کے احکام اور آداب
- قوی مومن اور اس کی زندگی کا حسن
- خوف اور احساس ندامت
- پرسکون عائلی زندگی کی بنیادیں
- ذکر کی فضیلت اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
- حصولِ برکت کے ذرائع
- پیغامِ حسین کانفرنس
- دلوں کی تالیف
- معاملات میں حسن
- جلد بازی کے نقصانات
- قرآن اور اہل بیت
- باوقار زندگی کا تصوف
- مدارات اور دل نوازی
- فکرِ آخرت
- دینی تربیت کی ٹھوس بنیادیں
- اسبابِ جرائم اور نجات کی راہ
- عید میلاد النبی ﷺ

منجانب: ڈاکٹر محمد آصف ساہیوال

سالانہ محفل میلاد النبی ﷺ

ادارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی

رپورٹ: ڈاکٹر منظور حسین اختر

محافل میلاد عشق رسول کے اظہار اور اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

1۔واذ اخذ اللہ میثا ق النبین لما ا تیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جا ئکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولننصرنہ قال ء اقررتم واخذتم

علی ذلکم اصری قالو اقررنا قال فا شھدو وانا معکم من الشھدین (آل عمران: ۸۱)

2۔ومآارسلنک الا رحمۃ اللعلمین (لانبیاء:۱۰۷)

3.یا ایھا النبی انا ارسلنک شا ھدا ومبشرا ونذیرا (الاحزاب: ۴۵)

4۔یا ایھا الناس قد جاء تکم مو عظۃ من ربکم وشفاء الما فی ا الصدور وھد ی ورحمۃ للمؤ منین (الیونس:۵۷)

5۔قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون(الیونس:۵۸)

6.ھو الذی بعث فی الا مین رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ا یتہ ویزکیھم ویعلھم الکتب والحکمۃ وان کا نوا من قبل لفی ضلل مبین. (سورہ جمعہ:2)

7.ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لا تبعتم الشیطن الا قلیلا (النساء:۸۳)

اسی طرح حضور ﷺ کا پیر کو روزہ رکھنا، ایک موقع پر بکری کا ذبح فرمانا، اپنی ولادت شریفہ کی روایات بیان کرنا یہ سب تذکرہ میلادِ رسول ﷺ ہی تو ہے، بلکہ جیسا کہ فتویٰ محمد بن یحییٰ مفتی حنابلہ میں ہے۔

ثابت ہوا کہ میلاد کی محافل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قرب کا ذریعہ ہیں، اسی لئے عاشقان رسول ﷺ سارا سال محافل میلاد کا انعقاد کرتے رہتے ہیں۔ خصوصاً ماہ ربیع الاول میں نیکیوں کے اس گلشن میں تازہ بہار آجاتی ہے، ہر زبان تذکارِ میلاد سے تر ہو جاتی ہے اور ہر دل عشق رسول ﷺ سے تر و تازگی محسوس کرتا ہے، چنانچہ اسی ضمن میں ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ راولپنڈی میں 22۔فروری بروز پیر بعد نماز عشاء محفل میلاد کا انعقاد ہوا۔ اس تقریب میں خصوصی خطاب قبلہ شاہ جی کا تھا۔ قاری حافظ اصغر منظور کی تلاوت اور محمد شاہ زیب، اور لیس برادران و دیگر کی نعت کے بعد راجہ آصف کا خطاب تھا۔ انہوں نے ملک میں ہونے والی دہشت گردی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ:

"حضور ﷺ کا میلاد منانے والوں میں کوئی دہشت گرد نہیں، خفیہ ایجنسیاں دہشت گردی کرنے والوں کو بے نقاب کریں۔ انہوں نے کہا کہ سنی شیعہ کی لڑائی در اصل دیو بندی اور شیعہ کی لڑائی ہے۔ اہل سنت بریلوی نے کبھی کسی شیعہ کو نہیں مارا اور نہ ہی کسی شیعہ نے کسی سنی کو نشانہ بنایا ہے یہ فقط دیو بندیوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کیا ہے۔ انہوں نے قبلہ شاہ جی کو ایک حسین خطاب سنیوں کے قائد اعظم کہتے ہوئے آپ کی وساطت سے حکومت سے مطالبہ کیا کہ دہشت گردی کے متعلق وائٹ پیپر شائع کیا جائے اور اہل سنت کا نام بلا تحقیق استعمال نہ کیا جائے"۔

راجہ آصف کے خطاب کے بعد ایک نعت اور پھر علامہ بشیر القادری کا خطاب ہوا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں

حضور ﷺ کی سیرت و جمال پر اتنی کتابیں ہیں کہ دنیا بھر کی شخصیات کو اکٹھا کر لیا جائے تو لاکھواں حصہ بھی نہیں بنتا

میلاد کی روایات بیان کیں اور فرمایا کہ:

''بوقتِ ولادتِ رسول کریم ﷺ مشرق و مغرب روشن ہو گئے، حضرت آمنہ نے بصریٰ میں چلتے ہوئے اونٹوں کو ملاحظہ فرمالیا، ایک حسین نکتہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کسی روشنی میں اتنی طاقت نہیں کہ دیوار کے پیچھے دکھا سکے لیکن حضور ﷺ کے نورِ مبارک کی شان یہ ہے کہ حضرت آمنہ کو مکہ میں رہتے ہوئے بصریٰ اور شام کا نظارہ کرادیا، اگر حضرت آمنہ کی وسعتِ نظر کا عالم یہ ہے تو سرکار دو عالم ﷺ کی شان کیا ہوگی''۔

اس کے بعد محفل میں وہ لمحات آ گئے جس کے سب لوگ منتظر تھے۔ ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ کا وسیع و عریض حال کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ تقریباً 10:30 پر شاہ جی کرسی پر جلوہ افروز ہوئے آپ نے سفید سواتی ٹوپی پہن رکھی تھی۔

شاہ جی یوں گویا ہوئے:

اللہ کی تعریف و ثنا، حضور کی ذات بابرکات پر ہدیہ و درود و سلام، آپ کے آل و اصحاب کے حضور سلام عقیدت عرض کرنے کے بعد علمائے کرام، مشائخ عظام، عمائدین شہر، برادرانِ دین و ملت اور انٹرنیٹ کے ذریعے دور دراز کے

علاقوں میں گفتگو سننے والے مسلمان بھائیو اور قابل احترام بہنو! اللہ کا شکر ہے کہ حضور رحمت عالم کی ولادت کی خوشیاں ایک بار پھر نصیب فرمائیں۔ آپ کی ولادت مبارک 12۔ربیع الاول کو ہوئی۔ عجیب اتفاق کہ اللہ نے آسمانی کہکشائیں تخلیق فرمائیں تو ان کو بھی 12۔حصوں میں تقسیم فرمایا، قرآن نے فرمایا تبارک الذین جعل فی السماء بروج و جعل فیها سراج و قمرا منیرا.

علم ہیئت کے مطابق زمین کے کچھ حصے گرم ہیں اور کچھ ٹھنڈے، کہیں آگ اور کہیں پانی ہے۔ جغرافیہ دان اطلیس کے مطابق زمین کے بھی 12۔حصے ہیں۔ حضور ﷺ مدینہ شریف سے پہلا لشکر لے کر حق کی پرچم برداری کے لئے بدر نکلے تو رمضان کی 12۔تاریخ تھی۔ جب رفیقِ اعلیٰ سے ملے تو 12۔لاکھ مربع میل زمین پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔

نبی کریم ﷺ کی ولادت سے قبل عربوں کے دستور کے مطابق حرم شریف کے اندر مسہری لگا کر صرف ایک ہستی بیٹھ سکتی تھی اور وہ حضرت عبدالمطلب تھے یعنی حضور کے دادا جان۔

ولادت کے روز ایک عورت تیز قدموں کے ساتھ حرم میں داخل ہوئی اور حضرت عبدالمطلب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے رئیس مکہ! اللہ نے تمہیں پوتا عطا کیا ہے۔ آپ نے گھر جانے سے پہلے حکم کیا کہ اونٹ ذبح کئے جائیں اور کھانا تمام لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔ راستے میں عورت نے کہا کہ بچہ معمولی نہیں، قانون فطرت پلٹتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ زمین و آسمان روشنی میں ڈوبے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے حضور کو بانہوں میں اٹھایا اور ایک نعتیہ قصیدہ ارشاد فرمایا:

الحمد للہ الذی اعطانی......

سب سے بازی لے گیا''۔

آپ تمام لوگوں کو علم ہے کہ حضور ﷺ کے والد کا نام حضرت عبداللہ ہے۔ میں آپ کے ذہنوں پر دستک دیتا ہوں کہ حضور نے 40۔سال کے بعد اسلام کی دعوت دی تو آپ کے والد کا نام ''اللہ کا بندہ'' کس نے رکھا؟

دادا نعت پڑھے الحمد للہ الذی اعطانی ''اللہ کا شکر جس نے مجھے عطا کیا''۔

یہاں ایک حسین نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ حضرت عبدالمطلب نے ''اعطا'' کہا

کسی عالم دین کی دوات کے اندر روشنائی شہید کے خون سے اعلیٰ ہے

"اتا" نہ کہا۔

ابن منظور لکھتے ہیں کہ "اتـــا" میں وسیلہ ہوتا ہے اور "اعطا" بغیر وسیلہ کے ہوتا ہے، یعنی باقی سوہنے حضور کے وسیلے سے ہیں اور حضور ﷺ اللہ نے خود عطا فرمائے۔

جب حضور ﷺ کا نکاح ہوا تو حضرت ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ **الحمد للہ الذی جعلنا من سللة اسماعیل**، حضور ﷺ نے فرمایا میں پاک پیٹھوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوا، یعنی نکاح جائز طریقے سے ہوتے رہے، دستور اسلام کے مطابق نکاح ہوتے رہے، گویا جس وقت تم دستور جانتے نہ تھے اس وقت بھی حضور کے آباء میں کوئی ایسا نہ تھا جو دستور جانتا نہ ہو۔

شاہ جی نے میلاد کا پہلا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

میلاد کی پہلی بات کہ جس طرح مولود پاکیزہ ہے اسی طرح والدین بھی پاکیزہ تھے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ ہمارے حضور ﷺ کی سیرت و جمال پر اتنی کتابیں ہیں کہ دنیا بھر کی شخصیات کو اکٹھا کر لیا جائے تو لاکھواں حصہ بھی نہیں بنتا۔ درخت قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی، تو پھر بھی سرکار کی تعریف ختم نہ ہو سکے۔ دراصل جو بھیجنے والا ہے مقام بھی وہی جاننے والا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام صبر میں مشہور، حضرت یوسف علیہ السلام حسن میں، حضرت داؤد علیہ السلام لحن میں، حضرت سلمان علیہ السلام حکومت میں، حضرت آدم علیہ السلام کا نالہ مشہور، عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جلوہ، گویا کسی کا جمال، کسی کا جلال، لیکن واقدی نے کہا کہ حضور ﷺ کو صرف مظہر جمال یا مظہر کمال ہی نہیں کہا جائے گا اس لئے کہ حضور ﷺ کو جس زاویے سے دیکھو ہر زاویہ ایسا چمکا کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔ مولا علی ؓ نے کہا کہ آپ کی مثل نہ پہلے پیدا ہوا نہ قیامت تک ہوگا۔

خدا نے فرمایا:

وما ارسلنک الا رحمة اللعالمین

رحمت کیا ہے؟ قسامت کی ضد، کسی کا دکھ دیکھا تو دل پسیج گیا۔ تکلیف دیکھی تو سینہ مہربانی سے بھر گیا۔ مصیبت والے کی ضرورت کو پورا کرنا، استحقاق سے زیادہ دینا، مفت دینا اور کہنا کہ ابھی تو کچھ نہیں دیا، یہ رحمت ہے۔

ایک نہایت حسین اور عشق سے لبریز نکتہ شاہ جی نے ارشاد فرمایا:

ماں کے پیٹ میں بچہ جس تھیلی میں ہوتا ہے اسے رحم کہتے ہیں، حضور رحمۃ اللعالمین ہیں، گویا ساری کائنات بچوں کی طرح ہے اور محبوب نے ساری کائنات کو آغوش رحمت میں لے رکھا ہے۔ وسعت اخلاق سے وسعت کمال کا اندازہ لگایئے کہ تمام کائنات میرے محبوب کی جھولی میں ہے اور میرے حضور ﷺ سب کو فائدہ پہنچا رہے ہیں، جو بندہ کسی کی مصیبت پر صرف تڑپے لیکن کسی کے کام نہ آئے وہ رحم دل نہیں ہوتا بلکہ رحم دل وہ ہوتا ہے جو کسی کی مصیبت پر تڑپے بھی اور اس کی مصیبت دور بھی کرے۔

امراء القیس نے جب اپنا قصیدہ کعبہ کی دیوار پر لگایا تو حضرت علی ؓ نے سورہ کوثر لگا دی۔ امراء القیس پریشان ہو گیا کہ محمد ﷺ سب سے آگے نکل گئے کہ ان کی زبان سے حسن ہی حسن نکلتا ہے، جمال ہی جمال نکلتا ہے۔ بادشاہوں کی دہلیز سے کریکٹر پیدا نہ ہوا لیکن حضور ﷺ کے دروازہ سے کردار کی دولت ہر ایک کو حاصل ہوئی، یہی وجہ ہے کہ متانت میں حضرت ابوبکر، انتظام میں حضرت عمر، حیا میں حضرت عثمان، علم میں حضرت علی، شرم و حیا میں حضرت فاطمہ، استقامت میں حضرت امام حسن و حسین، فقر میں حضرت ابوذر غفاری، اذان میں حضرت بلال، امانت میں حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مثال نہیں ملتی۔۔۔ صاحبو! اگر کریکٹر کی دولت لینا ہے اور حسن کردار کو اپنانا ہے تو حضور ﷺ کی دہلیز کو چوم لو۔

حضور ﷺ غزوہ خیبر سے فارغ ہوئے، حضرت علی ؓ نے قلعے کا دروازہ توڑا، مال غنیمت تقسیم ہوا، تو یہودیوں کے سردار حیٔ بن اخطب کی بیٹی زینب بھی مال غنیمت میں آئی، لوگوں نے کہا کہ سردار کی بیٹی ہے اس لئے حضور ﷺ اپنے نکاح میں لے آئیں، حضور ﷺ نے قبول فرمایا اور زینب نام تبدیل کر کے صفیہ رکھا، (اس لئے کہ زینب نام کی زوجہ محترمہ پہلے ہی حرم شریف میں موجود تھیں) علماء نے لکھا ہے کہ عربوں کی تاریخ میں ایسی ذہین عورت نہ گزری۔ وقت گزرتا گیا، حضور ﷺ کا وصال ہو گیا، صدیق ؓ کا دور بھی گزر گیا، حضرت عمر ؓ کا دور آیا، کسی نے شکایت کی کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جمعہ پر ہفتہ کو فضیلت دیتی ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے آپ سلام اللہ علیہا کی طرف پیغام بھیجا کہ مسلمانوں کا خلیفہ شرف باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔ آپ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ میرے خلاف مقدمہ ہے لہٰذا میں کٹہرے میں حاضر ہوں گی۔ حضرت عمر ؓ نے مناسب نہ جانا اور جمعہ و ہفتہ کی فضیلت پر سوال عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب کفر کی حالت میں تھی تو قرآن نہیں پڑھا تھا تب ہفتہ کو ترجیح دیتی تھی لیکن اب قرآن حضور ﷺ سے پڑھا ہے اور جب سے سورہ جمعہ پڑھی ہے، جمعہ کو ہی تقدیس مآب سمجھتی ہوں، شکایت غلط کی گئی ہے۔ جس لونڈی نے شکایت کی تھی حضرت عمر ؓ نے اسے سزا دینا چاہی کہ اس نے ام المومنین پر الزام تراشی کی ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے قرآن میں پڑھا **وما ارسلنک الا رحمة اللعالمین**۔ حضور ﷺ تو دشمنوں کو معاف کر دیتے تھے۔ آپ بھی اس لونڈی کو معاف کر دیں، میں بھی معاف کر دیتی ہوں اور صرف معاف ہی نہیں بلکہ آج سے اسے آزاد بھی کرتی ہوں، اس لئے کہ میں تو خود رحمت کی آماجگاہ میں رہی ہوں۔

مزید نکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ

رحمت والا وہ ہوتا ہے جو استحقاق سے زیادہ دے، یعنی اگر بچہ 6ویں کلاس میں پڑھتا ہو تو سال کے بعد 6ویں کا سرٹیفکیٹ دینا، یہ استحقاق ہے لیکن سال کے بعد میٹرک کا سرٹیفکیٹ دے دینا استحقاق سے زیادہ دینا ہے اور ہمارے ہاں یہ مناسب نہیں کہ 6ویں کے بچہ کو دسویں کا سرٹیفکیٹ دے دیا جائے۔ اب استحقاق سے زیادہ دینا کیا ہے؟ علامہ سہیلی نے فرمایا کہ حضور جس کو دیتے پہلے اسے اہل بناتے پھر اسے استحقاق سے زیادہ عطا فرماتے، گویا دامن طلب بھی حضور عطا فرماتے اور پھر بھیک بھی عطا فرماتے۔

فاردق اعظم آئے شہید کرنے فرمایا آنے دو اس لئے کہ اس کے پاس تیر ہیں، نگاہ تو ہمارے پاس ہے۔

حضرت بلال ؓ کی شکایت ہوئی کہ شین صحیح نہیں پڑھتے، فرمایا بلال ؓ کی سین تمہاری شین سے زیادہ اچھی ہے۔ حضرت بلال ؓ کو اتنا دیا کہ فرمایا بلال ؓ! تیرے جوتوں کی آواز جنت میں آ رہی تھی۔ خود اندازہ لگائیں بلال ؓ کو اتنا دیا تو صدیق ؓ و فاروق ؓ کو کتنا دیا ہوگا۔

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں حضور ﷺ کو Most successful of all Prophets and Spiritual Leaders لکھا ہے۔ دراصل کامیابی انسانیت کو نوازنا ہے۔ حضور نے انسانیت کو نوازا اور انسانوں کو قرب خدا کی دولت سے سرفراز کیا۔ آخر میں علم اور علماء کی فضیلت پر شاہ جی نے بات ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ علم سے محبت کرو، کسی عالم دین کی دوات کے اندر روشنائی شہید کے خون سے اعلیٰ ہے۔

آخر میں ساری اسلامی تعلیمات کا نچوڑ شاہ جی نے اس شعر کے ذریعے ارشاد فرمایا:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

☆☆☆

آستانہ عالیہ چھالے پر

60ویں سالانہ عرس مبارک کی عظیم الشان تقریب

خصوصی خطاب

مفسرقرآن مفکراسلام

سید ریاض حسین شاہ

زیرصدارت

صاحبزادہ پیرسید انتصار الحسن شاہ

رپورٹ: عبدالقادر مصطفائی

گجرات کے معروف قصبہ کڑیا نوالہ کے نواح میں خاندان رسالت مآب کی عظیم روحانی درگاہ آستانہ عالیہ چھالے شریف پر غوث یگانہ پیر سید نصیب علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، پیر سید والی حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ، پیر سید منظور حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے 60ویں سالانہ عرس مبارک کی عظیم الشان تقریب کا انعقاد 5۔فروری بروز جمعۃ المبارک کو وارث فیضان غوث یگانہ صاحبزادہ پیر سید انتصار الحسن شاہ کی زیر نگرانی ہوا۔

عرس مبارک کے عظیم اجتماع سے روح پرور وانقلاب آفریں خطاب ارشاد فرمانے کے لئے مفسر قرآن علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ (مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان) کی گجرات آمد پر باوقار و شاندار استقبال، عالمی مبلغ اسلام علامہ صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی سجادہ نشین باؤلی شریف و دیگر معزز علماء کرام نے کیا اور شاہ جی کے اعزاز میں پرتکلف عشائیہ دیا۔ جماعت اہل سنت پنجاب کے ناظمِ اعلیٰ مفتی محمد اقبال چشتی، علامہ محمد یاسر، علامہ محمد عثمان بھی اس موقع پر موجود تھے۔ بعدازاں عظیم الشان قافلہ کی صورت میں قبلہ شاہ جی گجرات شہر سے آستانہ عالیہ چھالے شریف پر تشریف لائے۔ چھالے شریف آمد پر قائد اہل سنت کا صاحبزادہ سید اسرار الحسن شاہ، محمد اظہر اقبال، عبدالمصطفیٰ منہاس، علامہ محمد شہباز چشتی و دیگر نے شاندار استقبال کیا، عرس مبارک کی تقریب کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا۔ تلاوت قرآن حکیم کی سعادت استاذ القراء قاری سید صداقت علی شاہ نے حاصل کی، بارگاہ رسالت میں گلہائے عقیدت ملک کے نامور ثناء خوان رسول ﷺ نے پیش کیے۔

عرس مبارک کے عظیم اجتماع سے منزل نواز و روح پرور خطاب ارشاد فرماتے ہوئے مفسر قرآن پیر سید ریاض حسین شاہ نے اس بات پر زور دیا کہ انسانی معاشرت کی درستگی، بر و احسان کی اقدار کی بالادستی اور تہذیب نفوس کے لئے ضروری ہے کہ ہم دنیا و آخرت دونوں کی اصلاح کے لئے کسی شیخ کامل کی بیعت کریں جس کی سند حضور ﷺ تک متصل ہو۔ اہل اللہ کے ہاتھوں میں ہاتھ دینا دراصل دستِ رسول ﷺ کی نسبت حاصل کرنا ہے، ہادی و مرشد حقیقت میں حضور انور ﷺ ہی کی ذات ہے۔ تمام سلاسل کے بزرگ مریدین کی نسبتیں حضور ﷺ ہی سے جوڑتے ہیں اور ریاضتوں، اذکار اور اطاعتوں سے قرب رسول ﷺ ہی کے منہاج تک پہنچاتے ہیں اور آقا و مولا تاجدار نبوت ﷺ معرفتِ کردگار کا وسیلہ عظمیٰ ہیں۔ شاہ جی نے فرمایا کہ بیعت ہی وہ ذریعہ ہے جس سے شخصیت کو نکھارا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری بیعتوں کو نبی کریم ﷺ تک پہنچائے اور آپ ﷺ کے فیضان نظر سے ہمارے نفوس کا تزکیہ فرمائے تاکہ دینی اور دنیا دونوں کی کامیابیاں مقدر بن سکیں۔ اس موقع پر جماعت اہل سنت پنجاب کے ناظمِ اعلیٰ مفتی محمد اقبال چشتی، علامہ سید شمس الرحمٰن مشہدی، علامہ محمد حنیف قریشی و دیگر علماء و خطباء نے محبتِ اہل بیت عظام و ادب صحابہ کرام اور ان عظیم المرتبت ہستیوں کی زندگیوں کو مشعل راہ بنانے کی خوبصورت انداز اور مستند واقعات و اقوال کی روشنی میں ترغیب و دعوت دیتے ہوئے کہا کہ رسول کریم ﷺ کی آل و عزت کی محبت اعلیٰ ترین نیکیوں میں سے ہے، عزتِ پیغمبر ﷺ سے محبت و عقیدت ہر مومن کے لئے واجب ہے اور بخشش و مغفرت کا وسیلہ ہے اور وہ لوگ نہایت خوش مقدر ہیں جو اصحاب رسول اور آل مصطفیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔

عرس مبارک کی دن کی نشست میں خطبہ جمعۃ المبارک جماعت اہل سنت کے مرکزی نائب پیر سید خضر حسین چشتی نے ارشاد فرمایا۔ خواتین کے لئے عرس مبارک کی نشست حسبِ روایت 4۔فروری کو منعقد ہوئی۔ خواتین کے عظیم اجتماع سے خصوصی خطاب دختر پیر سید حامد علی شاہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ، خطیبہ اسلام محترمہ مسز رفعت سیدہ المعروف بی بی جان نے ارشاد فرمایا۔ خواتین اور مردوں کے لئے الگ الگ محافل میں عقیدت مندان و جملہ اہل سنت نے قافلہ در قافلہ شرکت کی۔ بذریعہ قرعہ اندازی الگ الگ محافل میں خواتین و مردوں کے لئے عمرہ کے ٹکٹوں کا بھی انتظام اور تمام شرکاء کے لئے لنگر کا وسیع انتظام کیا گیا۔

عرس مبارک کی تقریب کے شرکاء سے صاحبِ سجادہ پیر سید انتصار الحسن شاہ نے اپنے صدارتی خطبہ میں احکام اسلامیہ پر کاربند رہنے اور خلافِ اسلام باتوں سے بچنے کا عہد اور تلاوت قرآن اور حضور ﷺ کی ذات بابرکات پر ہدیۂ درود و سلام پیش کرنے کی تاکید کی اور کہا کہ ہمارے تمام تر مسائل کا حل قرآن اور اسوۂ رسول کو رہنما بنانے میں ہے۔ قارئین جماعت اہل سنت و دیگر نے پیر سید انتصار الحسن شاہ کو مزارات، مسجد اور عظیم دینی درسگاہ کی جدید بنیادوں پر ازسر نو تعمیر پر مبارکباد پیش کی۔ عرس مبارک کی تقریب کے اختتام پر سید انتصار الحسن شاہ نے دعا فرمائی۔

☆☆☆

اہل اللہ کے ہاتھوں میں ہاتھ دینا دراصل دستِ رسول ﷺ کی نسبت حاصل کرنا ہے

تصوف سیمینار

بیادسراج السالکین حضرت خواجہ فیض محمد شاہ جمالی

رپورٹ: صاحبزادہ محمد معین الدین شاہ جمالی

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ انسان قدرت کا حسین ترین شہکار ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس کے شرف کی سلامتی سیرت رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھل ہی کر قائم رہ سکتی ہے اور سیرت رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھل جانا ہی تصوف ہے۔ آج کے مادیت گزیدگی کے دور میں اس کے احیا کی بہت ضرورت ہے اس مقصد کے لئے ایک محفل کا انعقاد 11۔فروری بروز جمعرات کو پاکیزہ وہاربی کیو ڈیرہ غازی خان میں "تصوف سیمینار بیادحضرت خواجہ فیض محمد شاہ جمالی" کے نام سے ہوا۔ جس میں معززین شہر کے علاوہ حضرت خواجہ محمد سعید صاحب مہاروی، خواجہ غلام نظام الدین صاحب تونسوی، خواجہ عبدالمناف صاحب تونسوی، خواجہ غلام فرید صاحب کوریجہ آف کوٹ مٹھن شریف اور سید مقبول محی الدین صاحب گیلانی اور میجر محمد اکرم اور میجر راشد کامران نے شرکت فرمائی۔

حضور خواجہ پیر محمد اکرم شاہ جمالی کی زیر سرپرستی منعقد ہونے والے اس سمینار کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ صحیفہ رشدو ہدایت کی تلاوت سرگودھا سے تشریف لائے مہمان قاری محمد حبیب سلطان نے کی۔ جب نصیب یاوری کرے تو سعادت مندوں کا حصول ناممکن نہیں ہوتا، چنانچہ ثناء خوانی رسول ﷺ کی سعادت بھی قاری صاحب کی حصہ میں آئی۔

میری زندگی کا تجھ سے یہ نظام چل رہا ہے
تیرا آستان سلامت میرا کام چل رہا ہے

آپ کی مسحور کن صداؤں سے محفل پر ایک روحانی کیف طاری ہوگیا۔ اس کے بعد آقاو جہاں ﷺ کی بارگاہ میں خواجہ محمد فخرالدین شاہ جمالی نے عقیدت کے پھول نچھاور کئے۔

نعت شریف کے بعد بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے تشریف لائے ہوئے مہمان گرامی پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف سیالوی کو دعوت دی گئی۔ آپ نے تصوف سیمینار کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ "حدیث شریف میں ہے: عند ذکر الصالحین تنزل رحمة یعنی اللہ والے اور صوفیاء کے ذکر کے دوران اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، اس لئے ان محافل کا انعقاد کیا جاتا ہے تاکہ اولیاء کے ذکر سے خدا کی رحمت کا حصول ممکن بنایا جاسکے اور ان کی سیرت کو مشعل راہ بنایا جاسکے۔ صوفی کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ حلیۃ الاولیاء میں امام باقر فرماتے ہیں۔ من عاش في ظاهر الرسول فهو سني ومن عاش في باطن

اپنے نفس کو خواہشات سے پاک کرلینا ہی تصوف ہے

الرسول فهو صوفي جس نے نبی کریم ﷺ کی حیات ظاہری کے مطابق زندگی بسر کی، وہ سنی ہے اور جس نے آپ ﷺ کی حیات باطنی کے مطابق زندگی گذاری، وہ صوفی ہے"۔

اگر پچھلے دور میں دیکھا جائے تو صوفیاء کی کتابیں مثلاً عوارف المعارف وغیرہ مدارس میں پڑھائی جاتیں تھیں، لیکن آج اس چیز کی سخت کمی ہے کہ تقریباً ایک سو سال سے ہمارے نصاب میں تصوف کی کتابیں شامل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ تعلیم تو ہورہی ہے مگر تربیت نہیں ہورہی، فتوے تو دیئے جارہے ہیں مگر تزکیہ نفس والے لوگ کم ہیں۔ علم اور تصوف دونوں کی اہمیت امام مالک کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے ولم تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن جمع بينهما فقد تحقق جس نے فقہ کی تعلیم تو حاصل کی لیکن تصوف کو حاصل نہیں کیا وہ فاسق ہوگیا اور جس نے تصوف کو حاصل کیا مگر علم فقہ کو حاصل نہیں کیا وہ زندیق ہوگیا اور جس نے ان دونوں کو جمع کرلیا اس نے حق کو پالیا۔

آج کی وہشت گردی کی وجہ بھی یہی ہے کہ تصوف کی روح مدارس سے نکل گئی اور احترام آدمیت اور انسانیت کے تقدس کی جو تعلیمات صوفیاء نے پیش کی تھیں آج ان سے ہماری درس گاہیں محروم ہیں اور خواجہ پیر محمد اکرم شاہ جمالی کی ذات صد تحسین کے لائق ہے جنہوں نے اس کمی کو پورا کیا اور دور کے تقاضوں کے مطابق اس خوبصورت سمینار کا انعقاد کیا۔

محفل کی وہ گھڑیاں نہایت پرسعید تھیں جن سلسلہ چشتیہ کے روحانی مرکز مہار شریف سے خواجہ محمد سعید تشریف لائے اور مسند صدارت کو زینت بخشی۔

اس کے بعد لاہور سے تشریف لانے والے پروفیسر سعید احمد سعیدی نے تصوف کی حقیقت کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے اعلیٰ کردار اور سیرت کو واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ "نبی کریم ﷺ کے چار فرائض نبوت میں سے ایک فریضہ تزکیہ نفس بھی تھا اور یہی فرض حضور نبی رحمت ﷺ کے بعد صوفیاء کرام نے باحسن طریقہ سے ادا کیا۔ اپنی زندگیوں کو ختم کرگئے مگر لوگوں کے دلوں کو زندہ کرکر دیا۔ کسی نے تبلیغ کو ذریعہ بنایا، کسی نے تصنیف کے ذریعہ یہ فریضہ سرانجام دیا اور کسی نے مجاہدہ کو حسن بخشا۔ کوئی مفسر کہلایا تو کسی کو زمانے نے شیخ الحدیث کے نام سے یاد رکھا اور کسی نے علوم عقلیہ کو زینت بخشی، اس طرح ان مبارک ہستیوں نے اس مقدس فریضہ کو بخوبی انجام دیا۔ تزکیہ نفس اور آدم گری کے اس فن کو ہی تصوف کہتے ہیں"۔

پروفیسر صاحب نے کہا کہ" آج یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ تصوف جاہلوں کا مسلک ہے، تصوف ضلالت ہے، صوفیاء کی زندگی کاہل ہوجاتی ہے، وہ زندگی کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے نہیں رہتے۔ آپ نے کہا کہ علم کی دو قسمیں ہیں، علم ظاہری، علم لدنی۔ کوئی صوفی ایسا نہیں گذرا جو علم ظاہر سے نابلد ہو۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ تمام صوفیاء کرام جہاں معرفت کے شہنشاہ تھے وہاں دولت علم سے بھی مالا مال تھے، جہاں نور عرفان سے منور تھے وہاں زیور علم سے بھی آراستہ تھے۔ جب بھی اسلام پر کوئی آنچ آئی تو صوفیاء کرام نے اسے سہارا دیا اور اپنے کردار اور سیرت سے اسلام کو چار چاند لگا دیئے، چنگیزیوں کے طوفان کو روکا تو صوفیاء نے روکا، اکبر کے فتنہ سے نجات دلائی تو ان بوریاں نشینوں نے دلائی۔ صرف یہ نہیں کہ اسلام کو فتنوں سے محفوظ فرمایا بلکہ چاردانگ عالم میں اسلام کے علم کو بلند کیا۔ تاریخ میں یہ مثالیں تو ملتی ہیں کہ شہنشاہوں نے اپنے محلات کو خیرآباد کہہ دیا مگر ایسی مثال

سیرت رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھل جانا ہی تصوف ہے

جس نے تصوف کو حاصل کیا مگر علم فقہ کو حاصل نہیں کیا وہ زندیق ہو گیا

ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی کہ کسی گدڑی پوش نے اپنے جھونپڑے کو چھوڑ دیا ہو، اس کے بعد انہوں نے اس عظیم شخصیت کی سیرت پر روشنی ڈالی جن کی یاد میں یہ سیمینار منعقد کیا گیا تھا۔

سراج السالکین حضرت خواجہ فیض محمد شاہ جمالی کی شخصیت علمی و روحانی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ استاذ العلماء کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ پاک و ہند کے اکثر آستانے اور جید علماء یا تو آپ کے ڈائریکٹ شاگرد ہیں یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ صدر جمعیت علمائے ہند شیخ الحدیث جامعہ اجمیر شریف حضرت علامہ غلام معین الدین اجمیری، امام النحو حضرت علامہ مولانا غلام محمود پپلا شریف، حضرت علامہ مولانا سید امیر چھپڑ شریف خوشاب، پیر طریقت حضرت علامہ محمد عبد اللہ باروی، حضرت علامہ مولانا احمد علی نائب شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور اور حضرت علامہ مولانا عبد الکریم آپ ہی کے فیض یافتہ تھے۔ حضرت مولانا خورشید، خورشید ملت بنے تو آپ ہی کے در سے بنے حضرت علامہ مولانا منظور احمد فیضی مناظر اسلام کہلائے تو آپ ہی کے فیض سے اور حضرت مولانا خدا بخش اظہر کے علاوہ ایک کثیر تعداد نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا آپ نہ صرف علوم ظاہر کے حامل تھے، بلکہ علوم باطنی سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے۔ تو کل آپ کی زندگی کا ایک خاصہ تھا۔ زہد و تقویٰ کو اپنی حیات مستعار کا شعار بنائے رکھا اور علوم شریعت کے علاوہ تشنگان علم کے قلوب کو علوم معرفت سے بھی سیراب کیا کرتے تھے۔

فرحت و انبساط کی بات یہ ہے کہ یہ داستان ایسی نہیں جو فراموش ہو چکی ہو اور قصہ ماضی بن گئی ہو بلکہ آج بھی اس آستانہ سے علم و معرفت کی خوشبوئیں مہک رہی ہیں۔ قال قال رسول ﷺ کی صدائیں آج بھی سنائی دیتی ہیں۔ علم و عرفان کے خزانے آج بھی لٹائے جا رہے ہیں۔ حضرت صاحب نے پانچ خوبصورت مدارس قائم فرما کر اس فیضان کو جاری رکھا ہوا ہے۔ اس میں سے ایک ادارہ بنات اسلام کی حسن تعلیم و تربیت کے لئے کام کر رہا ہے۔ ان اداروں میں 400 مسافر طلباء و طالبات کے علاوہ کئی صد مقامی بچے بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ جن کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ حسبِ مراتب جدید تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ان اداروں کے انتظام و انصرام کے لئے آپ نے اپنی زیر سرپرستی ایک ٹرسٹ بنام "شاہ جمالی ٹرسٹ تعلیم الاسلام" کا قیام فرمایا ہوا ہے۔

اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر اسحاق قریشی تشریف لائے جن کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے تصوف کے ساتھ علم کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "تصوف علم کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے یہی دعا مانگی کہ اے اللہ! ایسا نبی بھیج جو تیری آیات کی تلاوت کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ نفس کرے۔ اللہ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور قرآن پاک میں فرمایا **لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا... الخ** لیکن تربیت کو بدل دیا۔ حضرت ابراہیم کی دعا میں کتاب و حکمت کی تعلیم کا ذکر پہلے ہے اور تزکیہ نفس کو پہلے ذکر فرمایا اور کتاب و حکمت کو بعد میں ذکر فرمایا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب و حکمت کی تعلیم کے لئے تزکیہ نفس ضروری ہے۔ تمام صحابہ کرام کی زندگی میں بھی یہی پہلو بدرجہ اتم نظر آتا ہے"۔

آپ نے کہا یہ خانقاہیں، یہ آستانے کیا تھے یہ علم و حکمت کے مراکز تھے جب سے علم اٹھتا گیا مسندیں خالی ہوتیں گئیں کیونکہ علم کے بغیر مسندیں نہیں چلتیں۔ آپ نے کہا کہ صوفی وہ ہوتا ہے جس کا قلبی لگاؤ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتا ہے وہ ہر لمحہ اسی کی یاد میں محو رہتا ہے، یہی فرق ہے صوفی کی نماز میں اور عام انسان کی نماز میں۔ عام انسان کا سر جھکتا ہے تو نماز ہوتی ہے جبکہ صوفی کا دل جھکتا ہے تو نماز ہوتی ہے پھر اس مالک کے آگے ایسا جھکتا ہے کہ پھر کسی کے سامنے نہیں جھکتا"۔ آپ نے عشقِ رسول ﷺ کو تصوف کے حصول کا ذریعہ بناتے ہوئے کہا "ویسے تو تصوف رب کو تلاش کرنے اور اسی کو راضی کرنے کا نام ہے لیکن حقیقت میں تصوف رسول اکرم ﷺ کو تلاش کرنے کا نام ہے کیونکہ رب ملتا ہے تو اسی آقا ﷺ کو راضی کرنے سے ملتا ہے۔ جس نے اس در کو چھوڑ دیا وہی بھٹک گیا اور گمراہ ہو گیا"۔ ڈاکٹر صاحب کے یہ حسین کلمات سن کر میرے ذہن میں فوراً قلندر لاہوری کا یہ شعر آ گیا۔

محمد عربی کہ آبروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

نام ونہاد صوفیوں کی گمراہی کی وجہ بھی یہی تھی کہ جب ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو رسول اکرم ﷺ کا نام تک نہیں ملتا پھر انہیں ہدایت کس طرح مل سکتی تھی کیونکہ تصوف تو نام ہی سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت کو اپنانے کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے لیکچر کا ایک ایک جملہ اثر انگیز تھا اور عشق رسول ﷺ سے لبریز تھا اور عشق رسول ﷺ کی ایسی خوشبوؤں سے معطر گفتگو تھی جس کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے لفظوں کا جامہ پہنانا مشکل ہے۔

آخر میں آپ نے کہا کہ "تصوف کو ذریعہ بناؤ عشق رسول ﷺ کا، تصوف کو ذریعہ بناؤ سیرت رسول ﷺ کو اپنانے کا"۔ آپ نے کہا کہ "ایک صوفی کی زندگی اس سے عبارت ہوتی ہے جس طرح زبان تیس دانتوں کے اندر رہ کر بھی ان کے نیچے نہیں آتی اسی طرح صوفی بھی دنیا کی میخوں اور فتنوں کے اندر رہتا ہے مگر اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنے آپ کو ان سے محفوظ رکھتا ہے اور دنیا کی رنگینیوں میں گم نہیں ہو جاتا"۔

آخر میں شیخ الحدیث حضرت خواجہ محمد اکرم نے سامعین کو صوفیاء کی تعلیمات سے آگاہ کیا اور تصوف سے متعلق فرمایا کہ "تصوف کے ذریعے علم الیقین کا حصول ممکن ہوتا ہے جو انتہائی درجے کا علم ہے۔ اپنے نفس کو خواہشات سے پاک کر لینا ہی تصوف ہے"۔

جب انسان تزکیہ نفس کے ذریعے اپنے دل کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کر لیتا ہے تو وہ اپنی منزل مقصود کو پا لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وہی سیاہ دل انوار تجلیات الٰہیہ سے منور ہو کر خالق ارض و سما کا مسکن بن جاتا ہے، پھر وہ عظیم ذات جو کائنات کی لامحدود وسعتوں میں نہیں سما سکتی اپنے نیک بندے کے چھوٹے سے دل کو اپنا ٹھکانہ بنا لیتی ہے۔ کسی ایسے ہی پروقار ول کے متعلق خواجہ فرید سائیں نے فرمایا:

نہ کافی سمجھ کفایہ نہ ہادی سمجھ ہدایہ
کر پرزے جلد وقایہ ایہہ دل قرآن کتاب اے

لہٰذا دل کی پاکی کے لئے کوشش کرنی چاہئے صوفیاء کی پاکیزہ زندگیوں کا بھی یہی مقصد رہا اور اسی بات کی انہوں نے لوگوں کو تعلیم دی۔ اس کے بعد آپ نے تشریف لانے والے تمام مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کیا اور دعاؤں سے نوازا۔ یقیناً اس معظم اور مثالی تصوف سیمینار میں آنے والے سامعین تا دیر اپنے دلوں میں اس کے روحانی کیف کو محسوس کرتے رہیں گے۔

☆☆☆

علوم شریعت کے علاوہ تشنگان علم کے قلوب کو علوم معرفت سے بھی سیراب کیا کرتے تھے

معروف روحانی درگاہ دربار عالیہ نقشبندیہ رواتڑہ شریف کے سجادہ نشین

فخر السادات حضرت پیر سید بشیر احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے

ختم چہلم کی عظیم الشان محفل

خصوصی خطاب پیر سید ریاض حسین شاہ

صدارت پیر سید افضل حسین شاہ، نگرانی پیر سید عرفان میر شاہ بخاری نے فرمائی

ضلع جہلم کی معروف روحانی درگاہ آستانہ عالیہ نقشبندیہ رواتڑہ شریف کے سجادہ نشین حضرت پیر سید بشیر احمد شاہ بخاری کے ختم چہلم کی عظیم الشان محفل کا انعقاد تحریک پاکستان کے عظیم رہنما امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ کی درگاہ کے سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ پیر سید افضل حسین شاہ جماعتی کی زیر صدارت اور آستانہ عالیہ رواتڑہ شریف کے سجادہ نشین پیر سید عرفان شاہ کی زیر نگرانی ہوا۔ اسے سادات کرام کی کرامت اور طرہ امتیاز ہی سمجھے کہ پیر سید بشیر احمد شاہ بخاری کے ختم چہلم کی محفل تبلیغ دین اور سید الشہدا حضرت امام حسین کے مشن کو فروغ دینے کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ قرار پائی۔

ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اس محفل پاک میں بطور مہمان خصوصی خاندان رسالت کے چشم و چراغ قائد اہل سنت مفسر قرآن حضرت پیر سید ریاض حسین شاہ مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان تشریف لائے۔

پیر سید ریاض حسین شاہ نے رواتڑہ شریف کے سادات کرام کی اس عظیم درگاہ کے عظیم اجتماع سے محبت و عظمت اہلِ بیتِ رسول اور اصلاح نفس کے حوالہ سے تاریخ ساز گفتگو ارشاد فرمائی۔ شاہ جی کی دلوں کو تسخیر کر لینے والی باتیں رازِ زندگی، حسن اعمال، اصلاحِ احوال، استقامت کردار، اللہ پرستی اور محبت رسول کا پیغام بانٹتی ہیں۔ شاہ جی خیر کی خوشبو خیرات کرنے والے انسان ہیں۔ پیر سید ریاض حسین شاہ نے اپنے ایمان فروز، روح پرور خطاب میں اس بات پر زور دیا کہ قرآن حکیم اور اہل بیت سے محبت و وفا دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کی ضمانت و دلیل ہے۔ اہل سنت آہ حسین نہیں واہ حسین کہتے ہیں، واہ حسین کہنا منشورِ حیات ہے۔ ذکرِ علی مومن و منافق کی پہچان کا پیمانہ ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ آج کا انسان سکون واطمینان کا متلاشی ہے معاشرہ کو امن و سکون دولت اور سلاطین نہیں بلکہ سکون واطمینان اولیاء کرام کی محبت وصحبت ہی سے میسر آسکتا ہے۔ اہل اسلام کو شیطان سے تعلق ختم کرنا ہوگا تاکہ رحمٰن سے تعلق مضبوط ہو۔ پیارے رسول ﷺ کے مقام کے تحفظ اور نظام کے غلبہ کے لئے محنت کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے والوں کو قرآن اطمینان دلاتا ہے کہ تمہارا منشور کبھی پست نہیں ہوگا اور پاک نبی ﷺ کی پاک جماعت کا جھنڈا اُٹھانے والے کبھی رسوا نہیں ہوں گے۔

اس بابرکت محفل میں ممتاز عالمِ دین علامہ صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی زیب سجادہ باولی شریف نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ خانقاہی نظام درحقیقت امن و محبت اور وفا کی تحریک کا نام ہے۔ اولیاء کرام نے ہمیشہ انسانیت کو دین حق پر استقامت اختیار کرنے اور اللہ و رسول ﷺ سے وفا کرنے کا درس دیا ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول ﷺ سے وفا کرے اللہ و رسول ﷺ سے اپنے تعلق کو مضبوط بنائے اللہ کریم کبھی بھی ایسے شخص کو محروم نہیں فرماتا۔

ختم پاک کی محفل کے موقع پر پیر سید بشیر احمد شاہ بخاری کے صاحبزادے پیر سید عرفان میر شاہ کی دستار بندی بھی کی گئی۔ پیر سید افضل حسین شاہ جماعتی نے صدارتی خطاب واختتامی دعا فرمائی۔

ختم چہلم کی تقریب میں وزیرِ اوقاف آزاد کشمیر صاحبزادہ حامد رضا سیالکوٹی، استاذ العلماء علامہ حافظ نور محمد بندیالوی، سید جاوید اقبال شاہ، مولانا منیر احمد، مولانا محمد اکرم و دیگر علماء و مشائخ و سادات کرام اور عقیدت مندان رواتڑہ شریف اور علاقہ بھر کے معروف علماء کرام و عوام الناس نے بھرپور شرکت کی۔

☆☆☆

حرف حرف دھڑکتا ہوا، لفظ لفظ بولتا ہوا، بات بات من میں اترتی ہوئی

علامہ سید ریاض حسین شاہ

کی فکرِ قرآن سے منور اور عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبی ہوئی روح پرور انقلاب انگیز تصانیف

خود پڑھیے دوسروں کو پڑھایئے

تبصرہ (سورہ یوسف، سورہ یس)	قرآن حکیم کی جمال آراء اور حکمت افروز تفسیر
معجم اصطلاحات	علمی وفنی اصطلاحات کا نادر مجموعہ
سنابل نور	مرشد الکریم حضرت لالہ جی محمد جمشید قدس سرہٗ العزیز کی محافلِ نور کی حکایاتِ مہر ومحبت
لوح و قلم تیرے ہیں	اسلامی انقلاب کے لئے سلگتے جذبوں کا تحریری اظہار
صبح زندگی	اخلاقی اور روحانی زوال کی مہیب تاریکیوں میں ملت اسلامیہ کے لیے حیاتِ جاوداں کا پیغام
صفیرِ انقلاب	خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے افرادِ ملت کے لیے دعوتِ عمل
پروقار محبت عزت نواز عشق	حُبِ رسول ﷺ کی جاں نواز کیفیات کی ایمان افروز تفصیل
سراغِ زندگی	فلسفۂ عبادت پر ایک منفرد تحریر
حقیقت تقویٰ	تقویٰ کی کیفیتوں اور تقاضوں پر مشتمل ایک حسین تصنیف
میلاد النبی ﷺ بیان و برکت	علامہ ابن جوزی محدث کی مشہور کتاب "بیان المیلاد النبوی" کا سلیس اردو ترجمہ

- Philosphy of Taqwa
- Path to Eternity
- Dignified Love That Glorifies

- مفاہیم قرآن
- حسن السمت
- بار امانت
- معیار عمل
- ابو درداؓ
- عبدالرحمٰن بن عوفؓ
- مصعب الخیرؓ
- عباس بن عبدالمطلبؓ
- صہیب بن سنانؓ
- بلال حبشیؓ
- سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ
- جعفر بن ابی طالبؓ
- ابو ایوب انصاریؓ

اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 5838038

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ، خیابان سرسید سیکٹر III، راولپنڈی۔ فون: 4831112

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ، مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد۔ فون: 8713691

منجانب: طارق صدیق کھوکھر و عقیل صدیق کھوکھر

eChromatics

...COMMUNICATION ARTS...

BUILDING A STRONGER FUTURE

NEW SHALIMAR GROUP OF STEEL INDUSTRIES

The largest manufacturer and stockiest of hot-rolled steel profiles in Pakistan

New Shalimar Group of Steel Industries was established in 1969. Today it is the largest manufacturer and stockiest of rolled steel profiles in Pakistan. With different re-rolling and melting units in Lehore, Karachi & Sheikhupura, we are producing more then 300 high quality steel products including I-Beam, H-Beam, Channel, Girder, Angle and T-Iron at competitive prices to our valuable customers. The quality policy of the company can be seen from the fact New Shalimar Group pioneered to achieve International standard of ISO Certification. They are also the proud winners of 1st LCCI Achievement Award 2005.

UKAS

TÜV

DIN EN ISO 9001:2000

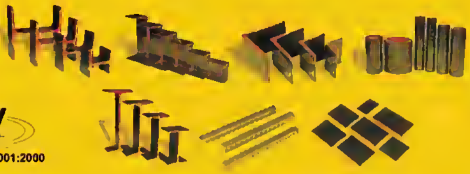

D&B

International Credit Information Ltd.
D-U-N-S # 64-547-5372

New Shalimar Steel Industries (Pvt). Ltd
45 Peco Road, Badami Bagh, Lahore.
Ph: 7280419, 7280424, 7284040, 7610357
UAN: 111-450-045 Fax: 7281181

Zamsun Steel Industries
E-13/A, Mauripur Road,
S.I.T.E, Karachi.
Ph: 2582177, 2585875 Fax: 2561168

Sun Steel Industries
F-113, Mangophir Road, S.I.T.E. Karachi
Ph: 2572448, 2574605, 2574606
Fax: 2572847

E-mail: nss@brain.net.pk Website: http://www.newshalimar.com